امن کا راستہ

عبدالغفار مدھولی اُستاد جامعہ ملیہ
جامعہ نگر۔ اوکھلا

سنٹرل بکڈپو، ادبی مرکز
اُردو بازار۔ جامع مسجد دہلی

ناشر۔ مکتبہ جامعہ دہلی
مطبوعہ۔ دیال پریس۔ دہلی
قیمت۔ تین روپئے (سعہ)

انتساب

ان سکھوں ، مسلمانوں اور ہندوؤں کے نام
جو اس حیوانیت کے دور میں اپنی انسانیت کو
نہیں بھولے ۔ جنھوں نے بغیر کسی فرق کے ہر
مذہب و ملت کے لوگوں کی جان و مال اور آبرو کی
حفاظت کی ۔ ان کی دستگیری اور خدمت کی ۔ اب بھی
کر رہے ہیں اور ہمیشہ کرتے رہیں گے

عبدالغفار مدھولی
اپریل سنہ ۴۸ء

شکریہ

میری بیشتر کتابیں اُستاد محترم جناب ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب کے ملاحظہ کے بعد ہی شائع ہوئی ہیں۔ اس کتاب کو بھی یہ شرف حاصل ہے

مہاتما جی کے فرزند، میرے دوست اور جامعہ کے ساتھی دیو داس جی نے سرورق کے لئے تصویر مرحمت فرما کر اس کتاب کی زینت بڑھائی ہے

اس موضوع پر لکھنے میں بہکنے کا اندیشہ تھا، میرے دوست حامد علی خاں صاحب نے مجھے مفید مشورے دئے

میں ان سب حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں

عبدالغفار مدھولی

اپریل ۱۹۴۶ء

فہرست

تقریب

انسانی فطرت دھوپ چھاؤں، اندھیرے اجالے کا طلسم ہے۔ اس کے اندر وحشیانہ جبلتیں شائستہ عادتوں کے ساتھ ملی جلی موجود ہیں۔ معمولی حالات میں یہ وحشت ضمیر، رائے عامہ اور قانون کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی رہتی ہے، لیکن شورش اور ہیجان کے زمانے میں بندھن کمزور ہو جاتے ہیں تو انھیں توڑ کر رکھ دیتی ہے اور اچھی طرح کھل کھیلتی ہے۔ چنانچہ ہمارے بدنصیب ملک نے پچھلے دو تین سال میں اور خاص کر پچھلے سال وحشت اور بہیمیت کے ایسے ایسے ہولناک مناظر دیکھے جن کے خیال سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

لیکن ایسے موقعوں پر جہاں انسان کی دبی ہوئی حیوانی خصلتیں ابھر آتی ہیں وہاں ان کے شرافت اور جوانمردی کے چھپے ہوئے جوہر بھی چمک اٹھتے ہیں۔ اگر کچھ لوگ اتنے گر جاتے ہیں کہ ان کی حرکات پر شیطان کو بھی شرم آئے تو کچھ اتنے اونچے ہو جاتے ہیں کہ ان کے کارناموں پر فرشتے بھی فخر کریں۔ بلکہ کبھی کبھی وہی لوگ جو ایک دن قتل و غارت کے مرتکب ہوئے دوسرے دن انسانیت اور ہمدردی کا دم بھرنے لگتے ہیں۔

فسادات کے تاریک پہلو کو تو ہمارے اخبار نویسوں ادیبوں اور شاعروں نے بڑی شد و مد سے دکھایا ہے لیکن اس کے روشن پہلو کی طرف اتنی توجہ نہیں کی گئی، حالانکہ اس دیوانگی کے زمانے میں بھی کروڑوں آدمیوں نے اپنے ذہنی توازن کو قائم رکھا، لاکھوں نے اس کو برا بھلا کہا، ہزاروں نے اس کو روکنے کی کوشش کی، سیکڑوں نے اس کوشش میں سخت سے سخت تکلیفیں اٹھائیں اور ایک مردِ خدا ایسا بھی نکل آیا جس نے اس آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو اپنے خون کے چھینٹوں سے بجھا دیا۔

میرے دوست اور جامعہ ملیہ کے مخلص کارکن عبدالغفار مدھولی صاحب نے اس کتاب میں تصویر کا یہ روشن رخ دکھا کر ایک بڑی کمی کو پورا کر دیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ان کی یہ خدمت قدر کی نظر سے دیکھی جائے گی

سید عابد حسین

۸ راکتوبر ۱۹۴۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱- جشن آزادی

۱۵ راگست ۱۹۴۷ء کے بے مثال جشن آزادی میں دہلی میں جو کچھ دیکھا اس کا حال میں اپنے دوست محمد حسین صاحب کو بھی سنانا چاہتا تھا جو ان دنوں سری نگر میں موسم گرما کی چھٹیاں گزار رہے تھے۔ ہندوستان کی ایک قوم، جس کو ایک رکھنے کے لئے ہم نے پچیس سال سے جدو جہد کی تھی اس طرح ایک نظر آرہی تھی جیسے ہمارے خوابوں کی یہی تعبیر ہے۔ یہی ایک قوم کے چھوٹے چھوٹے حلقوں میں بھی مسرتوں کے چرچے جاری تھے کہ اس کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ صدیوں کی متاع لٹنے لگی اور وہ ہولناک مناظر دیکھنے میں آئے جنھیں دیکھ کر وحشی بھی خوف زدہ ہو جائیں۔ یہ وبا زیادہ عرصہ نہیں رہی اور ملک کے زیادہ حصوں میں نہیں پھیلی مگر اس کے اثرات دور دور تک پہنچے اور فضا میں ایک اداسی چھاگئی سب کے دل و دماغ پر اسی کا تسلط ہو گیا۔ ہماری تحریروں میں، تقریروں میں، ادب میں، فکر میں یہی چیز سب سے نمایاں ہو گئی۔ اس میں شک نہیں کہ جو کچھ کہا گیا یا لکھا گیا حالات کو سنوارنے اور بنانے کے لئے مگر آزادی کے جشن میں مسرتوں کے جو بے مثال نمونے دیکھنے میں آئے تھے شاید ہم انھیں بھولتے جا رہے ہیں۔ ہماری مشکلات آج بھی بڑی

سخت ہیں۔ راستہ کٹھن ہے لیکن منزل پر پہنچنا بہر حال ہے۔ دشوار گذار راستے کی تلخیوں کے ساتھ کچھ خوشیاں بھی ہمارے سفر کا سرمایہ ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ ہم جشن کے اس یادگار زمانہ کو نہ بھولیں۔ اس کی یاد دلوں میں تازہ رکھیں اور درمیانی زمانے کی تلخیوں کو بھولتے ہوئے اپنی زندگی سنوارنے میں لگ جائیں۔ اسی امید پر ان پر کیف مناظر، تقریروں اور تحریروں کو قلم بند کر رہا ہوں جنھوں نے یوم آزادی کے سلسلہ میں دلی کو امیدوں اور امنگوں کی دنیا بنا دیا تھا۔ اس کتاب میں ایسا مواد بھی پیش کرنے کی کوشش کروں گا جس میں یہ دکھایا گیا ہو کہ انسانیت کو بچانے کے لئے ہندوستان اور پاکستان کے اچھے لوگوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ بقول ذاکر صاحب:-

"کوئی سماج جو انسانیت کے مرتبے سے ہمیشہ کے لئے بہیمیت کے پامال میں نہ گرنے لگی ہو، کبھی بھی ایسے افراد سے خالی نہیں ہوتی جو بدی کی اس آندھی میں نیکی کے چراغ کو اپنے دامن کی پناہ میں روشن رکھتے ہیں۔ جو ان قدروں پر جمے رہتے ہیں جن کو زندگی میں پورا کرنا اور برتنا انسانیت کا امتیازی وصف ہے۔ یہ لوگ تھوڑے سے ہوتے ہیں مگر جیسے روٹی میں نمک اور ان کے بغیر ساری انسانی تاریخ ایک بے کیف داستان ہو جائے ان کی کامیابی محدود ہوتی ہے اس لئے کہ زندگی کا کاروبار چل ہی اس لئے رہا ہے کہ ابھی ان کا کام نامکمل ہے یہی لوگ اور ان ہی کی کوشش زندگی کو زندہ رہنے کے قابل بناتی ہے۔ مایوسیوں میں، ابتلاؤں میں، حوادث کی آندھیوں میں یہی لوگ زندگی کا دیا ہوتے ہیں اس دیئے کی لو کبھی اونچی

ہوجاتی ہے کبھی نیچی، مگر بجھتی کبھی نہیں، یہ بجھ جائے تو انسانیت بحیثیت انسانیت ختم ہو جائے "

آئیے پہلے ہندوستان کے جھنڈے سے اس کی ابتدا کریں

آزادیٔ ہند کے ایکٹ کا اعلان ہونیکے بعد ہندوستان کی دستور ساز جماعت نے ہندوستان کے جھنڈے کا نمونہ پیش کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی تھی۔ یہ نمونہ ۲۲ ؍ جولائی ۱۹۴۷ء کو اسمبلی نے منظور کیا۔ اس تقریب کا حال اخبار تیج کے نمائندہ نے اس طرح لکھا ہے :۔

" پنڈت جواہرلال نہرو نے جو ہندوستان کی آزادی کی روح ہیں آج صبح کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی میں ترنگے جھنڈے کو قومی جھنڈا قرار دینے کا ریزلیوشن پیش کیا، ترنگا جھنڈا وہی ہے جسے اب تک کانگرس کا جھنڈا کہا جاتا تھا۔ ترنگے پر اب تک چرخہ کا نشان ہوتا تھا اب چرخہ کی جگہ چکر رکھا گیا ہے

پنڈت جواہرلال نہرو کی یہ تجویز ترنگے جھنڈے کی جے کے نعروں اور تالیوں کی گونج کے درمیان اتفاق رائے سے منظور ہو گئی کہ ترنگا جھنڈا جس میں اوپر کیسری، بیچ میں سفید اور نیچے سبز رنگ ہے اور درمیان میں وہ چکر ہے جو سارناتھ میں اشوک کی لاٹ پر ہے۔ آزاد ہند کا قومی جھنڈا ہوگا۔ ہاؤس کی فضا آج قومی جوش وخروش سے بھرپور تھی اور جذبات کا دریا امنڈ رہا تھا جب ہندو مسلمان، سکھ، عیسائی، پارسی غرض یہ کہ ہر فرقہ کی طرف سے یعنی ہندوستانی قوم کے نمائندوں کی طرف سے نہرو کے ریزولیوشن کی تائید کی جارہی تھی اور قومی جھنڈے سے

وفاداری کا عہد کیا جا رہا تھا، کتنے ہی مقرروں نے جس میں مسلم لیگ کے لیڈر بھی شامل تھے اعلان کیا کہ آج سے ہندوستان کے ہر ماشندے پر ترنگے جھنڈے کو سلام کرنا اور اس کی عزت برقرار رکھنے کیلئے ہر ممکن قربانی کرنا فرض ہوگا

موثر انداز سے ایک سے زیادہ مقرروں نے اس موقع پر مہاتما گاندھی کو شردھانجلی پیش کی جنھوں نے چوتھائی صدی میں غلام ہندوستان کی کشتی کو طوفانی سمندر سے نکال کر آزادی کے کنارے تک پہنچا دیا۔ پنڈت نہرو نے اپنے ہاتھ سے جب پہلی دفعہ قومی جھنڈا لہرایا تو ہاؤس میں جے کے نعرے گونج اٹھے۔ کھادی اور ریشم کے دو جھنڈے صدر کے سامنے دونوں طرف نصب کردئیے گئے ''

پنڈت جواہر لال نہرو نے آج کی تاریخی تقریر میں فرمایا:-

''اس تجویز کے الفاظ نہایت سادہ اور نسبتاً قانونی ہیں ان میں نہ کوئی خاص جذبہ ہے اور نہ کوئی جوش لیکن پھر بھی مجھے یقین ہے کہ جو گرمی اور جوش میں اس وقت محسوس کر رہا ہوں اس کو ایوان کے حاضرین بھی پوری طرح محسوس کرتے ہوں گے اس تجویز اور جھنڈے کے پیچھے جس کو اس ایوان میں پیش کرنے کا شرف مجھے حاصل ہوا ہے، قوم کی مختصر مگر عظیم الشان تاریخ ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم ایک مختصر سے زمانے میں صدیوں کی منزل طے کرتے ہیں۔ ہماری مختصر سی زندگی میں محض زندہ رہنا اتنا اہم نہیں جتنا وہ

کام جو ہم اس عرصہ میں انجام دیں اسی طرح ملک کی زندگی میں صرف اس
کا قائم رہنا ہی اہم نہیں ہے بلکہ یہ زیادہ اہم ہے کہ اس ملک نے مختلف
ادوار میں کیا کچھ کیا۔ میں دعوے کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان
گذشتہ چوتھائی صدی میں یکسوئی کے ساتھ عمل کرتا اور زندگی گذارتا رہا ہے
ہندوستان کے لوگوں کے دل جن جذبات سے بھرے ہوئے ہیں۔ وہ
ایک عرصہ کے جمود کو ہی نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ کسی شدید چیز کی
نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ چیزیں ہماری تاریخ اور روایات میں بس گئی ہیں اور
اس وسیع تاریخ اور ان روایات کا جزو بن گئی ہیں جو ہمارے ملک
کی میراث ہیں۔ اس تجویز کو پیش کرتے وقت میں اس اجتماعی تاریخ کے
متعلق سوچ رہا ہوں جس سے ہم گزشتہ ربع صدی میں دوچار ہوئے
ہیں۔ مجھے اس وقت بیتے ہوئے دن اور اس عظیم الشان ملک
کی شاندار جنگ آزادی کے نشیب و فراز یاد آرہے ہیں۔ مجھے یاد
ہے اور اس ایوان کے دوسرے دوستوں کو بھی یاد ہوگا کہ
کس طرح ہم اس جھنڈے کی طرف صرف عزم اور ولولے کے ساتھ
ہی نہیں بلکہ ایک بے پایاں جوش کے ساتھ دیکھا کرتے تھے اور
کس طرح جب ہم کبھی مایوس اور مضمحل ہوتے تو اس جھنڈے کو دیکھ کر
پھر سے ہم میں آگے بڑھنے کی ہمت پیدا ہوجاتی۔ وہ لوگ جو موجود
نہیں ہیں یا جو ہم سے بچھڑ چکے ہیں اس جھنڈے کو سہارا دیتے رہے
ان میں سے کچھ شہید ہوئے مگر مرتے دم تک اس کی حفاظت کرتے

ہے اور بعد ازیں ان کے سپرد کر دیا

اسی طرح اس تجویز کے سادہ الفاظ کے پیچھے بہت کچھ ہے جو سطح پر ظاہر نہیں ہوتا۔ ان الفاظ میں آزادی کی جدوجہد اور اس کے نشیب و فراز، کوششیں اور ناکامیاں سب موجود ہیں اور اس وقت جب میں اس تجویز کو پیش کر رہا ہوں، ان الفاظ میں ایک قسم کی فتح ہے وہ فتح جو اس طویل جدوجہد کے بعد نصیب ہوئی ہے

میں اس وقت محسوس کر رہا ہوں اور اس احساس میں اس ایوان کو بھی شریک ہونا چاہیئے کہ ہمیں ناکامیاں بھی ہوئی ہیں۔ گذشتہ مہینوں میں خاص طور پر کچھ ایسے واقعات ہوئے ہیں جو ہمارے رنج و غم کا باعث ہیں . . . . . . لوگوں کی کثیر تعداد کو ظلم سہتے دیکھا ہے۔ بے شمار لوگ بے سروسامانی کے عالم میں بے گھر ہو کر در بدر پھر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم ایسی چیزیں بھی دیکھ چکے ہیں جن کا ذکر اس ایوان کے سامنے کرنا کچھ مناسب نہیں لیکن انھیں ہم بھلا بھی نہیں سکتے۔ یہ غم ہمیں ستا رہا ہے اب بھی جب کہ ہم نے فتح حاصل کر لی ہے یہ ہم سے جدا نہیں ہوا ہم کو آج اور مستقبل میں بڑے بڑے مسئلوں کا سامنا کرنا ہے لیکن پھر بھی میرا یہ عقیدہ ہے آج ہماری تحریک کی فتح مندی اور کامیابی کی گھڑی آ گئی ہے۔

. . . . وہ عظیم اور طاقتور سلطنت جو اس ملک میں سامراجیت کی علمبردار تھی، اب یہاں سے

جا رہی ہے۔ یہی منزل ہے جہاں ہم پہنچنا چاہتے تھے اور اس میں شبہ نہیں کہ ہم اس منزل پر پہنچ گئے ہیں یا چند دنوں میں پہنچ جائیں گے۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ ہم نے اس مقصد کو بالکل اس صورت میں نہیں پایا جیسا کہ ہم چاہتے تھے۔ وہ مصیبتیں اور ناگوار باتیں جن سے ہمیں کامیابی حاصل کرنے میں دوچار رہنا پڑا۔ ہمیں قطعی پسند نہیں ہیں لیکن ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسا اتفاق بہت کم ہوتا ہے کہ لوگوں کی ساری آرزوئیں بجنسہٖ پوری ہو جائیں۔ ایسا کبھی کبھار ہی ہوتا ہے کہ وہ تمام مقاصد اور نصب العین جنھیں پیش نظر رکھ کر ہم جد و جہد کرتے ہیں کسی ایک فرد یا ایک قوم کی زندگی میں سب کے سب پورے ہو جائیں

. . . . اگر ہم نے آج وہ مقاصد حاصل نہ کیئے جس کے لیے ہم کوشش کر رہے تھے تو یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں اور اس میں شرمندگی کی بھی کوئی ایسی بات نہیں۔ کیوں کہ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہماری کامیابی کوئی معمولی کامیابی نہیں ہے۔ یہ کامیابی اہم اور بہت بڑی کامیابی ہے محض اس لیئے اس کی تحقیر نہیں کرنی چاہیئے کہ کچھ ایسے واقعات بھی ہوئے ہیں جو ہمیں پسند نہیں ہیں۔ ان دو چیزوں کو ہمیں الگ الگ ہی رکھنا چاہیئے۔ دنیا کے کسی ملک کو بھی دیکھئے۔ کون ایسا ملک ہے جس کے سامنے ہولناک مسائل درپیش نہیں ہیں اور جس نے سیاسی یا اقتصادی آزادی کے لئے جو کسی نہ کسی وجہ سے ان کی

دسترس سے باہر ہوتی ہے، کوشش نہ کی ہو۔ اس پس منظر میں اگر
ہندوستان کے مسئلوں کو دیکھا جائے تو وہ بہت زیادہ ہولناک اور
مایوس کن دکھائی نہیں دیتے۔ اس کے ساتھ یہ بھی نہ بھولنا چاہیئے کہ
یہ مسئلے کچھ نئے نہیں ہیں۔ ہم نے ماضی میں بہت سی مشکل چیزوں
کا سامنا کیا ہے، مگر ہم کبھی پیچھے نہیں ہٹے، اس طرح ہم حال اور
مستقبل میں بھی ایسے ناخوشگوار واقعات کا سامنا کرتے رہیں گے۔
ہم نہ پیچھے ہٹیں گے اور نہ لڑکھڑائیں گے اور نہ اپنے مقصد سے
بھاگیں گے

.... بہرحال میں یہ جھنڈا آپ کو پیش
کرتا ہوں، مجھے امید ہے کہ آپ اس جھنڈے کی توضیح و تشریح میں
جو تجویز پیش کی گئی ہے منظور کر لیں گے .... اس
جھنڈے کی تفسیر میں لوگ طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے
غلط فہمی سے اس کے مختلف رنگوں کو مختلف فرقوں کے ساتھ منسوب
کر دیا ہے لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ کسی فرقہ وارانہ نقطۂ نظر سے
نہیں بنایا گیا تھا۔ چونکہ ایک ملک کا جھنڈا دیکھنے میں خوبصورت ہونا
چاہیئے اس لئے ہم نے جھنڈا بنانے کے لئے ایک خوب صورت
نمونہ پیش نظر رکھا۔ ہم نے ایسا جھنڈا بنانے کی کوشش کی جس کے
مختلف اجزا مل کر اور نیز الگ الگ، ملک کے جذبات اور روایات
کی نمائندگی کریں .... لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ

صرف جمالیاتی نقطہ نظر سے بھی یہ جھنڈا دیکھنے میں بہت خوبصورت ہے اور اس طرح یہ کئی اور خوبصورت چیزوں کی علمبرداری کرتا ہے ان میں وہ جذباتی اور ذہنی چیزیں بھی شامل ہیں جن سے افراد کی اور ملک کی بھی قدر بہت بڑھ جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ملک کے لئے مادی ترقی بہت اہم ہے لیکن پھر بھی ملک محض مادی چیزوں سے ہی زندہ نہیں رہ سکتا یہ بہت ہی اہم ہے کہ ہمارے پاس دنیا کی اچھی چیزیں، مادی فراخی اور لوگوں کی زندگی کی ضروریات میسر ہوں لیکن پھر بھی ایک ملک خصوصاً ایک شاندار ماضی کے حامل ملک ہندوستان کو اپنی زندگی کے لئے اور چیزوں کی بھی ضرورت ہے جن کا تعلق روح اور جذبات سے ہے۔ اگر ہندوستان کے ساتھ یہ بلند مقصد اور روحانی جذبات گذشتہ ہزاروں سال سے وابستہ نہ ہوتے تو آج ہندوستان کی صورت کیا ہوتی! . . . . اس خاص جھنڈے اور اس جھنڈے میں جس کو ہم گذشتہ برسوں میں استعمال کرتے آئے ہیں تھوڑا سا فرق ہے۔ رنگ ایک سے ہیں، لیکن پہلے سفید حصہ پر ایک چرخہ تھا جو ہندوستان کے معمولی آدمی اور عوام کی نمائندگی کرتا تھا۔ یہ ان کی جفاکشی کا اور اس پیغام کا نشان تھا جسے مہاتما گاندھی نے ہم تک پہنچایا۔ یہ چرخہ کا نشان اب بھی موجود ہے لیکن اس میں کچھ تبدیلی کی گئی ہے۔ اس تبدیلی کی وجہ یہ ہے کہ جھنڈے کا نشان دونوں طرف ایک سا دکھائی دینا چاہئے ورنہ خواہ مخواہ کی الجھن ہوتی ہے جو بے ڈھنگا

ہے۔ پہلے جھنڈے پر جو چرخہ تھا اس کے ایک طرف تو پہیہ تھا اور دوسری
طرف تکلا۔ دوسری طرف الٹے لگے نظر آتے تھے۔ پہیہ ڈنڈے کی طرف نہیں بلکہ اُلٹی
طرف ہو جاتا ہے۔ اس عملی دشواری کی وجہ سے ہم نے اس کو تبدیل کرنا چاہا
لیکن ہم اس نشان کو بھی قائم رکھنا چاہتے تھے جس نے لوگوں کے دلوں
میں جوش پیدا کیا۔ لہٰذا ہم نے چرخہ کے اہم حصے یعنی پہیہ کو رکھ لیا اور تکلے
اور دھاگے کو جن سے یہ الجھن پیدا ہوتی تھی ہٹا دیا
اس طرح چرخہ کی وابستہ روایات قائم رہیں لیکن اب ہمارے سامنے
شکل تھی کہ کس قسم کے چکر کو جھنڈے پر بنایا جائے۔ ہماری نظر کئی قسم
کے چکروں سے اشوک کی لاٹ پر کھدے ہوئے چکروں پر گئی جس کو
سب لوگوں نے دیکھا ہے۔ یہ ہندوستان کی تہذیبی زندگی اور
ان چیزوں کا نشان ہے جس کا ہندوستان مدتوں سے ترجمان
رہا ہے۔ میں ذاتی طور پر اس لئے بہت خوش ہوں کہ اس طرح
ہم نے اپنے اس جھنڈے کو نہ صرف اس تخیل سے بلکہ ایک
طرح تاریخ کے بہت بڑے شہنشاہ اشوک اعظم کے نام سے
بھی وابستہ کر دیا ہے۔ . . . . . . ہمیں اپنے خیالات
اس طرف بھی مائل کرنے چاہئیں کہ زمانۂ قدیم میں ہندوستان کا
نصب العین کیا رہا ہے اور مجھے امید ہے اور یقین ہے کہ یہ
مقصد باوجود اپنی خامیوں اور لغزشوں اور وقتی بے عنوانیوں
کے قابل توجہ ہے اس لئے اگر ہندوستان کا نصب العین اس

قدر بلند نہ ہوتا تو ہندوستان کی تہذیبی روایات مسلسل صدیوں تک
زندہ نہ رہتیں۔ اس نے اپنی تہذیبی روایات کو جدید رجحانات اور اثرات
کی روشنی میں بدلتے اور سنوارتے اور اصل اصول پر قائم رہتے
ہوئے آگے بڑھایا۔ ہندوستان کی روایات یہ رہی ہیں کہ وہ
ہمیشہ نئے نئے گل کھلائے اور نئی پودیں پیدا کرے اور جہاں
کہیں اچھی چیزیں ملیں انھیں قبول کرے بعض اوقات بری باتیں
بھی آجائیں تو اپنے تمدن سے کبھی قدم نہ ڈگمگائیں

ہزاروں سال سے نئے رجحانات ہم کو متاثر کرتے آئے ہیں
لیکن ساتھ ہی ہم نے بھی ان کو پوری طرح متاثر کیا ہے۔ آپ کو یاد
ہوگا کہ ہندوستان ماضی میں باقی ملکوں سے الگ تھلگ ایک چھوٹا سا
ملک نہیں تھا بلکہ ایک بین الاقوامی مرکز بھی تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے لوگوں
کو اپنا پیغام دے کر دوسرے ملکوں کو بھیجتا رہا ہے اور دوسرے ممالک
کے پیغام اس نے خود سنے اور باوجودیکہ لاتعداد تغیرات ہوتے رہے
لیکن چونکہ ہندوستان نہایت مضبوط بنیادوں پر تعمیر ہوا تھا
اس لئے وہ ان پر قائم رہا۔ ہندوستان کی طاقت اسی مستحکم بنیاد
کی وجہ سے ہے۔ اس طاقت کا سبب یہ بھی ہے کہ اس میں جذب
کرنے کی بہت زیادہ قوت موجود ہے۔ یہ اچھی چیزوں کو قبول
کرتا ہے اور ہر چیز سے متاثر ہوتا ہے۔ وہ کسی چیز کو محض اس
وجہ سے نہیں چھوڑتا کہ وہ اس کی اصل غایت یا مقصد کے باہر

ہے۔ یہ سوچنا بیوقوفی ہے کہ کوئی ملک دنیا کو متاثر کرکے خود متاثر نہیں ہوگا۔ جب کوئی ملک یہ نظریہ اختیار کرتا ہے تو اس پر جمود طاری ہوتا ہے اور وہ غیر ترقی پسند بن کر زوال پذیر ہو جاتا ہے۔
ہندوستان کے عظیم ترین ادوار وہ ہیں جب اس نے اپنے بازو ہر طرف پھیلائے۔ اپنے سفیر اور تاجر دوسرے ملکوں کو بھیجے اور دوسرے ممالک کے لوگ یہاں آئے

چونکہ میں نے اشوک کا ذکر ادپر کیا ہے اس لئے میں یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ اشوک کا دور تاریخ ہند کا بین الاقوامی دور تھا۔ یہ محدود قوم پرستی کا دور نہیں تھا، یہ وہ دور تھا جب ہندوستان کے سفیر دور دراز ملکوں کو سامراجیت کا نہیں بلکہ امن، تہذیب اور شانتی کا پیغام لے کر گئے

مجھے امید ہے کہ جھنڈا جسے آپ کے سامنے پیش کرنے کا شرف مجھے حاصل ہوا ہے، کسی شہنشاہیت، سامراج یا دوسروں پر تسلط کا نشان نہیں ہوگا اور یہ نہ صرف ہماری آزادی کا بلکہ جو کوئی بھی اسے دیکھ لے گا اس کے لئے یہ آزادی کا نشان ہوگا۔ یہ جھنڈا سمندروں کے پار ہمارے جہازوں کے ساتھ اور ان ملکوں میں جہاں ہمارے سفیر اور وزیر ہیں بہت دور تک چلا جائے گا۔ مجھے امید ہے کہ جہاں بھی یہ جائے گا وہاں کے لوگوں کو آزادی کا سندیش، رفاقت کا پیغام اور یہ خوش خبری سنائے گا

کہ ہندوستان ہر اس ملک کی مدد کرنے کو تیار رہے جو آزادی چاہتا ہے۔ ہمارے جھنڈے کا یہی پیغام ہوگا اور مجھے امید ہے کہ ہم آنے والی آزادی میں کچھ ملکوں کی طرح طاقت پانے پر سامراجی نہیں بنیں گے۔ ۔ ۔ ۔ (رسالہ آج کل۔ اگست ۱۹۴۷ء)

اس کے چند دنوں بعد بالآخر وہ دن آگیا جب ہند کے در و دیوار کے چپہ چپہ پر قومی جھنڈا لہرایا گیا یعنی ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء۔ آئیے پہلے اسمبلی ہال چلیں[1]

"مہاتما گاندھی کی جے" اور "انقلاب زندہ باد" کے نعروں سے فضا گونج اٹھی جب ۱۴ اگست کی آدھی رات کو ٹھیک اس وقت جبکہ گھڑی نے میٹھے سریلے سروں میں بارہ کا گھنٹہ بجایا اور ایک انسانوں کے ہجوم نے جس کے دلوں میں قومی جوش کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا عظیم تاریخی انقلاب اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یہ انقلاب ہے ہندوستان کی آزادی کا ٹھیک آدھی رات کو کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی نے ہندوستان کی حکومت کا اقتدار و اختیار سنبھالنے کا فیصلہ اور اعلان کیا اور ممبروں نے کھڑے ہوکر آزاد ہندوستان سے وفاداری کا حلف اٹھایا۔ اس موقع پر کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی کے صدر بابو راجندر پرشاد اور آزاد ہندوستان

---

[1] جشن آزادی کے مناظر قلمبند کرنے میں میں نے تیج کے پرچوں سے اور امین صاحب لکھنوی کے ایک مضمون سے مدد لی ہے جس کے لئے میں ان حضرات کا مشکور ہوں

کی حکومت کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے تاریخی تقریریں کیں جن میں
نہایت سنجیدگی کے ساتھ ملک کی آزادی کی جدوجہد کی کامیابی پر خوشی
——— ملک کے اتحاد کے لئے امید، روشن مستقبل کی تعمیر کے عزم
قومی شہیدوں اور دیش پریمیوں سے عقیدت اور ملک کے کروڑوں
باشندوں کی بھلائی کے لئے نیک خواہشوں کا اظہار کیا

اسمبلی میں ممبروں کی حاضری تقریباً مکمل تھی۔ بدیشی سفیر اور برگزیدہ لوگ
بڑی تعداد میں موجود تھے۔ پریس اور وزیٹر گیلریاں کھچا کھچ بھری تھیں۔ ایوان میں
کہیں تل دھرنے کو بھی جگہ نہ تھی۔ انتظام موقع کے تاریخی تقاضے کے عین مطابق
تھا

آج تقریباً تمام ممبر سفید لباس میں تھے اور تمام کانگرسی ممبر سفید کھدر اور
گاندھی ٹوپی میں نہایت روح افزا منظر پیش کر رہے تھے۔ صدارتی کرسی
کے پیچھے صدر دروازے کے اوپر دو بڑے ترنگے لگے ہوئے تھے۔ اسمبلی
ہال کی دیواروں پر چھ کھمبوں میں ترنگے بنے ہوئے بڑے خوشنما معلوم
ہوتے تھے۔ گیلری سے صدر اور مقرروں پر خلاء لائٹ ڈالی جاتی تھی تو
سب کی نظریں چکا چوند ہو جاتی تھیں۔ پریس گیلریوں میں بدیشی نامہ نگار
بڑی تعداد میں موجود تھے۔ اسمبلی کی کارروائی ٹھیک گیارہ بجے قومی ترانے
سے شروع ہوئی۔ شریمتی سچیتا کرپلانی نے راشٹریہ گیت بڑے میٹھے سر سے
گایا۔ اس وقت تمام ایوان کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد صدر نے تقریر کی
پھر پنڈت نہرو نے آزادی کے حلف نامہ کا ریزولیوشن پیش کیا جو تائید کی

تقریروں کے بعد اتفاق رائے سے پاس ہوا۔ ٹھیک بارہ بجے سے ممبروں نے کھڑے ہوکر حلف وفاداری صدر کے ساتھ ساتھ لفظ بہ لفظ پہلے ہندوستانی میں پھر انگریزی میں دہرایا۔ ریزولیوشن سے پہلے تمام ایوان نے کھڑے ہوکر دومنٹ تک قومی شہیدوں سے عقیدت کا اظہار کیا۔ حلف وفاداری کے بعد صدر نے تجویز کیا کہ وائسرائے کو مطلع کردیا جائے کہ کانسٹی ٹیوینٹ اسمبلی نے ہندوستان کی حکومت کا اختیار سنبھال لیا اور ۱۵ اگست سے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر کیا ہے

آخر میں ہندوستان کی عورتوں کی طرف سے شریمتی ہنسا مہتا نے پردھان کو قومی جھنڈا پیش کیا۔ شریمتی ہنسا مہتا نے ایک مختصر سی تقریر کی۔ صدر نے "انقلاب زندہ باد" کے نعروں میں جھنڈا قبول کیا۔ اس کے بعد شریمتی سچیتا کرپلانی نے اقبال کا ترانہ "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" اور "جن من گن" گایا اور کارروائی ختم ہوگئی

اس تقریب میں کئی قابل ذکر تقریریں ہوئیں دستور ساز اسمبلی کے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد نے اگلے دن صبح کونسل میں بھی تقریر کی ہے اس لئے موصوف کی تقریر اگلے دن کی کارروائی میں دوں گا۔ اس وقت حکومت ہند کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے چند جملے سُن لیجئے۔

"چند برس پہلے ہم نے اپنی قسمت سے ایک بازی لگائی تھی۔ ایک عہد کیا تھا۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم اس عہد کو پورا کریں

یہ عہد آئندہ ہندوستان کی اور ہندوستان کے لوگوں کی سیوا کرنے کا ہوگا۔ کچھ دیر بعد یہ اسمبلی پوری آزاد اور خود مختار اسمبلی ہوگی اور آزاد اور خود مختار ملک کی نمائندگی کرے گی۔ اس پر بڑی زبردست ذمہ داریاں آجاتی ہیں جنھیں ہم کو پورا کرنا ہے

میں نے جو ریزولیوشن پہلے رکھا تھا اس میں بھی درج ہے کہ یہ آزادی ہر ہندوستانی کی آزادی ہے جس میں سب ہندوستانیوں کو برابر کے حقوق حاصل ہوں گے اور ہر شخص اس آزادی میں برابر کا حصہ دار ہوگا۔ یہ ہمارا تہیہ ہے کہ یہاں کسی پر زیادتی نہیں ہوتی چاہیے وہ کوئی بھی ہو۔ اگر کسی پر زیادتی ہوگی تو ہم اس کی مدد کریں گے چاہے وہ کوئی بھی کیوں نہ ہو۔ ہمارے سامنے جو بڑے بڑے مسئلے ہیں وہ تنگ دلی اور تنگ خیالی سے حل نہیں ہو سکتے

(تیج - ۱۶ر اگست ۱۹۴۷ء)

پھر پنڈت جی نے وہ ریزولیشن پیش کیا جس کے مطابق ممبروں نے ٹھیک ۱۲ بجے حلف وفاداری اٹھایا۔ حلف نامہ یہ ہے: -

" اس مبارک موقع پر جب ہندوستان کے لوگوں نے اپنے ایثار اور قربانی سے آزادی حاصل کی ہے، میں ——— اس دستور ساز اسمبلی کا ممبر اپنے آپ کو پوری تن دہی سے ہندوستان اور اس کے باشندوں کی خدمت کے لئے وقف کرتا ہوں، تاکہ یہ پرانا ملک دنیا میں اپنی مناسب جگہ حاصل کرے اور ساری دنیا میں امن کا

یول یالا ہو

جلسہ ختم ہونے کے بعد جب لوگ جواہر لال کو مبارکباد دینے لگے، گلے ملنے لگے تو میرے آنسو نکل آئے مجھے معلوم نہیں کہ خوشی کے آنسو کیسے ہوتے ہیں لیکن آنسو نکلتے وقت جواہر لال کی زندگی کے دو پہلو مجھ پر اثر انداز ہو رہے تھے ۔ ایک تو ان کی زندگی کی وہ تکالیف جو انھوں نے ہند کو آزاد کرانے کے لئے جھیلی تھیں دوسرے ان کا یہ اعزاز جس پر ہر شخص فخر کر رہا تھا یعنی حکومت کے سب سے بڑے ذمہ دار شخص . . . غلامی کی اندھیاری رات ختم ہوئی آزادی کا سورج طلوع ہونے والا ہے میں نے بھی اپنے مکان پر قومی جھنڈا لہرا دیا ہے ۔ آیئے خدا کے شکرانے کے بعد تھوڑی دیر آرام کریں

۱۵ اگست کی صبح کو آزادی کا سورج طلوع ہوا اس کی حیات بخش کرنیں آج ہر چہرے پر مسرت کا اضافہ کر رہی تھیں نسیم سحری کی اٹکھیلیوں کا انداز کچھ اور ہی تھا ۔ پرندے آزادی کے ترانے گا رہے تھے ۔ صبح کے اخباروں میں رات کی کارروائی کیا دیکھئے گا وہ تو ابھی آپ ملاحظہ فرما چکے ۔ آیئے بزرگوں کے پیغامات پر نظر ڈالتے چلیں ۔ جو پریس والوں نے اہتمام سے حاصل کئے ہیں

جواہر لال کا پیغام میں نے تفصیل سے دیا ہے اس میں جواہر لال کی شخصیت کی طرح امنگوں اور حوصلوں کے پھلنے پھولنے کی طرف اشارے ہیں ہندوستان کو اونچا لے جانے کے لئے مضبوط ارادے اور عہد کا اعلان ہے

اس بات کی بشارت ہو کہ ہندوستان ایشیا کی رہنمائی کرے گا۔ بشرطیکہ
جواہرلال کی طرح ہمارے دلوں میں وسعت ہو
پنڈت جواہرلال نہرو

"مقررہ دن آگیا یعنی وہ دن جو مقدر میں معین تھا اور آج ایک لمبی نیند اور بڑی جد وجہد کے بعد ہندوستان پھر بیدار ہوا ہے زندگی سے بھرپور ہے، آزاد ہے، خود مختار ہے، گو ماضی اب بھی تھوڑا بہت ہمارے دامن سے لپٹا ہوا ہے۔ ہمیں ان عہدوں کو جن کی ہم نے بار بار تکرار کی ہے، پورا کرنا ہے، پھر بھی ہم موڑ سے گذر چکے ہیں اور تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہو رہا ہے۔ وہ تاریخ جسے ہم سب مل کر بنائیں گے اور جس کے متعلق دوسرے لکھیں گے یہ لمحہ نہ صرف ہمارے لئے بلکہ تمام ایشیا اور پوری دنیا کے لئے نہایت اہم اور فیصلہ کن ہے۔ ایک نیا ستارہ مشرق کی آزادی کا ستارہ، طلوع ہو رہا ہے۔ ایک نئی امید تشکل ہو رہی ہے اور عرصہ دراز کا محبوب خواب حقیقت بن رہا ہے۔ خدا کرے یہ ستارہ کبھی غروب نہ ہو اور یہ امید کبھی بے وفائی اور غداری سے دوچار نہ ہو

ہم اس آزادی پر مسرور ہیں، اگرچہ گھٹائیں ہم پر چھائی ہوئی ہیں ہمارے بہت سے بھائی مغموم ہیں اور مشکل گتھیاں ہمیں گھیرے ہوئے ہیں۔ مگر آزادی، ذمہ داریاں اور فرائض اپنے ساتھ لائی ہے،

ہے اور ہمیں ایک آزاد اور منظم قوم کی حیثیت سے ان ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہے۔ آج کے دن سب سے پہلے ہمارا خیال آزادی کے اس معمار اور قوم کے بزرگ کی طرف جاتا ہے جس نے ہندوستان کی قدیم روح کا پیکر بن کر آزادی کی مشعل کو بلند کیا اور ہمارے ماحول کی تاریکیوں میں اُجالا پھیلا۔ اس کی پیروی میں ہمارے قدم اور ہم اس کے بتائے ہوئے پیغام سے منحرف ہو گئے۔ مگر نہ صرف ہم بلکہ آنے والی نسلیں بھی اس کا پیغام یاد رکھیں گی اور ہندوستان کے اس سپوت کا نقش اپنے دلوں میں محفوظ رکھیں گی جو اپنے عقیدے استقلال، بہادری اور انکساری میں بے مثال ہے۔ ہوائیں چاہیں کتنی ہی بلند ہوں اور آندھیاں چاہے کتنی ہی تند و تیز ہوں ہم آزادی کی مشعل کو کبھی گل نہ ہونے دیں گے

اس کے بعد ہمارا خیال آزادی کے ان گمنام رضاکاروں اور سپاہیوں کے متعلق ہونا چاہئے جنھوں نے بغیر کسی حوصلہ یا ستائش کے ہندوستان کی خدمت کی اور اس راہ میں اپنی عزیز ترین متاع، جان تک دیدی

ہم کو ان بھائی بہنوں کا بھی خیال آتا ہے جنھیں سیاسی حد بندیوں نے ہم سے جدا کر دیا ہے . . . .

. . . . ، چاہے جو کچھ بھی ہو وہ ہمارے ہیں اور ہمارے رہیں گے اور ہم ان کی شادی اور غمی میں ہمیشہ

برابر کے شریک رہیں گے۔ مستقبل ہمارے فرائض اور کاموں کی طرف
اشارے کر رہا ہے ہمیں عام آدمی اور مزدور کسان کی آزادی اور اس
کے لئے کام کے مواقع پیدا کرنے ہیں۔ غربت جہالت اور بیماری سے
جنگ کرکے ان کو نیست و نابود کرنا ہے۔ ایک خوش حال جمہوری اور
ترقی پسند قوم کی تعمیر میں حصہ لینا ہے اور ایسے سماجی، معاشی اور
سیاسی ادارے قائم کرنے ہیں جو ہر مرد اور عورت کے لئے انصاف
اور زندگی کی تکمیل میں ہر طرح کی مدد کریں

ہمارے سامنے بڑا کٹھن کام ہے ہم اس وقت تک آرام
نہیں کر سکتے جب تک ہم اپنے عہد کو مکمل طور پر پورا نہ کر لیں اور ہر
شخص کو وہ نہ دیدیں جو اس کے مقدر میں لکھا ہوا ہے۔ ہمیں ایک
ایسے عظیم الشان ملک کا شہری ہونے کا بھی فخر حاصل ہے جو نہایت
جرأت اور بہادری سے آگے بڑھنے والا ہے اور ہمیں اپنے آپ
کو اس اونچے معیار کا اہل ثابت کرنا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک چاہے
وہ کسی مذہب کا ماننے والا ہو، مساوی حیثیت سے ہندوستان
کی اولاد ہے اور سب کے یکساں حقوق، یکساں اعزاز اور یکساں
فرائض ہیں۔ ہم تعصب اور تنگدلی کی کسی حالت میں بھی حوصلہ
افزائی نہیں کریں گے۔ کیونکہ کوئی ایسی قوم بڑی نہیں ہو سکتی۔
جس کے افراد خیال یا عمل میں تنگ نظر ہوں

دنیا کے ملکوں اور قوموں کو ہم تہنیت بھیجتے ہیں اور عہد کرتے ہیں کہ

امن، آزادی اور جمہوریت کے قیام میں ہم اُن کے ساتھ ہیں اور ہندوستان کو ۔ عزیز ترین مادر وطن اور قدیم، غیر فانی اور ہمیشہ سر سبز و شاداب رہنے والے پیارے وطن کو ۔ ہم اپنا خراج عقیدت پیش کرتے ہیں اور اس کی خدمت کا از سر نو عہد کرتے ہیں۔

صدر کانگریس

"آخر ایک طویل انتظار کے بعد ہندوستان کو آزادی نصیب ہوئی اسی دن کے لئے محب وطن مدتوں سے کوششیں اور قربانیاں کرتے رہے ہیں افسوس کہ اس جنگ آزادی کے بہت سے مجاہد اس خوشی اور مسرت کے دن کو دیکھنے کے لئے اس وقت ہم میں موجود نہیں ہیں ہم ایسے تمام محبان وطن کی یاد میں عقیدت اور عزت کے پھول چڑھاتے ہیں

ہمیں خوشی ہے کہ اس جہاد کے قائد اور ملک کے بزرگ مہاتما گاندھی جن کی رہنمائی میں ہم یہ دن دیکھنے کے قابل ہوئے ہیں، آج ہمارے درمیان موجود ہیں ۔ ہم ایک آزاد قوم کی حیثیت سے ان کی سیوا میں نذر عقیدت پیش کرتے ہیں . . . .

اتحاد اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے کہ جب ہم جنھیں انڈین یونین کے شہری ہونے کا فخر حاصل ہے فرقہ وارانہ خیالات ذہن سے نکال دیں . . . . وحدت کے اسی احساس کے ذریعہ ہم اپنی اس نئی آزادی کو برقرار رکھ سکتے ہیں" (جے۔ بی کرپلانی)

سردار ولبھ بھائی پٹیل

"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس خوشی کے موقع پر ہم کو وہ ذمہ داریاں اور فرائض نہ بھولنے چاہئیں جو آزادی ملنے پر پیدا ہوتی ہیں۔ ہمارا پہلا فرض تو آزادی کو پوری قوت سے اندرونی اور بیرونی خطرات سے بچانا ہے۔ ہم کو اس کی بھی ضمانت کرنی ہے کہ ہم میں سے چھوٹے سے چھوٹا آدمی بھی ملک کے بڑے سے بڑے آدمی کے ہم دوش ہو جائے نیز مزدور کو اپنی بنائی ہوئی چیز کا معقول معاوضہ ملے۔ گاؤں کے لاکھوں لوگ اپنی عرق ریزی کا پورا صلہ پائیں اور حکومت اپنے ملک کے بچوں کو غذا، کپڑے اور تعلیم دینے کے فرائض انجام دے۔ اب قدرت نے ہمیں اپنی تمناؤں اور خواہشوں کے مطابق ملک کی قسمت بنانے کا موقع دیا ہے اگر ہم نے مادرِ وطن سے بے وفائی کی تو اس کا الزام دوسروں کو نہیں جا سکتا۔ گو ہمارے راستے میں بڑی مشکلات ہیں اور تقریباً ناقابل دشوار رکاوٹیں ہیں لیکن یہ ہمارا کام ہے کہ ہم ان پر قابو حاصل کریں۔ ہم اپنے تمام اہل وطن سے اس بڑے کام میں ہاتھ بٹانے کی استدعا کرتے ہیں۔ یہ فرض بڑا مقدس ہے جسے خود غرضی، ناسمجھی اور بے عقلی سے ملوث نہ کرنا چاہئے۔ ہماری ذمہ داریاں بہت بھاری ہیں جن کی رکاوٹ ڈالنے والی کارروائیوں سے تحقیر نہ کرنی چاہئے اور خلاف قانون کارروائیوں سے دست اندازی نہ کرنی چاہئے۔ اس ملک کے ابھی بہت سے زخم بھرنے

ہیں۔ ابھی بہت سی مغموم ہستیوں کو تسلی دینا ہے اس انسانی اور قومی کام میں مدد کرنے سے کسی کو بھی پہلوتہی نہ کرنی چاہیئے اور نہ خدمت سے ہاتھ کھینچنا چاہیئے اور نہ ہی گریز کرنا چاہیئے . . .‘‘

مولانا ابوالکلام آزاد

’’ ہماری قومی جدوجہد کا پہلا دور کامیابی کے ساتھ ختم ہو گیا ہمیں آزادی کی دولت مل گئی۔ یہ کامیابی ساری قوم کے اشتراک عمل اتحاد اور ثابت قدمی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ اپنی جدوجہد کی دوسری منزل میں ہمیں ان اوصاف کی اور بھی زیادہ ضرورت ہوگی تاکہ قومی تعمیر کا کام جو اس سے بھی اہم ہے انجام دیا جا سکے۔ ہمیں اس آزادی سے اس طرح فائدہ اٹھانا چاہیئے کہ ہماری یہ آزادی ہماری تمام امیدوں کی تکمیل کا سامان بن جائے وقت کا تقاضا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک مرد ہو یا عورت چاہے وہ جس حال میں بھی ہو ملک کے مطالبات کی طرف توجہ کرے‘‘

مسز سروجنی نائیڈو

’’ ہندوستان آج اپنی آزادی کا پرچم لہرا رہا ہے۔ وہ لوگ جو اس جھنڈے کی پناہ میں ہیں، ان کا فرض ہے کہ اس کی وفاداری اور خلوص سے خدمت کریں۔ . . . . ‘‘

راجکماری امرت کور

’’ آزادی کا آفتاب جس کے لئے ہر ہندوستانی کا دل

بے قرار تھا طلوع ہو رہا ہے . . . . . . ہمیں اس سیاسی
آزادی کا خیر مقدم کرنا چاہئے جس نے ہمیں اپنی قومی زندگی کو سدھارنے
کا ایک زرین موقع فراہم کیا ہے

عورتوں کی ذمہ داری مردوں سے کسی طرح کم نہیں ہے تعلیمی
لحاظ سے ہماری عورتیں مقابلتاً اور بھی زیادہ پیچھے ہیں اور نتیجتاً جہالت
اور اوہام کا شکار۔ اس لئے گنتی کی جو کچھ پڑھی لکھی عورتیں ہیں ان
کا کام بہت ہی مشکل ہے۔ انھیں خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف
کرنی ہوگی انھیں تلخیوں اور جھگڑوں کے زخم پر مرہم لگانا ہوگا
اور بغیر کسی مذہب و ملت کی تفریق کے ہر ایک کی خدمت
کرنا ہوگی قانون ساز مجلس میں چند نشستیں حاصل کر لینے یا کسی بڑے
عہدے پر پہنچ جانے سے کوئی بڑی خدمت انجام نہیں پائے گی بلکہ دیہاتوں
کے بھولے بسرے محنت کشوں اور شہروں کے غریبوں کو بھلائی کے
لئے کام کرنا ہی سب سے اعلیٰ خدمت ہوگی

مجھے امید ہے کہ ۱۵ اگست کو سب عورتیں اس بات کا عہد کریں
کہ وہ ہندوستان کے کروڑوں بھوکوں اور ننگوں کی خدمت کریں گی
اور ان تمام برائیوں کو دور کریں گی جن سے آج ہمارا سماج داغدار ہو رہا
ہے۔ اگر انھوں نے اپنی قوت کا اندازہ کر لیا تو وہ نہ صرف ہندوستان
کو بلکہ تمام دنیا کو امن کے راستہ کی رہنمائی کریں گی۔"

(راجکماری امرت کور)

اس مبارک دن پر دیش کے مختلف حصوں سے پانچ ہزار کے قریب مبارکبادی کے تار جواہرلال نہرو کے نام آئے ہیں۔ ہندوستان میں مقیم سفراء نے بھی اپنی حکومتوں کی طرف سے تہنیت کے پیامات دئے ہیں۔ ان میں سے چند مشہور ممالک کے پیامات یہاں درج کرتا ہوں

امریکہ

" امریکہ کے صدر اور اس کے باشندے ہندوستانیوں کو آزادی کی اس مبارک تقریب پر مخلصانہ مبارکباد پیش کرتے ہیں

امریکہ کے لوگوں کو ہندوستانیوں کی غیر معمولی اہلیت، ان کے لیڈروں کی لیاقت اور ملک کے قدرتی وسائل کی فراوانی کا حال اچھی طرح معلوم ہے۔ اب جبکہ نئی اور آزاد آبادیاں مستقبل کی طرف قدم اٹھا رہی ہیں۔ تو ہمیں توقع ہے کہ ہندوستان کے بے شمار ذرائع زیادہ سے زیادہ ترقی کر سکیں گے اور لوگوں کی خوش حالی کا باعث بنیں گے۔

یہ بہت سی مشکلات اور الجھنوں کا زمانہ ہے اور ان کا اہل امریکہ بڑی ہمدردی سے خیال رکھیں گے۔ جونہی ہندوستان ان کو حل کرنے کی کوشش کرے گا۔ امریکہ اس کی ہر طرح مدد کرے گا۔ ہمیں خوشی ہے کہ یہ دونوں ممالک اس عزم میں ہم رکاب ہیں کہ دوسری قوموں کے ساتھ امن سے رہیں گے اور اپنے ملک میں جمہوری طرز حکومت کو باقی اور برقرار رکھیں گے۔"

ہنری۔ ایف گریڈی
امریکی سفیر متعینہ ہندوستان

برطانیہ

"پچھلے سال نومبر تک مجھے ہندوستان دوبارہ آنے کا موقع نہ مل سکا میرا کام دوسرے ملکوں میں تھا اور اس سلسلے میں اس طرف رُخ نہ ہوا یہ بڑی عزت افزائی ہوئی کہ میں ہندوستان میں برطانوی حکومت کا پہلا ہائی کمشنر مقرر کیا گیا۔ اس تقرر نے میری اس پرانی خواہش کو پورا کیا کہ میں اس ملک میں آؤں جس سے میں اپنا رشتہ ایسا سمجھتا تھا جیسے کہ ایک خاندان کے ساتھ

۱۵ اگست کو ہندوستان اور پاکستان کی نوآبادیاں آزاد ہو جائیں گی اور ہماری دولت مشترکہ میں شریک ہوں گی مجھے فخر ہے کہ میں ان میں سے ایک میں ملک معظم کی نمائندگی کروں گا۔ میں اور میری بیوی ہم دونوں ان مہربانیوں اور عنایتوں کے ممنون ہیں جو ہمارے پچھلے نومبر کے قیام میں، ہندوستان نے کی ہیں، ہمارا خیال ہے کہ وہ تعلقات جن کا کہ میں نے شروع میں ذکر کیا ہے۔ ان عنایتوں کی وجہ سے اور مستحکم ہو گئے ہیں۔ اس دن کی جو ہمارے دونوں ملکوں کی تاریخ میں ایک بڑی جگہ پائے گا مبارکباد دیتے ہیں اور ہم امید رکھتے ہیں اور اس کی کوشش کریں گے کہ ان دونوں ملکوں کے تعلقات بہت، خوش گوار رہیں"

ٹرنس شون
ہندوستان میں برطانوی ہائی کمشنر

فرانس

غیر ملکی جو کہ میری طرح ہندوستان میں ہیں ایک بڑی قوم کی نئی زندگی کے نادر موقع کو دیکھیں گے۔

ایک بڑی جد وجہد کے بعد ہندوستان کو آج آزادی نصیب ہوئی، لوگ جنھوں نے بڑی ثابت قدمی سے ہندوستان کو آزادی کی طرف بڑھایا وہ جنھوں نے جد وجہد اور تکلیفوں کے طویل عرصہ میں کبھی بھی امید سے ہاتھ نہیں کھینچا آج اس تاریخی دن اپنی محنتوں کے پھل کھا رہے ہیں۔ انھوں نے دنیا کو ایک اعلیٰ اور شاید پہلی دفعہ یہ دکھایا ہے کہ کام بلاکشت وخون کے بھی ہو سکتے ہیں۔ اُن نئے نام نیک انسانوں کی یاد میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ فرانسیسی جو کہ روایات کی بنا پر آزادی سے محبت کرنے والے لوگ ہیں، اس خوشی کے موقع پر بہت خوش ہیں۔ وہ ہندوستانیوں کے لئے جن کے ساتھ کہ صدیوں سے انسانی ہمدردی اور مخلصانہ دوستی کے تعلقات رکھتے تھے خوشی اور خوشحالی کی دعا کرتے ہیں۔

ہندوستانی جو کہ دنیا کی سب سے پرانی تہذیبوں میں سے ایک کے وارث ہیں اور جن کے پاس بے اندازہ روحانی اور مادی دولت ہے طمانیت سے مستقبل کو دیکھ سکتے ہیں

ہندوستان اپنے محل وقوع کی وجہ سے مشرق اور مغرب کے درمیان ایک کڑی بن سکتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ قوموں کی

برادری میں ایک اہم حصہ لے گا۔ اس کا فلسفہ اور اس میں بسنے والوں کی قدیم عقلمندی یقیناً قوموں کو ایک دوسرے کے قریب لانے اور انسانوں میں امن اور خوشی رکھنے میں مدد دیں گے۔"

ایچ۔ رد
نمائندہ فرانس متعینہ ہندوستان

روس

روس کے وزیر خارجہ موسیو مولوٹوف نے پنڈت جواہر لال نہرو کو ایک بحری تار بھیجا جس میں ہندوستان کے آزاد ہونے پر مبارکباد دی

چین

ہندوستان آزاد ہو!
کیا یہ ہمالہ کی چوٹیوں کا خواب نہیں ہے؟
کیسا مجنونانہ اور مہمل خیال!
جو میرے دماغ میں کبھی نہ آیا تھا
بیس برس پہلے
بڑے بوڑھے بھی یہی کہتے تھے
ایک نرم اور شیریں آواز نے کہا "آزادی"
یہی ہماری منزل مقصود ہے۔
یہ پہلے ایک چھوٹے سے جسم سے پیدا ہوا

جس کی روحانی قوت بڑی تھی
پہلے یہ ایک ہلکی سی لہر تھی
لیکن آخرکار اس نے سارے بحر ہند میں تہلکہ ڈال دیا۔
جس طرح سمندر میں ایک پر ایک لہر اٹھتی ہے۔
اسی طرح قومی حوصلے بھی بے روک ٹوک آگے بڑھے۔
آزادی کے جذبے سے متاثر
انقلاب کی قوتیں آکر جمع ہوگئیں۔
آخرکار اور ناقابل یقین تعجیل کے ساتھ عقل نے فتح پائی
اور مشرق و مغرب ہم آغوش ہو گئے۔
یہ کیا اعجاز ہے
کہ آزادی بلا لڑے بھڑے
ہاتھ آجائے۔
تاریخ تمہیں بتائے گی
کہ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا
جرأت کرکے آگے بڑھو
وقت کی لگام کو مضبوط پکڑو
پہاڑ کی چوٹی پر پہنچنے کے قریب
اپنی کوششوں کو اور قوی کردو
یقیناً تم منزل مقصود تک پہنچ جاؤگے

بلند، خوشنما اور شاندار منزل
چین کی طرف سے بطور پیام تہنیت کے یہ نظم جذبۂ خلوص کے ساتھ
ہندوستانی آزادی کے مقصد کے نام معنون کی جاتی ہے

چیالوٹن لو
سفیر جمہوریہ چین متعینہ ہندوستان

آسٹریلیا

۱۵ راگست کو جس تاریخی موقع کی تقریب منائی جا رہی ہے اس کے سلسلے میں آسٹریلیا کی حکومت اور لوگوں کی طرف سے انڈیا کی حکومت اور لوگوں کو مبارکباد اور خیر سگالی پہنچانا چاہتا ہوں۔ آسٹریلیا کے لوگوں کو آپ کے ایک آزاد اور خود مختار قوم کی قومی حیثیت حاصل کرنے پر مسرت ہے اور یہ برطانوی دولت مشترکہ میں آپ کی رکنیت کا پرجوش خیر مقدم کرتے ہیں

اس امر کی پوری توقع کی جاتی ہے کہ آپ کی روایات آپ کی قدیم تہذیب اور وہ اسپرٹ جس سے آپ اس عبوری دور کو آسان بنانے کے لئے کام لے رہے ہیں۔ انڈیا کے عوام کی آئندہ خوشحالی اور عصمت کی ضامن ہوگی "

وزیر اعظم آسٹریلیا

ایران

جن زبردست تغیرات نے ہندوستان جیسے وسیع ملک کو اس قلیل مدت میں آزاد و خود مختار کر دیا وہ یقیناً محل نظر و فکر ہیں اس

کامیابی نے دنیا کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا ہے۔ ایران جیسی قوم کے لئے جس کے ہندوستان کے لوگوں سے ہزاروں قدیم رشتے ناطے ہیں اور یہ تعلقات ہمیشہ دوستی اور ہم آہنگی خیالات و رسم رواج کی کڑیوں سے جوڑے گئے ہیں۔ اس باب کا بغور مطالعہ خاص دلچسپی اور اہمیت رکھتا ہے۔ نیز یہ باب قریب مستقبل کی توقعات سے بھی لبریز ہے جبکہ دنیا یہاں کے باشندوں سے موجودہ مصائب اور تکالیف کے علاج اور آئندہ نسل کی مسرت و کامرانی حاصل کرنے کے قابل اطمینان ذرائع دریافت کرنے میں اشتراک عمل اور امداد کی متوقع ہے

ہندوستان و ایران کے تعلقات کو پنڈت جواہر لال نہرو جیسے مدبر و قابل شخص نے جس خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے دنیا بہت کم لوگوں نے کیا ہے

انھوں نے اپنی کتاب "تلاش ہند" میں لکھا ہے :-

"مختلف اقوام اور قبائل میں جو ہندوستان کی معاشرت اور تمدن پر اثر انداز ہوئے سب سے زیادہ قدیم اور کارگر اہل ایران تھے"

اسی کتاب میں ایک اور جگہ وہ فرماتے ہیں :-

"جتنا قریبی تعلق ابتدائے تاریخ سے اب تک اہل ہند و ایران میں رہا ہے اتنا کسی اور قوم میں کبھی نہیں رہا"

ان قدیم روابط کی بنا پر اہل ایران آج یہ دیکھ کر بہت خوش ہیں

کہ اس ملک کے لوگوں کی ایک بہت بڑی خوشگوار توقع کی آج تکمیل ہو رہی ہے اور ہندوستان کے سپوتوں کی انتھک کوشش اور حوصلہ مندی سے جدوجہد آزادی میں کامیابی ہو رہی ہے ہندوستان کے وسیع مطلع پر آفتاب آزادی کی پہلی کرن نظر آرہی ہے اور اپنی گود میں بڑی کامرانی و مسرت کی توقعات لئے ہوئے ہے۔

باش تا صبح دولت بدمد　　کہ ایں ہنوز از نتائج سحر است

میں اس موقع پر ہندوستان کے لوگوں کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انھوں نے اس طرح آزادی حاصل کی اور میں دست بدعا ہوں خدا ہماری ہمسایہ اور برادر قوم کو فلاح و کامرانی بخشے۔

علی معتمدی۔ قونصل جنرل ایران

عرب لیگ

میں اس مبارک موقع پر مملکت ہند کے باشندوں کو اپنی مبارکباد کا پیغام بھیجتا ہوں اور ان کی مسرت اور ترقی کا خواہاں ہوں۔ ہندوستان کی آزادی کی تقریب ہم سب کے لئے باعث مسرت ہے۔ عربوں اور ہندوستانی بھائیوں کے سیاسی اقتصادی اور تمدنی تعلقات کا رشتہ دن رات مضبوط ہوتا جا رہا ہے اور جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ ہم میں بہت سی روحانی اور اخلاقی باتیں مشترک ہیں تو یہ تعلقات اور بھی مضبوط ہوتے معلوم ہوتے ہیں۔ ہندوستان کی آزادی امید اور حوصلہ افزائی کا پیغام لائی ہے اس سے ہمارے ان مشرقی بھائیوں

کی حوصلہ افزائی ہوئی ہے جو ابھی تک برطانوی ملوکیت کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔ ہم آپ کے ساتھ اس خیال میں متفق ہیں کہ دنیا کو ابھی مشرق سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔ ہم آپ کے ساتھ اس بات میں بھی ہمنوا ہیں کہ مشرقی اقوام کے اتحاد کے ساتھ ان کی آزادی کی صورت میں دنیا بھر کی ترقی اور امن کا قیام وابستہ ہے۔

عزام پاشا
جنرل سکریٹری عرب لیگ

شام

مجھے آپ کو یہ اطلاع دیتے ہوئے بہت خوشی ہے کہ حکومت شام نے ہندوستان کی آزاد حکومت کو تسلیم کرلیا ہے۔ آپ کے وزیر اعظم بننے میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ خدا کرے آپ کی حکومت پھلے پھولے اور خوش حال ہو۔

وزیر خارجہ

افغانستان

ہندوستان کی آزادی کے اعلان اور ہندوستان کی قومی حکومت بننے پر مجھے افغان حکومت اور افغان قوم کی طرف سے آپ کو مبارکباد دیتے ہوئے انتہائی خوشی ہے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس اہم تاریخی موقع پر ہماری نیک خواہشات اور دوستانہ جذبہ آپ کے ساتھ ہے۔

ایم، علی محمد
وزیر خارجہ

سلسلے کو قائم رکھنے کے لئے بیانات(۱) کی طوالت میں جانا پڑا۔ آیئے اب تقریبوں میں شرکت کریں۔

جامعہ میں ان دنوں اگرچہ موسم گرما کی تعطیلات تھیں مگر جو لوگ اپنی چھٹیاں یہیں گذار رہے تھے انھوں نے صبح کی نماز میں شکرانہ ادا کیا۔ پھر ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے قومی جھنڈا لہرایا۔ آپ نے اپنی تقریر میں فرمایا:۔

"یہ جھنڈا امن و برکت کا نشان ہوگا۔ دکھے دلوں کو اس سے راحت ملیگی ہندوستان ہمیشہ سے روحانی اقدار کا حامل رہا ہے یہ جھنڈا ان اقدار کو یاد دلاتا رہے گا"

پاکستان کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔

"ہمارے وہ بھائی جو صدیوں سے ہمارے ساتھ شادی و غم، دکھ و درد میں ہمارے ساتھ تھے۔ ہم سے جدا ہو گئے ہیں۔ یہ جھنڈا ایک دوسرے کو دوست بنائے رکھنے میں مدد دے گا"

جامعہ کھلی رہتی تو آپ اس پروگرام کی رنگا رنگی ملاحظہ فرماتے۔ آیئے کونسل ہاؤس چلیں جہاں نو بجے ہمارے گورنر جنرل اور وزرا حلف اٹھائیں گے۔

اس سے پہلے بھی نئی دہلی کے اس کونسل ہاؤس میں وائسرائے کی انتظامیہ کمیٹی کے ممبروں نے وفاداری کے حلف اٹھائے ہیں لیکن عوام اس میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے تھے اور نہ ان کے اعلان کی طرف دھیان دیتے تھے۔ لیکن آج ہر امیر و غریب، بچہ و بوڑھا، ہر خیال، ہر طبقہ کے لاکھوں آدمی اپنے

---

(۱) میں نے بیانات رسالہ آجکل سے نقل کئے ہیں۔

وزیروں کو دیکھنے کے لئے بے چین تھے۔ کونسل ہاؤس میں کارروائی جاری تھی، باہر کے لوگ دل ہی دل میں خوش ہو رہے تھے جیسے سب کچھ ان کی آرزو کے مطابق تکمیل پا رہا ہے۔ سب سے پہلے لارڈ مونٹ بیٹن نے بادشاہ کا پیغام پڑھ کر سنایا اور اپنے متعلق اعلان کیا کہ آج سے میں آپ کا محض آئینی گورنر جنرل ہوں۔ پھر چیف جسٹس کے سامنے گورنر جنرل نے وفاداری کا حلف اٹھایا اس کے بعد ہندوستان کی پہلی وزارت نے جس کے سردار پنڈت جواہر لعل نہرو ہیں۔ تالیوں کی گونج میں آزاد ہندوستان کی وفاداری کا حلف اٹھایا

یہ ہیں ہندوستان کی کشتی کے پہلے ناخدا :-

۱۔ پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم ۔۔ خارجی معاملات، برطانوی دولت مشترکہ کے معاملات اور سائنس کی ایجادیں۔

۲۔ سردار ولبھ بھائی پٹیل ۔ نائب وزیر اعظم۔ اندرونی معاملات محکمہ اطلاعات اور نشریات۔ ریاستیں۔

۳۔ ڈاکٹر راجندر پرشاد ۔ خوراک اور کاشتکاری

۴۔ مولانا ابوالکلام آزاد تعلیم

۵۔ ڈاکٹر جان متھائی ریلوے اور ٹرانسپورٹ

۶۔ سردار بلدیو سنگھ دفاع

۷۔ شری جگجیون رام لیبر

۸۔ مسٹر سی۔ ایچ بھابھا تجارت

۱۸۱۸۸

۹۔ مسٹر رفیع احمد قدوائی رسل و رسائل، ڈاک تار، ہوائی سروس
۱۰۔ راجکماری امرت کور صحت
۱۱۔ ڈاکٹر بی آر۔ امبیدکر قانون
۱۲۔ شری آر کے شنمکھم چیٹی مالیات
۱۳۔ ڈاکٹر شاما پرشاد مکرجی صنعت و حرفت
۱۴۔ شری این۔ وی گڈگل تعمیر، کانیں اور بجلی

مہاتما گاندھی اس تقریب میں موجود نہ تھے۔ سوا ایک بار کے جب رولٹ ایکٹ زیر بحث تھا۔ کبھی کسی کونسل یا اسمبلی کا اجلاس دیکھا ہی نہ تھا لیکن ہر شخص کا دل یہ کہہ رہا تھا کہ حصول آزادی اسی مرد اعظم کا طفیل ہے۔ مونٹ بیٹن نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ "ہندوستان کی مستحکم اور فارغ البال اسٹیٹ دنیا کے امن کے لئے سب سے بڑی اہمیت رکھے گی" گورنر جنرل کے ایڈریس کے جواب میں دستور ساز اسمبلی کے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد نے فرمایا:۔

"یہ خوشی کا دن ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ہم نے اپنا تمام جیون اس دن کو حاصل کرنے کے لئے ارپن کر دیا تھا۔ آج کے دن ہمارے خوابوں کی تعبیر ملی ہے۔ آج جب ہمیں طاقت مل رہی ہے تو ہمیں ان شہیدوں کو یاد کرنا چاہیے جنھوں نے اپنی سیوا اور بلیدان سے ہمیں آج کا دن دکھایا۔

اس تاریخی موقع پر ہمیں مہاتما گاندھی کے چرنوں میں شردھانجلی

پیش کرنی چاہیئے۔ مہاتما گاندھی صحیح معنوں میں نوین بھارت کے جنم داتا ہیں انھوں نے ان تمام برسوں میں ہماری رہنمائی کی ہے بڑے بڑے کٹھن وقت پڑے۔ مہاتما جی کے بڑھاپے کا خیال کیجئے ان کی لگن اور محنت کا تصور فرمائیے اور جو کچھ انھوں نے حاصل کیا ہے اس کا جائزہ لیجئے۔ ابھی ہمارا کام ادھورا ہے اور ہمیں اسے اپنے طریق سے پورا کرنا ہے۔

جو کچھ ہم نے حاصل کیا ہے وہ فی الاصل عظیم ہے۔ یہ صحیح ہے کہ یہ سب ہماری قربانیوں کا نتیجہ ہے لیکن نہ بھولنا چاہیئے کہ دنیا کے حالات کچھ ایسے ہو گئے تھے کہ برطانویوں کو ہندوستان چھوڑنا ہی پڑا۔ ہمیں برطانوی سیاستدانوں کی دور اندیشی کا قائل ہونا چاہیئے۔ انھوں نے ہوا کا رخ پہچانا اور بہتری اس میں سمجھی کہ ہندوستان کو آزاد کر دیا جائے۔ یوں بھی برٹش قوم جمہوریت پسند واقع ہوئی ہے۔ یہ صداقت ان کی تاریخی روایت سے بھی ظاہر ہے اور ہندوستان کی آزادی میں یہ جذبہ بھی شامل ہے۔

آج ہمارے درمیان اُس قوم کا نمائندہ موجود ہے۔ . . . . .
. . . . . میری مراد وسکونٹ ماؤنٹ بیٹن آف برما اور اُن کے اسٹاف سے ہے۔ انھوں نے انتھک محنت کی ہے، انھوں نے اہم ترین پارٹ ادا کیا ہے۔ ہندوستان کی محکومی کا دور گذر چکا ہے۔ آج سے ہمارے اور اہل برطانیہ کے تعلقات میں مساوات پائی جائے گی۔ ہمارے تعلقات خوشگوار رہوں گے اور ہم ایک دوسرے

کے مفاد کا خیال رکھیں گے۔

بلاشبہ یہ دن ہمارے لئے انتہائی خوشی کا دن ہے لیکن پھر بھی ایک خیال ہمیں قدرے افسردہ بنا دیتا ہے۔ ہندوستان کو ایشور نے اور قدرت نے ایک بنایا تھا۔ تمدن، روایات و تاریخ وغیرہ کے اعتبار سے یہ ملک ایک تھا۔ یہ ملک آج تقسیم کر دیا گیا ہے اور ہمارے بہت سے بھائی ہم سے بچھڑ گئے ہیں اور سرحد پار رہنے پر مجبور کر دئے گئے ہیں ہمیں ان سے بھی کچھ کہنا ہے۔ انھیں چاہیئے کہ ہمت نہ ہاریں انھیں اپنا حوصلہ برقرار رکھنا چاہیئے اور اپنے پڑوسیوں سے پُرامن تعلقات رکھنے چاہئیں۔ یہی وہ طریقے ہیں جن سے وہ اپنی صحیح جگہ حاصل کر سکیں گے۔ ہم نئی ڈومینین کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ یہ ڈومینین آج قائم کی جا رہی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہ اپنی کل رعایا کو مطمئن رکھ سکیں اور خوش حالی اور خوش اقبالی ان کے سر کا تاج رہے ہمیں امید ہے کہ اقلیتوں کے ساتھ منصفانہ سلوک برتا جائے گا۔ اور اس نئی حکومت کا رویہ متعصبانہ یا انتقامانہ نہ ہوگا . . . .

ہماری تاریخ، ہماری روایات سب اس بات کے گواہ ہیں کہ ہم امن پسند ہیں۔ ہندوستان دنیا میں امن قائم کرنا چاہتا ہے ہندوستان کی فتوحات روحانی رہی ہیں اس نے کسی کو غلامی کی زنجیروں میں نہیں جکڑا اس نے کسی کو بیڑیاں نہیں پہنائیں۔ ہاں اس نے مختلف تہذیبوں اور تمدنوں کو ضرور ایک بندھن میں

باندھنا چاہا اور علم اور گیان کی روشنی پھیلانی چاہی ہم ان روایات کو بھائیں گے ہم ستیہ اور اہنسا کے ذریعہ اس جنگ زدہ دنیا کو امن اور خوشی کا پیغام دیں گے اور ایشور نے چاہا تو کامیاب ہوں گے ہندوستان کو ابھی اہم پارٹ ادا کرنا ہے۔ اس کی زندگی اور اس کے تمدن میں وہ خصوصیت پنہاں ہے جس کے بل بوتے پر یہ موجودہ کشمکش کو جھیل سکی ہے اور آج اس کا پھر جنم ہوا ہے اگر ہم اپنے ادرشوں پر قائم رہے تو ہمارا آنے والا دور یقیناً شاندار ہوگا۔

آئیے ہم سب اس بات کا پختہ ارادہ کریں کہ آج سے ہم ملک میں وہ حالات پیدا کریں گے جس کے ماتحت ہر فرد کو ترقی کا پورا پورا موقع ملے گا۔ مفلسی اور جہالت اور بیماری ہمارے دیش کو خیر باد کہہ دیں گے۔ اونچ نیچ اور امیر غریب کا بھید بھاؤ مٹ جائے گا۔ مذہب محض پرچار کرنے کی چیز نہ ہوگی بلکہ ہماری روزمرہ کی زندگی کا ایک جزو بن جائے گا۔ اچھوت پن کی لعنت ہمیشہ کے لئے دور ہو جائے گی۔ لوگ ناجائز منافع بازی سے باز آجائیں گے اور ادھم جاتیوں کو خاص مراعات حاصل ہوں گی وہ لوگ جو ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں وہ آگے جانے والے ساتھیوں کو پکڑ سکیں گے اور ہمارے ملک میں نہ صرف اس قدر اناج پیدا ہوگا جس سے لاکھوں کروڑوں انسان اپنا پیٹ بھر سکیں بلکہ یہاں پھر دودھ کی نہریں بہیں گی۔ وہ دن دور نہیں جب مرد اور عورتیں یہاں ہنستے ہوئے نظر آئیں گے۔ دن دن بھر

کام کے مدرسوں میں ننھی خوشی کام کرتے نظر آئیں گے۔ دن دن بھر وہ کھیتوں اور کارخانوں میں کام کریں گے۔ دیہاتی دستکاری عروج پر آئے گی اور گھر گھر میں منگلا چار ہوتا نظر آئے گا۔ اب سے بیج اور چاندان گھروں میں جگمگائے گا جہاں خوشی براجان ہوگی اور چہرہ پر تبسم کھیلتا نظر آئے گا

یہ خواب کیسے پورا ہو اس کے لئے انتہائی بلند معیاری اور قربانی کی ضرورت ہے۔ یہ حالات اسی وقت پیدا کئے جا سکتے ہیں جب ہم انتھک محنت کے لئے آمادہ ہوں، ہمارے عزم آہنی ہوں ہماری انتظامی قابلیت مسلمہ ہو اور ہم اپنی ذہنی قوتوں کو پورے طور سے کام میں لائیں۔ ہم میں بہت سے فریق ہیں جن کے آدرش ایک دوسرے سے مختلف ہیں یہ چاہتے ہیں کہ ملک کا نظام اُن کے نظریئے کے مطابق بنایا جائے اور یہاں کا کل کاروبار اُن کی منشا کے مطابق چلایا جائے، انھیں ایسا چاہنے کا حق ہے لیکن ملک اور قوم کا بھی یہ حق ہے کہ اُن سے فرماں برداری اور وفاداری چاہے ہر ایک کو بخوبی محسوس کر لینا چاہئے کہ آج جس چیز کی ہمیں سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ تعمیر ہے ہمیں ٹھوس کام چاہئے بحث و مباحثہ یا آپس کے تفرقوں سے کچھ حاصل نہیں اور ہمیں امید رکھنی چاہئے کہ ہم میں سے ہر ایک حتی الامکان ملک کی بہتری کے لئے کام کرے گا۔

ہم چاہتے ہیں کہ کسان زیادہ اناج پیدا کرے، ہمارا منشا ہے کہ مزدور زیادہ سے زیادہ تعداد میں چیزیں پیدا کریں۔ ہماری خواہش ہے کہ ہمارے صنعتی ادارے اپنے اثر و رسوخ کو پورے طور سے کام میں لائیں اور عوام کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانے کی کوشش کریں ان سب کے لئے ہم ایسے حالات پیدا کر رہے ہیں جن کے ماتحت وہ ایک معقول اور صحت مند زندگی گذار سکیں اور انھیں ترقی کے موقعے برابر ملتے رہیں۔

عوام کے علاوہ حکمراں طبقے کو بھی پبلک کا خادم سمجھنا چاہئے اور اُن کی بہبودی کے لئے کوشاں ہونا چاہئے

ہماری فوجوں نے دلیش دشا میں اپنی بہادری سے ہندوستان کا نام امر کر دیا ہے۔ ہمارے سپاہیوں، سیاحوں اور ہوابازوں کو اب سے نہ صرف اس حاصل کی ہوئی آزادی کا تحفظ کرنا ہے بلکہ تعمیری کاموں میں حصہ لینا ہے۔ ہمارے ملک کا ہر آدمی فوج کے کسی شعبہ میں بھی داخل ہو سکتا ہے اور بڑی سے بڑی جگہ حاصل کر سکتا ہے تاکہ ہمارا تحفظ مضبوط بن سکے۔

گورنمنٹ کے محکمے میں بہت سے لوگ اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز ہیں انھیں اب سے خود کو عوام کا سیوک تصور کرنا ہوگا حکومت اور عوام کو ان پر اعتبار کرنا ہوگا اور جس قدر عوام نے حالات اجازت دیں گے اس نسبت سے ان کی زندگی کو خوشگوار بنایا

جا سکے گا اور ملازمت کے بارے میں ان کی طمانیت کی جا سکے گی۔

ہم ان ریاستوں کو مبارکباد پیش کرتے ہیں جو انڈین یونین میں شامل ہوگئی ہیں اور وہاں کی پرجا کو بھی خوش آمدید کہتے ہیں . . . . .

. . . . ہمیں امید ہے کہ والیان ریاست انگلستان کے بادشاہ کی تقلید کریں گے اور نام نہاد حکمراں بن کر رہیں گے بہت سی شخصی حکومتوں کا یورپ میں خاتمہ ہوگیا لیکن برطانوی حکومت کا نظام دو بھاری جھٹکے جھیل چکا ہے میری مراد دونوں عالمگیر جنگوں سے ہے۔ ہندوستانی ریاستوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ انگلینڈ کے نظام حکومت کی تقلید کریں۔

ہمارے بہت سے بھائی آج ہندوستان سے باہر دیش دیشانتر میں ہیں ہم اس خوشی کے موقع پر انھیں مبارکباد بھیجتے ہیں اور اقلیتوں کو یقین دلاتے ہیں کہ اُن کی پورے طور سے حفاظت کی جائے گی اور ان کے حقوق کا خیال رکھا جائے گا، ان کے ساتھ منصفانہ سلوک کیا جائے گا۔

نظام حکومت جلد ہی مکمل کیا جانا ہے اس کی تکمیل پر ہمیں پورے طور پر آزادی مل جائے گی اور ہماری محنت کا ثمرہ ہمارے روبرو ہوگا یہ کام جلد سے جلد پورا کیا جانا چاہیئے تاکہ ہم اپنے ہی بنائے ہوئے نظام کے ماتحت زندگی گذارنا شروع کردیں۔ چونکہ یہ نظام ہمارا اپنایا ہوا ہوگا ہمیں اس پر فخر ہوگا اور ہم اس کی حفاظت میں کٹ مرنے

سے بھی گریز نہ کریں گے ۔اس نظام کے ذریعہ ہم نہ صرف اپنی جنتا بلکہ تمام دنیا کے آدمیوں کی سیوا کرنا چاہیں گے ۔ نظام نو مرتب کرتے وقت ہم ہمسایہ ممالک کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں گے ان کے نظام ہمارے پیش نظر رہیں گے ہمیں اپنی روایات کا بھی خیال رہے گا اور ہم اپنے ماحول اور ارد گرد سے بھی واقفیت کا بھی ثبوت دیں گے ۔بہت ممکن ہے کہ جدید تاریخ بناتے ہوئے ہمیں بہت سی پرانی باتوں کو خیرباد کہنا پڑے ۔

(تیج ۔۸ راگست ۱۹۴۷ء)

۳۱ رتوپوں کی سلامی کے ساتھ پہلی دفعہ کونسل ہاؤس پر جھنڈا لہرایا گیا ۔ لوگوں کا جوش وخروش قابل دید تھا ، دل بلیوں اچھل رہے تھے ۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے کونسل ہاؤس کی چھت پر کھڑے ہو کر درشن دئے ، فضا ”جواہر لال نہرو کی جے“ ”انقلاب زندہ باد“ کے نعروں سے گونج اٹھی ، سترہ سال کا طویل زمانہ یعنی جوانی کا بہترین وقت قید وبند میں گذارنے کے بعد ہندوستان کا وہ محبوب لیڈر جو ایک دو بار نہیں بلکہ چار بار انڈین نیشنل کانگرس کی صدارت کر چکا تھا آج ہندوستان کے وزیر اعظم کے روپ میں درشن دے رہا ہے ۔خدایا شکر تیرا ۔

اسی قسم کا منظر شام کو دیکھنے میں آیا جب انڈیا گیٹ پر جھنڈا لہرا گیا خاص بات یہ تھی ماؤنٹ بیٹن نے یہ جھنڈا لہرایا وہی جھنڈا جسے بلند کرنے پر لاکھوں محبان وطن معتوب ہو چکے تھے ، ہزاروں نے قید وبند کی مصیبت

سبھی تھی اور ہزاروں شہید ہوئے تھے۔ جوں ہی جھنڈا لہرایا گیا سر تکیے
لوے بلند ہوئے۔ قدرت بھی اس مسرت میں شریک تھی۔ چند بوندیں
جو پڑیں تو نظریں اوپر کو اٹھیں، سبحان اللہ آسمان پر دھنک نکلی ہوئی
تھی، گویا ترنگے جھنڈے کا ہفت رنگ توس قزح سے میل کھا رہا تھا۔
لہراتے ہوئے جھنڈے اور توس قزح کو لوگ دور دور تک مڑ مڑ کر دیکھتے
ہوئے چلے گئے۔

دوسرے دن (یعنی ۱۶/اگست) کی صبح شہید وطن سبھاش چندر بوس
کے خوابوں کی صبح تھی۔ آج لال قلعہ پر پنڈت جواہر لال نہرو کے ہاتھوں
ترنگا جھنڈا لہرایا جانے والا تھا۔ اس منظر کو دیکھنے کے لئے کہاں کہاں کا آدمی
دلی میں آیا ہوا تھا۔ تقریب کا وقت ساڑھے آٹھ بجے کا تھا لیکن تڑکے
ہی لال قلعہ کی طرف جانے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ جامعہ نگر سے
دہلی کا فاصلہ آٹھ میل ہے، راستے میں دیہاتی رنگین لباس میں اس طرح
نظر آرہے تھے جیسے میلے پر جا رہے ہوں۔ وقت مقررہ سے پہلے لال قلعہ
کے سامنے کے وسیع میدان کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جہاں ہر مذہب کے لوگ
ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی، پارسی کندھے سے کندھا ملائے بیٹھے یا کھڑے
ہوئے نظر نہ آتے ہوں کیا منظر تھا سوٹ بوٹ میں ملبوس جنٹلمینوں کے تقابل
لٹھ لئے ہوئے دیہاتی کھڑے تھے۔ زرق برق ساڑھیوں میں ملبوس تعلیم یافتہ
عورتوں کے ساتھ وہ دیہاتی عورتیں بھی تھیں جنھیں کھیتوں میں کام کرنا
پڑتا ہے

مجمع کا اندازہ کوئی چھ لاکھ تھا۔ لال قلعہ پر لیڈروں کے پہنچتے ہی فلک شگاف نعرے بلند ہوئے۔ آزاد ہند فوجیوں نے قومی ترانہ گایا۔ پنڈت جواہر لال نہرو مجمع کو دیکھ کر مسکرائے اور اپنے ایک جملے سے ہزاروں کو خوش کر دیا آپ نے لاؤڈ اسپیکر پر فرمایا کہ جنھیں آواز نہ سنائی دیتی ہو وہ ہاتھ اٹھادیں۔ ہزاروں ہاتھ اٹھ گئے۔ پنڈت جی نے ہنستے ہوئے فرمایا کہ جب میری آواز نہیں سن سکے تو آپ نے ہاتھ کیسے اٹھا دئے اس پر مجمع میں بڑا قہقہہ پڑا۔ پنڈت جی نے ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے جھنڈا لہرایا بلند سے نعرے بلند ہوئے۔ فوجیوں نے جھنڈے کو سلامی دی اور ہوائی جہازوں نے قلعہ پر جھنڈے کا طواف کیا۔ پنڈت جی کی جو مختصر تقریر مل سکی وہ حاضر ہے

تقریر شروع کرتے ہوئے پنڈت جی نے سب سے پہلے راشٹریہ جھنڈے کی اہمیت بتلائی اور کہا کہ اس جھنڈے کے نیچے ہم نے آزادی کی لڑائی لڑی اور اس میں فتح پائی۔

پنڈت جی نے کہا کہ کل سے دہلی، ہندوستان اور تمام شہر دیہات اور گاؤں میں ایک نیا دور شروع ہو گیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ پچھلے ۲۷ سال میں ہم کو اس جھنڈے کی عزت اور حفاظت کے لئے کن کن مصیبتوں سے گزرنا پڑا۔ اس جھنڈے کے سایہ میں ہم نے جو فتح پائی ہے وہ میری یا آپ کی نہیں بلکہ تمام ہند والوں کی ہے۔

مہاتما گاندھی کو شردھانجلی دیتے ہوئے پنڈت جی نے کہا کہ ہمیں آج جو فتح نصیب ہوئی ہے یہ مہاتما گاندھی کے راستے پر چل کر حاصل ہوئی ہے انھوں نے ۲۰ سال سے جو راہ ہمیں بتلائی تھی ہم اس پر چلے اور اس کی بدولت آج ہمیں یہ دن دیکھنا نصیب ہوا۔ بیچ بیچ میں ہم گرے بھی مگر پھر اُٹھ کھڑے ہوئے اور بالآخر اپنی منزل مقصود تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ بھارت کی لڑائی کا طریقہ ایسا تھا کہ اپنے دشمنوں کو بھی دوست بنا لیا جائے۔ ہم نے پہلی منزل حاصل کی ہے ہم اپنے دیش کو ایک مہان دیش بنانا چاہتے ہیں۔ اس کے لئے دیش کے عوام کا تعاون بڑا ضروری ہے۔ ہمارے دیش کی یہ حالت ہوئی کہ اگر نیچے گرا تو بہت نیچے گر گیا اور اگر اونچا اٹھا تو بہت اونچا اُٹھ گیا۔ اب ہم سب کی یہی کوشش ہونی چاہیئے کہ آزاد ہونے کے بعد ہمارا ملک دنیا کے ملکوں میں سب سے اونچا درجہ حاصل کرے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم کسی اور ملک پر حملہ کر کے اس کو ختم کرنے کا منصوبہ رکھتے ہیں۔ ہم تو سب ملکوں سے دوستانہ تعلقات رکھیں گے اور تمام ملکوں کو آزاد دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہماری آزادی اس بات کی علامت ہے کہ ایشیا کی تمام قومیں آزاد ہو جائینگی یہ تقریر جاری رکھتے ہوئے پنڈت جی نے کہا کہ آج آپ یہاں لاکھوں کی تعداد میں جمع ہوئے ہیں لیکن آج کروڑوں آدمیوں کی نظریں آپ کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ ہمارے دیش نے بہت اونچ نیچ دیکھے

ہیں لیکن ہم نے آج وہ چیز حاصل کر لی جو ہماری تھی۔

فوجوں کا ذکر کرتے ہوئے پنڈت جی نے کہا کہ فوج راشٹر کے فخر کی چیز ہے۔ فوج کے آدمی ہمارے آدمی ہیں وہ اب کسی بدیشی طاقت کے ماتحت نہیں ہیں۔ ان کا فرض دیش کی رکھشا کرنا اور اس راشٹر جھنڈے کی حفاظت اور عزت کرنی ہوگی۔ ہم سب کو مل جل کر کام کرنا ہوگا۔ پنڈت جی نے کہا کہ آزادی حاصل کرنے کے یہ معنی ہوئے ہیں کہ ہم نے اپنے سفر کی جو بہت لمبا ہے پہلی منزل حاصل کر لی ہے ابھی بہت کام کرنا باقی ہے۔ اب ہمیں اپنے دیش کو اونچا اٹھانا ہے۔ اس کی غریبی دور کرنا ہے یہ کوشش کرنا ہے کہ ملک کے سب لوگوں کو کھانا کپڑا اور زندگی کی سب ضروری چیزیں ملتی رہیں ایسا نہ ہو کہ چوٹی کے آدمی مزے کرتے رہیں اور عوام ضروری چیزوں سے بھی محروم رہیں

ہمارے دیش میں سب لوگوں کو برابر کے حقوق حاصل ہونگے جو اس دیش کو اپنا سمجھے گا اس کو اس دیش کے تمام حقوق حاصل ہوں گے۔

پنڈت جی نے اعلان کیا کہ سب سے پہلے ہماری یہ کوشش ہوگی اور ملک کے اندر جو فرقہ وارانہ ہنگامے ہو رہے ہیں ان کو ختم کریں۔ آپ نے فرقہ وارانہ فضا کو بہتر بنانے کے لئے عوام سے تعاون کی اپیل کی۔ اور کہا کہ آگے قدم بڑھانے کے لئے

دیش کی فضا کو بہتر بنانا ضروری ہے۔

پنڈت جی نے کہا کہ مجھے ہندوستان کے وزیر اعظم کی بجائے بھارت کا سب سے پہلا سیوک کہیئے۔ اب بادشاہت کا زمانہ ختم ہو چکا ہے اور عوام کی حکومت آگئی ہے۔ ہم نے جو عہدے آج سنبھالے ہیں وہ اس لئے نہیں کہ ہم آپ لوگوں پر حکومت کریں گے۔ بلکہ اس لئے سنبھالے ہیں کہ آپ کی خدمت کریں۔ لیکن آپ کی خدمت کے لئے ہمیں آپ کے تعاون کی زبردست ضرورت ہے۔ آج دیش کا ہر آدمی بادشاہ ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ من مانی کرے بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ دیش کی حالت کو بہتر بنانے میں وہ دلچسپی لے۔ آپس کے جھگڑے بند کردیں اور قانون کی پابندی کریں۔ حکومت نے ملک میں امن قائم کرنے کا عزم کیا ہے آخر میں پنڈت جی نے ان بہادروں کا ذکر کیا جنہوں نے دیش کی آزادی کی خاطر اپنی جان تک دیدی ہے۔ اس سلسلے میں آپ نے شری سبھاش چندر بوس کا بھی ذکر کیا اور کہا کہ مجھے بڑا دکھ ہے کہ وہ آج ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں اور اس دنیا سے اٹھ گئے ہیں۔

آخر میں آپ نے عوام سے اپیل کی کہ وہ گھر گھر میں امن کے سندیش پہنچا دیں۔

(تیج - ۱۸ راگست ۱۹۴۷ء)

دہلی کے آل انڈیا ریڈیو نے بھی جشن آزادی کے شایاں شان پروگرام بنا کر انجام دیا۔ ایک طرف شعرا نے نظمیں اور گیت سنائے دوسری طرف آرٹسٹوں نے آزادی کے نغموں سے مسحور کیا۔ جن لوگوں نے بھیڑ بھاڑ سے بچنے کے لئے گھروں پر رہنا پسند کیا۔ ریڈیو والوں نے آنکھوں دیکھا حال گھر بیٹھے سنا دیا۔ ڈی میلو کے طرز بیان اور چمن لال کے تاثرات نے لوگوں کو جلسوں کے قریب کر دیا تھا آزادی کے فیچر ڈراموں نے دلوں میں فخر اور تمکنت کے جذبات میں اضافہ کیا۔ ریڈیو والوں کے اخلاق نے ہمارے رہنماؤں کو جو ان دنوں بہت مصروف تھے کچھ نہ کچھ کہنے پر مجبور کیا خیال فرمائیے کہ جواہر لال پریس والوں کو آزادی کا پیغام دیں۔ اختیارات سنبھالنے کی کارروائی میں تقریر کریں۔ دن بھر تقریبوں میں حصہ لیں، لال قلعہ پر جھنڈا لہراتے ہوئے لوگوں کے دلوں کو گرمائیں پھر ریڈیو والے موجود ہیں کہ "جناب کی تقریر کا اعلان ہو چکا ہے" میں نے جواہر لال کی سب تقریریں دی ہیں لیکن ریڈیو کی تقریر اس لئے نہیں دی کہ کہیں موصوف جھلا کر یہ نہ فرمائیں کہ آخر میرے پیچھے کیوں پڑے ہو اور بزرگوں کی تقریریں بھی تو موجود ہیں، لیجئے پہلے مولانا ابوالکلام آزاد پھر ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی تقریریں سنئے جو ان بزرگوں نے ریڈیو سے براڈکاسٹ کی ہیں۔

" مارچ سنہ ۱۹۴۵ء میں جب میں قلعہ احمد نگر میں قید تھا تو ایک دن مجھے خیال ہوا اپنی امیدوں کا ایک نقشہ بناؤں اور دیکھوں

کرم نے والا وقت کہاں تک اس کا ساتھ دیتا ہے؟ میں نے ۱۲ر مئی ۴۴ء کو اپنے روزنامچے یعنی ڈائری میں لکھا تھا:-

"لڑائی کا سارا دم خم اب ٹوٹ چکا عجب نہیں کہ سنہ ۱۹۴۶ء میں آخری سانسیں لینے لگے۔ اگر یہ اندازہ ٹھیک نکلا تو پھر سنہ ۴۷ء اور سنہ ۴۸ء میں ہندوستان اپنی آزادی کی آخری کوشش کرے گا۔ اور ضروری ہے کہ سنہ ۵۰ء سے پہلے آزاد ہو جائے۔ لڑائی کے بعد جو نئی دنیا بننے والی ہے اس میں پرانے ہندوستان کے لئے کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔ ضروری ہے کہ نیا ہندوستان پیدا ہو۔"

آج دو برس کے بعد میں نے اپنے روزنامچہ کی ان سطروں پر نظر ڈالی تو مجھے خیال ہوا کہ اس وقت کی حالت دیکھتے ہوئے میرا یہ اندازہ غلط نہ تھا۔ . . . .

. . . .

آج ۱۵ر اگست کی صبح کو آزادی کا سورج ہندوستان کے آسمان پر چمک چکا ہے۔ ہندوستان کو آزاد ہونا تھا۔ دنیا کی کوئی طاقت اب اس کی آزادی کو روک نہیں سکتی تھی لیکن ہمیں کھلے دل سے اس بات کا اعتراف کرنا چاہئے کہ برٹش حکومت نے اس وقت کا انتظار نہیں کیا جس کا دنیا کی تمام حکمراں طاقتوں نے ہمیشہ انتظار کیا ہے۔ وہ اس سے پہلے ہی فیصلے کے لئے تیار ہو گئی۔ اس نے وہ کام امن کے سائے میں انجام دے دیا جو ہمیشہ جنگ کی بدامنیوں

کے بعد انجام پایا ہے۔

لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہئیے کہ ہمارا کام ابھی پورا نہیں ہوا بلکہ سچ یہ ہے کہ اصل کام اب شروع ہونے والا ہے۔ ہم نے آزادی حاصل کر لی۔ مگر آزادی کا ٹھیک ٹھیک کام میں لانا ابھی باقی ہے اور ہماری مسافری کی یہ دوسری منزل پہلی منزل سے بھی کہیں مشکل ہے۔

ملک ایک سو اسی برس کے بعد آج پھر اپنے گھر کا مالک ہوا ہے قدرتی طور پر اس کے گھر کا کوئی حصہ بھی ویسا نہیں ہے جیسا وہ خود رکھنا چاہتا تھا۔ اس لئے ہمیں برسوں کا کام مہینوں میں کرنا پڑے گا ہمیں مہینوں کی راہ دنوں میں طے کرنی پڑے گی جس ملک نے آزادی کی لگن میں ایک ہو کر آزادی کی منزل سر کی۔ کیا وہ اسی طرح اپنے ارادے، اپنی ہمت اور اپنے ملاپ میں ایک ہو کر اس دوسری منزل کو بھی طے نہیں کر سکتا؟ میں چاہتا ہوں کہ آج آپ میں سے ہر مرد اور عورت اپنے دل سے اس سوال کا جواب مانگے اور اگر اس کی ترطیب جواب میں ہاں کہے تو پھر اپنا فرض ادا کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ آپ کی سب سے پہلی قومی حکومت آج قائم ہو گئی ہے اور اس نے اس دوسری منزل کو سر کرنے کا بوجھ اپنے سر پر اٹھا لیا ہے۔ وہ آپ کے آگے جواب دہ ہو گی کہ اس نے اپنا فرض ادا کیا یا نہ کیا۔ لیکن آپ بھی دنیا کے آگے جواب دہ ہوں گے کہ آپ نے اپنا فرض ادا کیا یا نہیں کیا جب آپ کے قومی خادم آپ کے دیس کی آزادی کے لئے جان

لڑ رہے تھے تو آپ کا کیا حال تھا؟ آپ اپنے سارے دل اور دل کی ساری چاہتوں سے ان کے ساتھ تھے۔ آپ کوئی بات ایسی کرنی پسند نہیں کرتے تھے جس سے ان کے کام میں اڑچن پڑے۔ آپ ہر ذریعہ سے ان کا ہاتھ بٹانا چاہتے تھے۔ آپ سب ایک خیال، ایک مت اور ایک جماعت کے نہ تھے لیکن اس بات میں سب ایک ہو گئے تھے۔ آج میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ اس وقت کے کام سے بھی زیادہ کٹھن کام آج آپ کے سامنے آ گیا ہے اور ضرورت ہے کہ آپ ٹھیک اسی طرح کام کرنے والوں کا ساتھ دیں جس طرح کل تک آزادی کیلئے جان لڑانے والوں کا ساتھ دے رہے تھے۔ آج کل سے بھی زیادہ ملک کو آپ کی ایکتائی اور آپ کی ہمت کی ضرورت ہے۔

آج ہم جس جگہ کھڑے ہیں، ہم سے پہلے بہت سی قومیں وہاں کھڑی رہ چکی ہیں اور ان کو جو خطرے پیش آئے تھے وہ ہمیں بھی چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ سب سے بڑا خطرہ اس راہ میں قومی طاقت کے بکھرنے کا ہوتا ہے اور جیسا ایک مرتبہ سمٹی ہوئی طاقت بکھر جائے تو پھر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ملک کی بربادیاں کہاں تک رکیں گی۔

ہمارا فرض ہے کہ اپنی ساری طاقت اس کام کے پیچھے لگا دیں کہ ہماری قومی طاقت بکھرنے نہ پائے اور ہمارے قدم اٹک اٹک

راستوں میں بٹ کر گم نہ ہو جائیں۔ آج تمام دنیا کی نگاہیں ہماری طرف اٹھی ہوئی ہیں اور ہماری ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہی ہیں۔ آئیے ہم سب مل کر قومی خدمت کا عہد پھر تازہ کر لیں اور جس طرح پہلی آزمائش سے کامیاب نکلے ہیں۔ ٹھان لیں کہ اس دوسری آزمائش سے بھی کامیاب نکلیں گے۔ جے ہند۔"

(مولانا ابوالکلام آزاد)

"دوستو! آزادی مبارک۔ آزادی کی سہولتیں مبارک! یا آزادی کی دشواریاں مبارک! زندگی پر سے اس کا گلا گھونٹنے والی، سے مسخ کرنے والی۔ پابندیوں کا ہٹنا مبارک، زندگی کی تشکیل کی کٹھن راہوں کو طے کرنے کے امکان مبارک۔ آزادی کے یہ دونوں پہلو مبارک، اس لئے کہ اگر اس کے ایک پہلو پر نظر رہے تو آزادی بے راہ ہو جائے۔ من مانی زندگی نرالی زندگی بن جائے اور آزادی خود اپنے ہاتھوں اپنا گلا گھونٹ لے

آزادی کسی چیز سے بھی ہوتی ہے اور کسی چیز کیلئے بھی ہوتی ہے پابندیوں کا ہٹنا اچھا ہے۔ مگر اچھا مقاصد ہی کی خاطر۔ دیوانوں یا پاگلوں کے بندھن کاٹنے سے انھیں آزادی نہیں ملتی، با مقصد باہوش انسان کے راستے سے رکاوٹیں ہٹیں تو اس کا زندگی کا سفر سہل بھی ہو جاتا ہے اور زیادہ نتیجہ خیز بھی۔

ہمارے ملک کو دو روز سے وہ آزادی کی کیفیت حاصل ہے

جس کے لئے وہ صدیوں ترسا ہے جس کے ارمان میں اس کے بہترین
دل ودماغ مدتوں سے رہے ہیں۔ جس کے بغیر صدیوں اس نے علم کے
سوتوں کو سوکھتے، اپنی فکر کی کلیوں کو کملاتے، اپنی جماعتی زندگی کے
شیرازہ کو خودغرضی کے طوفان میں بکھرتے اپنی شخصی زندگی کو بے ہنری
کے ساتھ ایڑیاں رگڑتے دیکھا ہے۔ غیر ذمہ داری، بے مقصدی اور
انفرادی نفسی نفسی کے محشرستان میں گرم خون کو افسردہ رگوں میں
سوکھتے اور جوان دلولوں کو پژمردہ دلوں میں دم توڑتے دیکھا ہے
غلامی کی بے بسی میں اپنے پر بے اعتمادی اور غیروں پر تکیہ کی شیطانی
رسم کو رائج پایا ہے۔ اعلیٰ مقصدوں کی روشنی سے غلامی کی اندھیاری
میں آنکھوں کو خیرہ ہوتے اور ان کی طرف بڑھنے کی دشوار راہ
پر ساتھیوں کو جھکتے اور بچھڑتے دیکھا ہے، زندگی کی یہ دردناک
تصویر آج ایک بھیانک خواب معلوم ہوتی ہے اور بس۔

پرسوں ہم سب اس خواب سے چونک اٹھے اور زبان پر لفظ
رقص کرتے ہیں۔ دل اچھلتا ہے، خون رگوں میں تیز تیز دوڑتا ہے
اور ایسا لگتا ہے کہ کوئی نغمہ گنگناتا ہے۔ آنکھوں کے سامنے ساری
فضا گلابی گلابی سی نظر آتی ہے جب ہم سوچتے ہیں کہ ہم آزاد ہیں۔

دوستو! یہ موقع خالی خوشی کا نہیں ہے۔ غلامی کے بوجھ
کے کندھوں سے اتر جانے پر ہم جو اپنے کو ہلکا ہلکا محسوس کرتے ہیں
یہ جو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت ہمیں زمین کی طرف سے اٹھا کر

آسمان کی طرف لے جارہی ہے۔ یہ بیڑیوں سے زنجیریں کٹیں پر ہم محسوس کر رہے ہیں کہ شانوں پر پر نکل آئے ہیں۔ یہ سب سچ ہے مگر یہ نہ بھولو کہ آزادی کی ذمہ داریاں بھی بڑی بوجھل ہیں۔

ایک تو یہ یاد رکھو کہ آزادی کسی کو اور کبھی آخری طور پر نہیں ملتی یہ اسی کو ملتی ہے اور اسی کے پاس رہتی ہے جو اسے ہر روز ہر دم از سر نو حاصل کر سکے۔ ہر دم چوکس رہے اور زندگی کے کسی لمحہ میں اس کی سچی قدر سے غافل نہ ہو۔ یہ ایسی جنس نہیں کہ پالی اور سینت کر رکھ لی۔ اسے برابر پاتے رہنا ہوتا ہے اور برابر برتنے ہی سے یہ محفوظ رہ سکتی ہے۔ ہمیں صدیوں بعد یہ نعمت ملی ہے۔ ہمیں اس کی قدر جاننی چاہئے، اور وہ اس طرح کہ اسے برتیں اور اس کی حفاظت کریں۔

اس کی حفاظت کی سب سے موثر شکل یہ ہے کہ اپنے ہر ساتھی کی سچی آزادی میں ہمیں ذرا سا بھی خلل اس طرح کھلے جیسے اپنی شخصی آزادی کا تلف ہونا۔ اس آزادی کی حفاظت کے لئے ہم اس طرح کمر بستہ ہوں جیسے اپنی آزادی کے لئے۔ یہ سب کی اچھی زندگی کی شرط آزادی، سب کی کوشش اور سب کی چوکسائی سے قائم رہ سکتی ہے۔ جو اپنی آزادی کو گلے سے لگائے رہے اور دوسرے کا حق تلف ہوتے دیکھ سکے اس کی آزادی جلد ہی گلے میں غلامی کا طوق بن جاتی ہے۔ آج یا کل ہماری باری ہے اور جو اپنی آزادی سے اپنی اور سماج کی زندگی کو بہتر بنانے کا کام نہ لے اسے بھی سمجھنا چاہئے کہ

آزادی بیکاروں کے پاس زیادہ دن نہیں ٹھہرتی۔

اس آزادی کو جو ہمیں ملی ہے ہمیں ایک اچھے سماج کے بنانے میں لگانا چاہیئے ایک اچھی سیاست، ایک اچھی معیشت، ایک اچھی تعلیم اور ایک اچھی زندگی اگر اس آزادی کا نتیجہ نہ ہو گا تو یہ اصلی آزادی نہ ہوگی۔ نام کی آزادی ہوگی اور نام کی چیزیں کام کی چیزوں کے سامنے زیادہ ٹھہرتی نہیں ہیں۔ ہماری آزادی کا نتیجہ ایک ایسا سماج ہونا چاہیئے جس میں کسی کی آزادی بڑھانے کے لئے کسی کی آزادی کے گھٹانے یا مٹانے کی ضرورت یا اجازت نہ ہوگی جس میں ہر شخص ہر جماعت ہر تمدن کا رنگ پوری طرح نکھر سکے گا۔ ہر پھول میں اپنی پوری شادابی ہوگی اور سب پھولوں کی رنگا رنگی سے ہمارے چمن کی بہار ہوگی۔

ہم ایسا سماج بنائیں گے جس میں سیاسی آزادی بھی ہوگی اور معاشی آرتھک آزادی بھی۔ اس میں کوئی کسی کا خون چوس چوس کر نہ پھول سکے گا۔ سب کو کام کا حق ہوگا۔ سب کو کام کا پھل پورا پورا ملے گا۔ اور ایک کی محنت سے دوسرا بیجا فائدہ نہ اٹھا سکے گا۔
ہم ایسا سماج بنائیں گے جس میں سیاسی اور معاشی آزادی کے ساتھ ساتھ تعلیم کا ایسا نظام ہوگا کہ ہر فرد کی صلاحتیں پوری پوری طرح اجاگر ہو سکیں۔ صلاحیتوں کے بے ترتیب انبار میں آزاد عمل سے یکسوئی پیدا ہو سکے اور سیرت ترتیب پائے اور پھر اعلیٰ مقصدوں

کی چاکری کرکے آزادی کی فضا میں ممکن ہے یہ سیرتیں شخصیت کے بلند مرتبہ کو پہنچیں کہ آزادی کے درخت کا پھل یہی اخلاقی شخصیت ہوتی ہے۔ اس پر کائنات فخر کرتی ہے۔ فرشتے رشک کرتے ہیں ہم نے اپنی آزادی میں یہ کر لیا تو گویا اس آزادی کی ترقی اور اس کی حفاظت کا بھی پورا انتظام کر لیا۔ یہ تربیت یافتہ اخلاقی شخصیتیں ہی اپنی سماج کو برابر اخلاقی قدروں کی سیوا میں لگائے رکھتی ہیں آزاد سماج کو اچھا سماج، اچھے سماج کو بہتر سماج بنائے جاتی ہیں۔ یہی آزاد سماج کی زندگی کی ضمانت ہوتی ہیں جو آزاد سماج اخلاقی معیاروں پر یوں ترقی نہیں کرتا وہ غلامی کی طرف لوٹنے پر مجبور ہوتا ہے۔

دوستو! آزادی کی جنت سے غلامی کی دوزخ کی طرف بڑھنے کے راستے کو ہم اپنی پیہم محنت خلوص اور بیداری سے روک سکتے ہیں مبارک ہو تمہیں یہ آزادی اور مبارک ہو اسے قائم رکھنے اور ترقی دینے کی یہ ذمہ داری۔ مبارک ہیں آزادی کی پرکیف خوشیاں مبارک ہیں اس کی بوجھل ذمہ داریاں۔ (ڈاکٹر ذاکر حسین)

ایک طرف یہ تقریبیں تھیں، دلوں میں امنگ اور مسرت تھی دوسری طرف دہلی کے کوچہ و بازار میں سجاوٹ اور روشنی کا انتظام تھا جگہ جگہ جھنڈے لہرانے کی رسمیں ادا کی گئیں۔ کمپنی باغ بقعۂ نور بنا ہوا تھا، گھنٹہ گھر جامۂ نور میں ملبوس تھا۔ کناری بازار کی روشنی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کرتی تھی۔ دریبہ میں کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ کیا مسلم اور کیا غیر مسلم سب اس خوشی میں

ایک ہو گئے تھے ۔ فتحپوری اور دوسرے بازاروں میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی ۔
تمام سرکاری عمارتوں چھوٹی بڑی کوٹھیوں ، بنگلوں ، مکانوں پر قومی جھنڈے
لہرا رہے تھے ۔ اسی رنگ کی جھنڈیوں نے در و دیوار ڈھک لئے تھے جگہ
جگہ بڑے اور چھوٹے پھاٹک رہنماؤں کے ناموں کی یاد تازہ کر رہے تھے
سبھاش چندر بوس ، موتی لال نہرو ، حکیم اجمل خاں ، ڈاکٹر انصاری اور
ان کے دوسرے ساتھی جنہوں نے وطن کی راہ میں جان قربان کی تھی بے اختیار
یاد آرہے تھے ۔ روشنی کا یہ عالم تھا کہ رات پر دن کا شبہ ہوتا تھا ۔ اس عالم
میں لال قلعہ کے سامنے رنگ برنگ کی آتش بازی بچے تو ایک طرف بڑے
بوڑھوں کو بھی ٹکٹکی لگائے دیکھنے پر مجبور کر رہی تھی ۔ عصرانے اور دعوتوں کا سلسلہ
جاری تھا ، ۱۵ ؍ اگست کی تاریخی رات کو گورنمنٹ ہاؤس میں دو ہزار کے قریب
مہمانوں کا اجتماع تھا ۔ اس ملاقات کا مقصد کھانا پینا نہیں تھا بلکہ حکومت
کے نئے وزراء اور حکام سے بات چیت تھا ۔ گویا گورنمنٹ ہاؤس کی تقریب
میں پہلی دفعہ عوام نے حصہ لیا تھا ۔ استقبال کی اس تقریب میں کانگرس
کے خادم سفید کھدر کے لباس میں توجہ کا مرکز بنے ہوئے تھے ۔ باغ کی
رنگین فضا میں بڑی چہل پہل تھی ۔ ایسی ہی ایک بڑی تقریب جس میں کھانے پینے
کا اہتمام تھا دوسرے دن شام کو میونسپلٹی کے صدر کی طرف سے نئے وزیر اعظم جواہر لال
کے اعزاز میں دی گئی جس میں دہلی کے بیشمار معززین کے علاوہ دوسرے ممالک کے سفراء بھی
شریک تھے بھلا میں کیا اور میری خوشیوں کا ذکر کیا لیکن جامعہ میں مقیم اپنے دوستوں
کو میں نے بھی عصرانہ دیا ۔

اگست کا تیسرا ہفتہ ختم ہونے تک تو ہم لوگوں کو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ دہلی میں کوئی طوفان اٹھنے والا ہے ورنہ ان تقریبوں کا یہ رنگ نہ رہتا۔ اسی فضا کو دیکھ کر ڈاکٹر صاحب سری نگر کے سفر پر روانہ ہوئے۔ لیکن جب آپ راستہ میں پنجاب ہی سے لوٹے تو معلوم ہوا کہ سارے پنجاب میں ایک کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ افسوس کہ پنجاب کا طوفان رک نہ سکا۔ بالآخر اس نے دہلی کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ کوئی ستمبر کے پہلے ہفتہ کی بات ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کی تفصیل میں جانا مقصود نہیں

بھول اور گمراہی کی شکار انسانیت کو پھر سے راہ پر لگانے کے لئے جو کوششیں ہندوستان اور پاکستان میں ہوئیں انھیں اور ان سے متعلق بعض دوسرے مسائل کو ذرا تفصیل سے پیش کروں گا۔ بے شک آزادی ملتے ہی ہم نے وہ تباہی دیکھی جس کے تصور سے ہمارا رواں رواں کانپ اٹھتا ہے؟ لیکن ہندوستان کی اصل روح امن کی ہے، ہمیں اپنی انسانیت واپس مل چکی ہے، ہمارے حواس بجا ہیں، اب ہم نے اپنے دلوں کو ٹٹولنا شروع کر دیا ہے، ہم ایک نئی روشنی دیکھ رہے ہیں، مہاتما گاندھی، اور دوسرے رہنماؤں کے ارشادات اب اس سفر میں مشعل راہ ہیں، ان ہی کی کوششوں کی برکت سے اب ایسا امن ہے جس کی امید بہت کم لوگوں کو تھی۔ چند ماہ میں ہمیں اپنے مستقبل کی بلندی نظر آنے لگی ہمیں معلوم ہو گیا کہ اس سرفرازی کو حاصل کرنے کا طریقہ امن ہے ــــ صرف امن، قدیم ہندوستان کی اصل روح ــــ دنیا کو یہی ہمارا پیام تھا، یہی پیام ہمیں پھر ایک بار سمجھنا ہے اور سنانا ہے۔ انسانیت اور بہیمیت میں فرق کرنے والے ہم میں ہمیشہ رہے۔ مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہمیں اتحاد و اتفاق کی کوششوں میں لگ جانا

چاہیئے لیکن یہ کوششیں ٹھوس تعمیری کاموں کے ذریعہ ہوں۔ بعض لوگ گذشتہ واقعات سے کچھ ایسے مایوس ہوگئے ہیں کہ ان کے دل میں طرح طرح کے وسوسوں نے جگہ کرلی ہے، آگے چلنے سے پہلے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں ذاکر صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے اسے درج کردوں کہ اس سے میرے خیالات کی اور وضاحت ہو جاتی ہے۔

" ایک دوست لکھتے ہیں جب اوپر سے ایٹم بم پھٹ کر اور اندر سے باہمی نفرت کا جوالا مکھی بھڑک کر دنیا کو برباد کرنے پر تلا ہوا ہے تو آدمی کس امید پر تعمیری کام میں جان کھپائے۔ تھوڑے سر پھروں کی تعمیری قوت کس طرح ان ہولناک تخریبی قوتوں کا مقابلہ کرسکتی ہے؟

"یہ سوال آج بیشمار نیک دل اور مخلص لوگوں کو ستا رہا ہے۔ یہ جس کیفیت کا ترجمان ہے وہ کبھی مایوس کرتی ہے اور قوت عمل کو شل کردیتی ہے۔ کبھی شکستہ دلوں کو اپنی توانائی کا آخری شمّہ تک اپنے فرض کے پورا کردینے میں لگادینے پر ابھارتی ہے۔ کبھی انسان کو اپنے ماحول، خود اپنی بہیمیت، خود اپنی حماقت کے سامنے بے بس بناتی ہے، کبھی اسے کائنات میں ایک فعال قوت بنا کر ماحول کو بدلنے بہیمیت کو دبانے اور حماقت کی اصلاح کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ کبھی آدمی حالات کی تاریکی کو ایک دائمی رات سمجھنے لگتا ہے، کبھی یاد کرتا ہے کہ رات کے لئے ہیں نے ہی چراغ بنایا ہے تو ہر تاریکی میں روشنی پیدا کرنے، ہر شب کو سحر کرنے کا حوصلہ اس کے سینہ میں جاگ اٹھتا ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ اس سوال کا اٹھنا ہی اس کے شرف انسانیت کی خبر دیتا ہے۔ مایوسی اور امید، خوف اور رجا کے

نیچ سے ایمان کی ڈگر پر پڑ لینا انسانیت کی خصوصیت ہے ——— ایمان ان مطلق
قدروں پر جن کی تصدیق اس کا ضمیر کرتا ہے، یہی ان سب قدروں کو توڑتا بھی
ہے لیکن کبھی ان سے پوری طرح دامن چھڑا بھی نہیں سکتا۔ یہ جھوٹ بولتا ہے مگر
سچ کو افضل ماننے بغیر بھی چارہ نہیں۔ یہ سخت سے سخت ظلم بھی کرتا ہے مگر عدل
کی لگن سے بھی اس کا دل کبھی خالی نہیں ہوتا۔ یہ ہزار بدنمائیوں کا ذمہ دار
بھی ہے۔ مگر حسن کی پذیرائی کے لیئے بھی دل کا ایک گوشہ محفوظ رکھتا ہے۔ جس طرح
یہ کیفیت ہر فرد پر کم و بیش گذرتی ہے اسی طرح جماعتوں پر بھی صادق آتی
ہے۔ انسانی سماج میں بسا اوقات بڑا حصہ اچھائیوں کی جگہ برائیوں کا گرویدہ
ہو جاتا ہے، عقل کی جگہ بے عقلی کا ساتھ دینے لگتا ہے، عدل کی جگہ ظلم پر اتر آتا
ہے، سچ کو چھوڑ کر جھوٹ میں اپنا بھلا دیکھنے لگتا ہے زیبائی کی جگہ بدنمائی
پر آنکھیں سینکنے لگتا ہے۔ لیکن کوئی سماج جو انسانیت کے مرتبے سے ہمیشہ
کے لیئے بہیمیت کے پاتال میں نہ گرنے لگی ہو۔ کبھی بھی ایسے افراد سے خالی
نہیں ہوتی جو بدی کی اس آندھی میں بھی نیکی کے چراغ کو اپنے دامن کی
پناہ میں روشن رکھتے ہیں۔ جو ان قدروں پر جیتے ہیں جن کو زندگی میں پورا کرنا
اور رچانا، انسانیت کا امتیازی وصف ہے۔ یہ لوگ تھوڑے سے ہوتے ہیں
مگر جیسے روٹی میں نمک۔ ان کے بغیر ساری انسانی تاریخ ایک بے کیف داستان
ہو جائے۔ ان کی کامیابی محدود ہوتی ہے۔ اس لئے کہ زندگی کا روبار چل ہی
اس لئے رہا ہے کہ ابھی ان کا کام نامکمل ہے۔ یہی لوگ اور انھیں کی کوشش
زندگی کو زندہ رہنے کے قابل بناتی ہے۔ مایوسیوں میں، ابتلاؤں میں، حوادث

کی آندھیوں میں، یہی لوگ زندگی کا دیا ہوتے ہیں۔ اس دیئے کی لَو کبھی اونچی ہوجاتی ہے، کبھی نیچی، مگر کبھی بجھتی نہیں۔ یہ بجھ جائے تو انسانیت بہ حیثیت انسانیت ختم ہوجائے

آپ کے سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو یہی اندیشہ ہے کہ انسانیت ختم ہوا چاہتی ہے۔ اخلاقی چراغ کے گل ہونے سے نہیں، بلکہ ایٹم بم کے حادثے سے یا جنگ و جدال کی آگ میں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے۔ لوگوں نے بارہا پہلے بھی سمجھا ہے کہ انسانیت اب ختم ہوئی۔ مگر اپنی اچھائیوں اور اپنی برائیوں کے ساتھ یہ چل رہی ہے۔ نفرت کے طوفان پہلے بھی بہت آئے ہیں۔ تباہیاں اور بربادیاں بھی بہت ہوئی ہیں۔ مگر انسانوں نے ہی اپنی نفرت کی آگ بجھائی ہے۔ اور جانور بنتے ہوئے ساتھیوں کو پھر سے آدمی بنایا ہے۔ بدی کا رواج نیکی کے ظہور کا موقع ہوتا ہے۔ نفرت کی آگ میں سے محبت کے پھول بھی کھلتے دیکھے گئے ہیں۔ مجھے تو یقین ہے کہ نفرت کی آگ جو ہمارے ملک میں لگی ہوئی ہے اور ہمارے ملک ہی میں کیا ساری دنیا میں اس کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ ایسی ہی آگ ثابت ہوگی اور انسانیت اس میں سے بھی کچھ جھلسی ہوئی مگر پھر بھی ایک صالح، اور عدل والی سماج میں سرگرم باہر نکلے گی۔ رہا ایٹم بم کا خطرہ، تو یہ سچ ہے کہ آدمی کی صنعتی اور علمی ترقی کا ساتھ اس کی اخلاقی اور تنظیمی ترقی نے نہیں دیا ہے! اخلاق پیچھے رہ گیا ہے، علم آثار آگے بڑھ گیا ہے۔ اس علم کے ساتھ سماجی زندگی کا جو نقشہ چاہیئے وہ ابھی نہیں جم سکا ہے، اور اس عدم مطابقت نے بہت

بہت خطرناک صورت اختیار کرلی ہے۔ لیکن دیکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں کہ ذہن انسانی اس صورت حال پر بے چین ہے۔ ایٹم بم کو ممکن بنانے والے حکیموں کے سینے میں ضمیر کا کانٹا کھٹکنے لگا ہے۔ یہ دراصل ساری انسانیت کے ضمیر کی آواز ہے۔ یہ عدم مطابقت ضرور دور ہو کر رہے گی اور بہتر اخلاق کا انسان اپنے وسیع علم سے تخریب کی جگہ تعمیر کے ایسے کرشمے دکھا سکے گا کہ پچھلی انسانی تاریخ ماند پڑ جائیگی آدمی کی نظر سے کوئی چیز بہت قریب ہو تو صاف نہیں دکھائی دیتی۔ یہی حال ہمارا ان ذہنی تغیرات کے متعلق ہے جو آج رونما ہو رہے ہیں۔ زندگی کا ایک نیا ڈھنگ ڈھالنے اور فرد اور جماعت کے تعلقات کو ہم آہنگ بنانے کی ایک نئی کوشش اس وقت دنیا میں شروع ہو چکی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ زیادہ عرصہ نہ گزرے گا کہ یہ کرہ ارض کی ساری زندگی کو یکسر بدل دے گی اور بہتر بنا سکے گی

لیکن یہ سب کچھ تب ہی ہوگا کہ انسان، آپ اور میں، اس کے لئے اپنی جان کھپائیں، انسانی معاملات میں موثر قوت خود انسان ہی کا خیال اور انسان ہی کا عمل ہے۔ الٰہی ارادے تک انسانی زندگی میں انسان ہی کی معرفت کارفرما ہوتے ہیں۔ تاریخ اسی کے عمل کی داستان ہے۔ معیشت اسی کی سعی کی کہانی اس کے ارادے ہی اس کی زندگی میں تغیرات کا سرچشمہ ہیں۔ جو کچھ ہو رہا ہے اس میں ہمارے، آپ کے اور میرے ارادوں کا کچھ نہ کچھ پرتو ہے اور جو کچھ ہوگا اس میں بھی اس کا اثر ہوگا۔ اس لئے اپنی ذمہ داری کو محسوس کرنا چاہیئے۔ نامساعد حالات کا بہانہ کر کے کام سے بچنا اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا

خود اپنے ساتھ ناانصافی ہے اور انسانیت کے ساتھ بے وفائی ہے۔ انسانیت ختم نہیں ہو رہی ہے، کہ

آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

اور اگر بالفرض ختم ہونے والی ہے تو بھی خاتمہ تک جو تھوڑی سی مہلت ہے اسے صرف کرنے کا بہتر طریقہ کیا ہے؟ ناک کی نوک پر تڑکی جا کر بیٹھ رہنا، کسی خانقاہ میں گوشہ نشین ہو کر ختم ہونے والے انسان کا ایک کامل نمونہ بنانا خاتمہ کے غم کو غرق مے ناب کرنا، یا نفرت کو محبت میں، انتشار کو نظم میں، بدی کو نیکی میں بدلنے کی مردانہ وار کوشش کرتے ہوئے جان دینا۔

آخر کار ہمیں است کہ در تن فسرد

کف خونے کہ بداں رونق دامنے ندہی

نہیں ایٹم بم اور جنگ و جدل کے خطروں سے اس درجہ مایوس نہ ہو جیے۔ یہ انسانیت ابھی چلے گی اور اس کو اچھا بنانے کے لئے اچھوں کی کوشش پہلے سے زیادہ درکار ہوگی۔ ان اچھوں میں شریک ہو جیے۔ ان کی کامیابی ان کی تعداد پر کبھی منحصر نہ تھی، ان کے خلوص، ان کی اپنے کام سے شیفتگی، ان کے یقین، ان کے صبر، ان کی سعی سے اس کی پیمائش ہوتی ہے۔ ان کی گنتی، نہیں ہو سکتی، ان کا وزن دیکھا جاتا ہے

ہمت، محنت، محبت سے کام لیجیے۔ پہلے بھی اس طرح بگڑتے کام بنے ہیں اب بھی اس طرح بن سکتے ہیں۔ خدا حافظ

(نئی روشنی جامعہ نگر)

ہم ان کوششوں پر ایک نظر ڈالیں جو بگڑتے ہوئے ہندوستان
ے لئے ہندوستان کے چھوٹے بڑے ، فرد اور جماعتوں نے اپنی
یا۔ میں لوگوں کی کوششوں کا ذکر اس انداز سے کروں گا کہ میرے
ت سے پیدا شدہ یہ پیچیدگیاں ہیں اور ن کا حل ایسی ہی
ہ مضمر ہے

یہ خیالات فسادات کے دوران اور اس کے بعد میں اپنے
ن صاحب کو مخاطب کر کے لکھے ہیں

۳۔ تبادلۂ آبادی

ہندوستان اور پاکستان کے وہ علاقے جہاں تباہی بڑے پیمانے پر ہوئی ہے وہاں کے لوگوں کا جان بچانے کے لئے اِدھر سے اُدھر جانا، اُدھر سے اِدھر آنا ایک قدرتی بات ہے۔ جس طرح فسادات سے پہلے اتنی بڑی تباہی کا کسی کو گمان نہ تھا اسی طرح تبادلۂ آبادی کا یہ تصور بھی کسی کے ذہن میں نہیں تھا جب پنجاب کا معاملہ حد سے آگے بڑھا تو دونوں حکومتوں کے نمائندوں نے لاہور میں ایک جلسہ کر کے طے کیا کہ مغربی پنجاب اور سرحد کے ہندو اور سکھ ہندوستان آ جائیں اور مشرقی پنجاب کے مسلمان پاکستان چلے جائیں۔ ۳ جون ۱۹۴۷ء کی تقسیم کے بعد ہی مولانا آزاد نے ایک تجویز لوگوں کے سامنے رکھی تھی کہ دونوں پارٹیاں یعنی کانگریس اور مسلم لیگ اپنے نمائندوں کی ایک کمیٹی اس بات کے لئے مقرر کر دیں کہ وہ دونوں مجوزہ حکومتوں میں رہنے والی اقلیتوں کے مسائل طے کر کے ان کا اعلان کر دیں۔ مگر مولانا کی تجویز فوراً عمل میں نہ آ سکی اور بعد میں وہ سب کچھ ہوا جس پر مولانا جیسے نگاہ رکھنے والے لوگوں کی نظر ہی جا سکتی ہے۔

دہلی کا چھوٹا سا صوبہ پنجاب سے ملحق ہے۔ اس لئے فسادات اور تبادلۂ آبادی کا اثر اس پر بھی پڑا اور یو۔ پی کے مغربی اضلاع جن کی سرحد پنجاب سے ملتی ہے۔ وہاں بھی کچھ شورش ہوئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دہلی شہر

سے محلے سبزی منڈی قرول باغ اور پہاڑ گنج میں زیادہ تباہی ہوئی ہے اس
لئے وہاں کے بیشتر لوگ پاکستان چلے گئے مگر دوسرے محلے اور دوسرے صوبوں
کے مسلمانوں کا پاکستان جانا سمجھ میں نہیں آتا ہے ہجرت تو جان بچانے کی
آخری تدبیر ہے ۔ اس سے پہلے اور تدبیروں پر عمل کرنا ۔ ہر انسان کا فرض ہے
دہلی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ پہلے یہاں مسلمان جمے رہنے کے لئے تیار تھے
مگر امن کے بعد جو نئی مشکلات پیدا ہوگئیں اُن پر قابو پانا بس کی بات نہیں تھی
مثلاً ملازم پیشہ لوگوں کا کارخانوں میں دوبارہ کام پر جانا خطرے سے خالی
نہیں تھا۔ ہندو دکانداروں کے ہاں سے نو مسلمان علیحدہ ہو گئے۔ دہلی
کے کاریگروں کا روزگار مندا پڑ گیا تھا خالی مکانات پر قبضے کی وارداتیں
جاری تھیں اس لئے لوگ پاکستان جانے پر مجبور تھے ۔ ان کا حل یوں نکل
سکتا تھا کہ محلے کے مالدار لوگ اپنے اپنے محلوں میں اعلان کر دیتے کہ لوگوں
کے پاس جو کچھ سرمایہ ہے وہ گھر بیٹھے کھاتے رہیں جن کے پاس نہیں ہے
ان کی مدد ہم کریں گے ۔ اس طرح مہینہ دو مہینہ کے لئے اپنے آپ کو
قلعہ بند کر لیتے اور ان کے نمائندے کانگریس اور حکومت کے ذمہ دار
لوگوں سے مل کر محلہ کے بچاؤ کا خاطر خواہ انتظام کرتے ۔ پھر نوکریوں کا
مسئلہ روزگار کا مسئلہ وغیرہ ، ان کے لئے حکومت کی مدد سے اپنے لئے
راہ پیدا کر لیتے ۔ مگر دولت کا کسی اچھے مقصد اور منظم طریقے سے خرچ
ہونا بہت کم لوگ برداشت کرتے ہیں ۔ یوں ہلڑ بازی میں لاکھوں کی دولت
تباہ ہو جائے تو اسے من جانب اللہ سمجھ کر صبر کر لیں گے ۔ لیکن دولت اور

جان و مال کے تباہ ہونے سے پہلے جو فوری فرائض سامنے آتے ہیں۔ ان کے لئے فرار کی راہ اختیار کرنے کی تدبیریں سوچیں گے۔ یہ تو تھی دولت مند لوگوں کی بات اب لیڈروں کو لیجئے۔ لیڈر کو وہ آخری آدمی ہونا چاہیئے جو جان دینے یا بھاگنے کے لئے آمادہ ہو اس سے پہلے لوگوں کے خطرات، مشکلات و دیگر مسائل کا مقابلہ کرنے کے لئے ان کے درمیان رہنا چاہیئے۔ ورنہ یہ خوب تحریک ہوئی، خوب تنظیم ہوئی کہ جب صاف راستہ چلنے کا زمانہ تھا تو آگے آگے تھے اور جب ٹیڑھی اور خاردار راہیں آئیں تو اپنے پیروں کو بھول بھلویا میں چھوڑ کر چلتے بنے، اگر انتخاب کے وقت ۹۵ فیصدی مسلمانوں کو اپنا لیا تھا تو مصیبت کے وقت بھی ان کے درمیان رہ کر کام کرتے نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھ ڈیڑھ لاکھ لوگ جو ہمایوں کا مقبرہ اور پرانا قلعہ میں جمع ہو گئے۔ ان کا انتظام ان ہی کھدر پوش "غدار" مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ جن کو لوگ "نیم مسلمان" "نیم ہندو" کہتے تھے۔ اگر یہ لوگ بھی دو قوموں کا نظریہ مان لیتے اور کانگرس کے ساتھ نہ رہتے تو مشکلات کہاں سے کہاں پہنچتیں! چنانچہ اسی دہلی میں سرکردہ مسلمانوں کی ایک جماعت نکل آئی جس نے تہیہ کر لیا کہ چاہے جان چلی جائے مگر ہندوستان میں رہ کر اپنے آپ کو یہاں کا باشندہ ثابت کریں گے۔ ارادہ کرنے والوں میں جامعہ کے لوگ بھی ہیں۔ لوگوں کے ارادوں میں جان ڈالنے اور انھیں ثابت قدم رکھنے کے لئے جامعہ کے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے ایک موقع پر ذاکر صاحب نے فرمایا :-

"بعض قتل ایسے ہوتے ہیں جن پر قاتل شرماتے ہیں اور مقتول فخر کرتے ہیں۔ بعض قتل ایسے ہوتے ہیں جو پوری زندگیوں پر بھاری ہوتے ہیں۔ بعض قتل گرتی ہوئی قوموں کو سنبھال لیتے ہیں۔ جامعہ کے لوگ اگر ایسے مقتولوں میں داخل ہو جائیں تو وہ کام کر جائینگے جو پچھلے سب کاموں پر بھاری ہوگا۔"

پوری تقریر وہاں درج کروں گا جہاں جامعہ کی تحریک، اس کی مشکلات، اس کے لوگوں کے حوصلوں کا ذکر ہوگا

جہاں تک حکومت کی کوششوں کا تعلق ہے۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ایک پریس کانفرنس میں حکومت ہند کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے حکومت کی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:۔

"صوبہ متحدہ کے مسلمان باشندوں کو باہر بھیجنے کا کبھی کوئی سوال نہ تھا جب تک کہ وہ خود جانے کی خواہش نہ کریں۔ جہاں تک میرا علم ہے۔ یو۔پی سے کوئی باہر نہیں جا رہا ہے۔ سوائے ان چند مسلمانوں کے جو مشرقی پنجاب سے یو۔پی میں آئے ہوئے تھے، اور جن کو پنجاب کی تبادلہ آبادی سے متعلق سمجھا جائیگا۔

ہم میں سے کوئی بھی یہ تصور نہیں کرتا تھا کہ کسی وقت بھی آبادیوں کا اتنا بڑا تبادلہ کیا جائے گا۔ شاید یہ ہمارے اندازہ کی غلطی تھی۔ لیکن یہ معاملہ بھی مثل اور مختلف واقعات کے جو پنجاب میں ہوئے ہمارے سر آ پڑا اور ہم اس کا مقابلہ کرنے پر

مجبور ہو گئے۔ جیسے جیسے ایک طرف سے دوسری طرف کو آبادی کا تبادلہ شروع ہوا یہ بات دشوار ہوتی چلی گئی کہ آبادیوں کے چھوٹے گوشے باقی رہ جائیں۔ اس وجہ سے ہم کو تمام پنجاب کو ایک علاقہ قرار دے کر یہ طے کرنا پڑا کہ مشرقی پنجاب اور مغربی پنجاب کے تبادلۂ آبادی کو ایک ہی مسئلہ قرار دیا جائے اور اس میں ہم نے صوبہ سرحد کو اور شامل کر دیا۔ اس کے علاوہ دوسرے علاقوں میں یہ معاملہ انفرادی ہے۔ جو لوگ جانا یا آنا چاہیں ان کو جانے یا آنے کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی

اگر اس تبادلۂ آبادی میں بقیہ ہندوستان کو بھی شامل کیا جائے تو ایک خوفناک اور ناقابل حل مسئلہ ہو جائے گا۔ ہم نہیں چاہتے کہ یہ سارے ہندوستان میں پھیلے۔ دونوں سلطنتوں کی وفاداری کے متعلق سوالات پیدا ہو گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر حکومت اپنے باشندوں سے خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں یعنی چاہے وہ ہندوستان کے مسلمان، ہوں یا پاکستان کے ہندو، یہ توقع رکھتی ہے کہ وہ اس کے وفادار ہوں گے۔ فی الحال یہ کہنا مشکل ہے بالآخر ایک فرد کی کیا قومیت ہوگی کیونکہ ہم اس وقت ایک عارضی دور سے گزر رہے ہیں لیکن رفتہ رفتہ قومیت کا تعین کرنا ہی پڑے گا۔ بہر حال وہ لوگ جو کسی ایک حکومت میں رہتے ہیں۔ ان سے اس حکومت کا وفادار رہنے کا مطالبہ کیا

جائیگا۔ اوران کو وفاداری کا اظہار کرنا چاہیے ورنہ ان کو غیرملکی قرار دیا جائے گا۔ اور وہ ملکیوں کے حقوق سے محروم رہیں گے

جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہی ہم نے نہایت وضاحت سے اس بات کا اعلان کر دیا ہی کہ ہم کسی ایسی سلطنت کا تصور بھی نہیں کر سکتے جو فرقہ وارانہ یا مذہبی سلطنت کہلائے ہم تو صرف ایک غیر مذہبی۔ غیر فرقہ وارانہ حکومت کا تصور کر سکتے ہیں۔ جس میں ہر فرد کو خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو برابر کے حقوق اور اختیارات حاصل ہوں۔ فطرتاً ایسی حکومت میں آبادی کی بڑی اکثریت کے تہذیبی نقطۂ نظر کو برتری حاصل ہوگی لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ کسی شخص کو خاص اختیارات یا حقوق حاصل ہوں۔ صرف اس بنا پر کہ وہ کسی ایک خاص مذہب کا پیرو ہے۔ اور نہ اس بنا پر کوئی شخص حقوق سے محروم کیا جا سکتا ہی۔ ہم غیر مذہبی اور جمہوری حکومت چاہتے ہیں۔ یہی ہمارا مطمح نظر ہے۔ اور ۶۵ برس سے جب سے کانگریس کی ابتدا ہوئی کانگریس کا بھی یہ مقصد رہا ہی اور ہم اب بھی اس کے پابند ہیں۔ ابھی حال میں کانگریس ورکنگ کمیٹی نے اس نصب العین کی دوبارہ تصدیق کی ہی۔ اس میں مجھے ذرا بھی شک نہیں کہ ہم غیر مذہبی اور جمہوری حکومت چاہتے ہیں۔ ان حالات میں اور نیز اس بنیادی اصول کی بنا پر ہم اس بات کا تصور نہیں کر سکتے کہ لوگوں

کو ہندوستان سے صرف اس وجہ سے باہر نکال دیں کہ وہ کسی خاص مذہب کے پیرو ہیں۔ یہ بات ایک جمہوری غیر مذہبی اور غیر فرقہ وارانہ حکومت کے اصول کے بالکل منافی ہو۔"

دہلی کے متعلق پنڈت جی نے فرمایا "کہ یہاں سے بہت سے مسلمان جا چکے ہیں۔ اولاً وہ لوگ جو یا تو خود پاکستان گورنمنٹ کے ملازم تھے یا ان کے متعلقین تھے۔ دوسرے وہ جنھوں نے جانے کی خواہش ظاہر کی۔ اب بھی بہت لوگ ہیں جو غالباً جانا چاہتے ہیں۔ جو رہ گئے ہیں ہمیں امید ہے وہ دہلی میں اسی طرح رہیں گے جیسے کہ پہلے سے رہتے ہیں

اس وقت دہلی کے تین چار حصے ایسے ہیں جہاں بہت سے مسلمان رہتے ہیں اور ہمیشہ سے رہتے آئے ہیں ان کے متعلق کوئی دشواری نہیں ہے جو لوگ ان محلوں سے باہر آگئے ہیں وہ ان میں واپس چلے جائیں۔ دہلی کے دو یا تین حصے جو زیادہ تر مسلمان آبادی کے محلے ہیں ان کو بدامنی میں بہت نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی ہونی چاہیئے یہ بات کہ ان محلوں کا مستقبل واقعی طور پر کیا ہوگا۔ سوچنی پڑے گی۔ دہلی میں جو کچھ بھی انتظام کیا جائیگا اس قسم کا ہونا چاہیئے جس سے یہاں امن واتفاق بڑھے اور جس سے باہمی تصادم نہ ہو دہلی کے اُن باشندوں کو جو شہر میں واپس آنا چاہیں ان کے علاقوں میں بسانا بہتر ہوگا۔ جہاں

نے میں دشواری ہو تو سردست دوسرے علاقوں میں بسا
ئے اور اہل محلہ اور دوسرے لوگوں کے تعاون سے انکے
نکالی جائے لیکن یہ بات صاف طور پر سمجھ لینی چاہیئے کہ
، یہ پالیسی ہے کہ دہلی کے باشندوں کو دہلی میں رکھا جائے۔
س صورت کے کہ وہ خود باہر جانا چاہیں۔"

(ایک پمفلٹ سے اقتباس)

کہ میں نے آپ کو لکھا ہے حکومت ہند کی اس پالیسی کے
کے ذمہ دار لوگ اس افراتفری کی حالت سے لوگوں کو روک رہے
اقتباس میں نے ایک ایسے پمفلٹ سے لیا ہے جو یہ لوگ (مولانا
مولانا حفظ الرحمٰن، سید عزیز حسن بقائی، محمد جعفری، حافظ محمد نسیم،
خاں، ہلال احمد زبیری، عتیق الرحمٰن عثمانی، ایس ایم عبداللہ) شہر
دار رہے ہیں۔ بعد کی ایک خبر سے معلوم ہوا کہ ۱۸ نومبر کو صوبہ
سلم لیگ کونسل نے ایک قرارداد کے ذریعے مسلمانوں سے کہا
اپنے گھر بار چھوڑ کر پاکستان نہ جائیں۔ قرارداد میں گاندھی جی
نہرو کی ان کوششوں کی تعریف کی گئی۔ جو وہ امن وامان قائم
لئے کر رہے ہیں۔

تو تھی تنظیم کی کمی کی وجہ سے لوگوں میں افراتفری کی بات، اب جبکہ
ہی بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ٹھہرانے کو تو ہمیں ہندوستان میں
۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد مسلمان ہندوستان میں خوش حال نہیں

رہ سکتے! اگر یہ بات پاکستان بننے سے پہلے کہی جاتی تو یہ فائدہ ہوتا کہ .... وہ مسلمان جو اقلیت کے صوبوں میں ہیں پاکستان کی تحریک کا ساتھ نہ دیتے ....

.... اور یہ مصیبت ہم پر نہ آتی مگر اب اس احساس کا پیدا کرنا اپنے پیروں پر آپ کلہاڑی مارنا ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی تعداد .... اس وقت چار کروڑ ہے۔

پہلے تو یہ فرمایئے کہ چار کروڑ مسلمانوں کا منتقل ہونا کوئی آسان کام ہے کہ فلمی آدمی کی طرح ایک پہاڑ پر سے دوسرے پر چھلانگ لگا دی۔ جب دو چار مہمان گھر آجاتے ہیں تو گھر کے انتظامات میں تبدیلی کرنی پڑتی ہے۔ چار کروڑ مسلمان پاکستان پہنچیں گے تو ڈھانچہ کس طرح کھڑا رہ سکے گا۔ ہندوستان کی حکومت جس کی آبادی ۳۰ کروڑ سے زیادہ ہے جس کے ذرائع وسیع ہیں، جس کے خزانے کی حالت مضبوط ہے، پچاس لاکھ ہندو، سکھوں کو بسانے میں دشواری محسوس کر رہی ہے۔ ایسی حالت میں ہندوستان کے چار کروڑ مسلمانوں کا پاکستان میں بس جانا کیونکر ممکن ہے جبکہ پاکستان کے ذرائع اور اس کی آمدنی محدود ہے اس کا بہت سا علاقہ ریگستانی ہے۔ جوں جوں شمال مغرب کی طرف بڑھتے جایئے تو زراعت کے قابل زمین کم ملتی ہے۔ پاکستان بننے سے پہلے اس عنوان پر بحث ہوا کرتی تھی کہ پاکستان معاشی اعتبار سے کس حد تک مضبوط ہو سکتا ہے اس کی فوج کا خرچ بہت زیادہ نہیں بڑھے گا! اپنی حالت بہتر بنانے کے لئے دوسروں کا سہارا لینے سے یعنی برطانیہ اور امریکہ کی مدد کی وجہ سے کیا پاکستان ان کے دباؤ میں تو نہیں رہے گا! وغیرہ وغیرہ، جب پہلے اتنی باتیں کہی جاتی

تھیں تو پاکستان کی آبادی دگنی ہو جانے سے کیا یہ مسائل شدت کے ساتھ پاکستان کے سامنے آکر ایک نئی مصیبت کا سامنا نہیں بنیں گے ! ایسی مصیبت جو زندہ رہنے ہی کو اجیرن کر دے اسی روشنی میں پاکستان والے سوچ رہے ہیں مثلاً سندھ کی وزارت اس کوشش میں ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اندھا دھند پاکستان نہ چلے آجائیں پاکستان کے وزیر اعظم نے بھی حکومت ہند سے یہی کہا ہے کہ صرف مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کو پاکستان بھیجیں ۔ پھر یہ سوچیے کہ پچاس ساٹھ لاکھ کے قریب مشرقی پنجاب اور دہلی سے مسلمان پاکستان گئے ہیں تو آج کل وہاں کی حالت کیا ہے ۔ اگر باقی چار کروڑ مسلمان پاکستان پہنچیں تو نقشہ کیا ہوگا ! ذیل میں "نیا زمانہ" کے صرف وہ جملے نقل کرتا ہوں جس میں مغربی پنجاب کی ان دنوں کی معاشی حالت دکھائی گئی ہے ۔
(یہ جملے مختلف پیرے گراف سے لے کر ایک سلسلہ میں کر دئے ہیں)

حالانکہ ابھی مشرقی پنجاب کے آدھے آدمی آئے ہیں ۔ لیکن زمین، مکانات اور دکانیں سب ختم ہو چکی ہیں ۔ صرف شیخوپورہ میں تھوڑی سی زمینیں باقی ہیں ۔ پھر جو کسان اور دیہاتی مشرقی پنجاب سے آئے ہیں ۔ ان میں سے مزارع اور دوسرے لوگ ہیں ۔ ان کے پاس نہ پیسہ ہے نہ مویشی جہاں وہ بسائے جا رہے ہیں وہاں کے مویشی یا تو غیر مسلم اپنے ساتھ لے گئے ہیں .... یا بھوک سے مر گئے ہیں ۔ کسان جو مویشی اپنے ساتھ لائے ہیں ۔ ان کے لئے چارہ نہیں ملتا اور انہیں تیار فصلیں کھلائی جا رہی ہیں ۔ ان سب چیزوں کا نتیجہ یہ ہے کہ ان علاقوں کی خریف کی فصلوں کا بڑا حصہ تباہ ہو چکا ہے اور بہت

ساری زمین ایسی پڑی ہے جس پر ربیع کی کاشت ممکن نہ ہوگی، اور اس کا خطرہ ہے کہ اس حصے میں چند ماہ بعد قحط کا سامنا کرنا پڑے! .... اس کے علاوہ راولپنڈی ڈویژن میں زمین بہت خراب ہے۔ نہریں ہی نہیں اور کاشت کار عام طور پر بہت غریب ہیں وہ ہمیشہ پیداوار کے وقت بیج کھاد وغیرہ کے لیے اور سال میں تین چار مرتبہ کھانے کے لیے غلہ اور روپیہ مقامی ساہوکار سے قرض لیتے تھے۔ اسی کے ہاتھ اپنا مال بیچتے تھے۔ اس فساد سے ساہوکار یکایک غائب ہوگیا۔ اور اس علاقے کی معاشی زندگی پر اس کی کاری ضرب لگی۔ لوگوں میں بے چینی بڑھ رہی ہے ....

"تاجر طبقہ کے چلے جانے سے معاشی زندگی درہم برہم ہوگئی ہے صنعتیں ختم ہوگئی ہیں جس کی وجہ سے بے روزگاری بڑھ رہی ہے۔ دوسری طرف اب پناہ گزیں آرہے ہیں، ان کے لیے نہ زمین ہے (سوائے شیخو پورہ کے جہاں تھوڑی سی زمین رہ گئی ہے) اور نہ مکان اور نہ دکان باہر سے لوگ آتے جا رہے ہیں اور تمام شہروں اور دیہاتوں میں پھیلتے جا رہے ہیں ....

ان حالات کی وجہ سے حکومت پریشان ہے۔ پاکستان کی مرکزی حکومت چاہتی ہے کہ اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اب باہر سے

آنے والوں کا سلسلہ بند ہو۔ جو لوگ بھی آئے ہیں انھیں بسایا جائے باقی نہ آئیں۔ اس کے لئے وہ چاہتے ہیں کہ ہندوستانی حکومت مزید لوگ نہ بھیجے انھیں رہیں بسائے اور خود چاہتے ہیں کہ جو غیر مسلم یہاں رہ گئے ہیں انھیں روکے اور اس کی مہم راجہ غضنفر علی خاں چلا رہے ہیں۔

(نیا زمانہ بمبئی۔ مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

پولیٹکل اقتصادی سب سے بڑھ کر مذہبی نقطۂ نظر سے اب پاکستان بنا۔ بعض لوگ عرصے سے کہا کرتے تھے کہ اسلام جس علاقے سے ہندوستان میں پھیلا اب سکڑ کر اسی علاقے میں محدود ہو رہا ہے۔ میں کہتا تھا کہ بھائی بالکل غلط بات ہے یہ تو ایک افتادی لڑائی تھی، قصہ ختم ہوا۔ ہم سارے چار کروڑ مسلمان ہندوستان میں رہیں گے اور اپنے اچھے نمونے سے ثابت کریں گے کہ اسلام صحیح ہماری، نمونے کی زندگی سے لفظ اسلام کا نام جو اس پر عمل کرے گا وہ مسلمان کہلائے گا (اگر لوگ ہم جیسے مسلمانوں کے کردار کی وجہ سے لفظ مسلمان لینے سے بدکتے ہوں تو اس نمونے کے زندگی بسر کرنے والوں کو "خدا پرست" کہہ لیجئے) یہی بات تو مولانا آزاد نے ترجمان القرآن میں کھول کر بیان کر دی ہے مگر لوگوں کو تو کافروں کی تعداد بڑھانے سے فرصت نہیں، وہ مولانا کی تفسیر پر کیوں دھیان دیں۔ جس میں صحیح تبلیغ کی راہ دکھائی گئی ہے۔ جس سے دوسرے مذاہب والے بدکتے نہیں بلکہ اسے پڑھ کر کھنچے چلے آتے ہیں مگر ہم نے اپنے عمل سے

قرآن شریف کے نام کو اتنا بدنام کیا ہے کہ دوسرا اس کی باتیں سننا بھی پسند نہیں کرتا۔ لوگ فخر سے کہا کرتے ہیں کہ خواجہ اجمیری ریگستان میں آئے۔ ہندوؤں کے بیچ میں رہے اور دلوں کو فتح کرتے گئے۔ دہلی میں ان کے شاگرد حضرت نظام الدین کی تعلیمات کے نقوش اب بھی پائے جاتے ہیں!

ایک ہی دھکے میں ہمارے بعض مسلمان دوستوں کے خیالات میں کس درجہ پستی آگئی ہے۔ ...... اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ ایک صاحب فرمانے لگے "اب ہندوستان میں نیشنلسٹ مسلمان وہی پارٹ ادا کریں گے جو قیامت کے دن بوریئے سمیٹنے والے کیا کرتے ہیں گویا آپ کے نزدیک ہندوستان کے چار کروڑ مسلمان جو پاکستان نہیں گئے ہیں، وہ سب ختم ہوگئے ہیں۔ جب آدمی اپنی زندگی سے اس درجہ مایوس ہوجائے تو اس کا کیا علاج ہے!

اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں ہجرت کے مسئلہ کو مانتا نہیں ہوں، جب ہم یہ دیکھیں گے کہ ہمارے ڈٹے رہنے سے ہمارے ختم ہونے کا اندیشہ ہے تو عارضی طور پر ہم ہندوستان میں ہی اِدھر اُدھر ہو سکتے ہیں میں تو جو کچھ کہہ رہا ہوں اس "رو" کے خلاف کہہ رہا ہوں کہ بھائی اب تو جب تک ہم چار کروڑ پاکستان منتقل نہ ہوجائیں۔ ہمارے زندہ رہنے کی کوئی صورت نہیں ہے ایسا کہنے والے گویا خدا پر ایمان نہیں رکھتے ہیں یا خدا پر بھروسہ نہیں ہے۔ خدا پر بھروسہ اور تدبیر کا سہارا نہ لینے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایسا کہنے والوں کے نزدیک نقل مکانی کے وہ امکانات رہتے ہیں جن سے فائدہ

اٹھا کر چند دنوں میں وہ ہندوستان سے پاکستان جا سکتے ہیں۔ مثلاً پاکستان میں ان کے رشتہ دار ہیں یا آبادی کا تبادلہ ابھی اس حد کو نہیں پہنچا ہے کہ پاکستان میں ایک دوسرے کا پرسان حال نہ ہو وغیرہ وغیرہ۔ مگر یہ لوگ یہ خیال نہیں کرتے کہ ہندوستان کے دیہاتوں میں جو کروڑوں غریب مسلمان بستے ہیں وہ کس طرح منتقل ہو سکیں گے! ہمیں ہوش و حواس ٹھیک رکھ کر روزانہ کے حالات کو صحیح صحیح جانچنا چاہیئے۔ اس کے مطابق تدبیریں کرنی چاہئیں۔ مہاتماجی ـــــ ذاکر حسین صاحب اور دوسرے بزرگوں نے تبادلۂ آبادی کے خلاف جو آواز اٹھائی ہے اس کی تائید اس طرح کرلی جاہیئے۔ کہ ایک تو لوگوں کی ہمت بندھائے رکھیں۔ اور پھر ہمارے رہنما حکومت کی تدبیروں میں شریک ہو جائیں جیسا کہ دہلی میں جمعیت العلماء و احرار کے رہنما برابر کام میں لگے ہوئے ہیں۔ مدراس کے دور اندیش ہندو اور مسلمانوں نے امن کمیٹی قائم کرنے کا کام شروع کر دیا ہے۔ دوسرے صوبوں کے مسلمان رہنماؤں کو چاہیئے کہ وہ کانگریسی وزارت کی تدبیروں میں شریک ہو جائیں۔ بلیاران کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے فرمایا:۔

"آپ لوگ اطمینان سے اپنے گھروں میں بیٹھئے۔ جو تکالیف اور پریشانیاں اٹھانی پڑ رہی ہیں ان کو آپ گھروں میں بیٹھ کر برداشت کیجئے۔ مارے مارے پھرنا اور زیادہ تکلیف کا باعث ہے۔ ایسی حالت میں اگر آپ کو موت آئے تو بھی آپ اپنے گھر پر رہیئے

حکومت کو تمام پریشانیوں اور تکالیف کا احساس ہے اور حکومت اسے
جلد سے جلد دور کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ آپ افواہوں پر
بھروسہ نہ کیجیے۔ افواہوں کو نہ پھیلائیے حکومت پر بھروسہ رکھیے
تکالیف ہیں، ورنہ زیادہ تکالیف پیدا نہ کیجیے۔ مقبرہ ہمایوں اور
پرانا قلعہ میں پناہ گزینوں کے کیمپوں کی کافی دیکھ بھال ہو رہی ہے۔
آپ بھی اس میں مدد کیجئے۔ آپ کی جو عورتیں گھروں میں بیکار
ہیں ان کو کام سے لگائیے۔ پناہ گزینوں کے لئے کپڑوں کی
ضرورت ہے آپ لحاف، توشک، گدے سلوائیے۔ کمبل مہیا
کیجیے اور ان کو تنظیم کے ساتھ تقسیم کرائیے۔ ہر مسلمان جو حکومت
کا وفادار ہے حکومت اس کی محافظ ہے۔ اس کو کہیں جانے
کی ضرورت نہیں اور جو شخص خواہ وہ ہندو ہے یا مسلمان یا
سکھ ہو اگر وہ انڈین یونین کا غدار ہے تو وہ یہاں سے چلا جائے
ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں کو بھائی بھائی بن کر رہنا ہے
دیکھیے آپ کے سامنے ہندوؤں کا محلہ ہے وہ آپ کے
بھائی ہیں۔ آپ سب مل جل کر رہیئے۔ اس میں سب کی بھلائی
ہے جو پناہ گزیں پنجاب سے دہلی آئے ہیں وہ سب بھائی ہیں۔
اگر آپ ملک کی بھلائی چاہتے ہیں تو ان جھگڑوں کو بند کر دیجیے۔
جو اطمینان اور آسائش آپ کو اپنے گھر پر ملے گی وہ مارے مارے
پھرنے سے نہیں مل سکتی۔ اس لئے آپ اپنے گھروں کو نہ چھوڑیئے"

(اخبار جنگ ۳ر اکتوبر ۱۹۴۷ء)

دہلی کے مسلمانوں کو پاکستان جانے سے روکنے کے لیے ۲۵ اکتوبر کو جمعیۃ العلماء
ے جامع مسجد میں ایک جلسہ بلوایا تھا۔ اس سے پہلے مولانا ابوالکلام آزاد نماز
بنوں کو دیکھنے کے لئے مسجد میں آئے تھے لیکن تقریر کرنے کے لئے وہ پہلی
دفعہ شاہجہاں کی اس مسجد میں آئے۔ حسین صاحب! پہلی دفعہ میں نے اس
لئے کہا ہے کہ جب سے فرقہ وارانہ ذہنیت نے زور پکڑا تھا۔ تو مولانا کے
لیے کسی مسجد میں نماز پڑھنے چلا جانا دوبھر تھا۔ نادان دوست ان پر آوازے
کستے ان کا راستہ روک لیتے تھے۔ مولانا کے لیے ریل گاڑی میں سفر کرنا
مسلمانوں کے مجمع کو مخاطب کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ لوگ "مردہ باد" کے نعرے
لگاتے تھے۔ یہی حال مولانا حسین احمد مدنی کا تھا مگر آج جب مولانا آزاد
اپنی اسی وضع قطع میں اسٹیج پر آئے تو اس پیکرِ خلوص کے سامنے سب
لوگ خاموش نیچی نگاہیں کئے بیٹھے تھے گویا وہ اپنی شرارت پر پشیمان ہیں اور
زبانِ حال سے "زندہ باد" کے نعرہ لگا رہے تھے۔ اپنے عقیدہ پر قائم
رہنے کے لئے ان بزرگوں نے زندگی بھر جتنی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ اسے
دیکھ کر ان برگزیدہ ہستیوں کے قصے صحیح معلوم ہوتے ہیں جن کے مصائب
اب ہمارے نزدیک کہانی کی صورت میں ہیں یہ دونوں عالم" قرآن کے
مفسر" خدا اور رسول کی منشا کو سمجھنے والے ہم جیسے جاہلوں کی نظر میں ایسے
تھے جیسے کہ وحی ہم پر نازل ہوئی ہے اور یہ بے دین ہیں۔ مولانا ابوالکلام
آزاد نے اپنے ترجمان القرآن میں یہ مرکزی خیال قرآن شریف کی آیتوں کی
روشنی میں پیش کیا کہ انسان کی اصل پرکھ نیکی اور بدی کا معیار ہے نہ کہ مذہب

کے نام کا ٹھپہ (بیبل)، مگر ہمیں تو نام پیارا تھا۔ گن پیارے نہیں تھے۔ نتیجہ کیا ہوا .... ہندوستان میں نیکی اور بدی کے نام پر محاذ قائم نہیں ہوئے بلکہ نام نہاد گروہ بندی کے نام پر .... اگر اکیلے حکیم اجمل خاں کے لئے یہ آسان تھا کہ وہ مسلمان ہونے کے باوجود دہلی کے ہندو اور مسلمانوں کے بادشاہ کہلاتے تھے تو ہندوستان کے بہت سے اچھے ہندو اور مسلمان لیڈروں کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ مل جل کر ایک اچھی حکومت بناتے! اس موقع پر پھر مجھے یہی خیال آتا ہے کہ کم سے کم وہ مسلمان جو اقلیت کے صوبوں میں تھے مولانا کا ساتھ دیتے.........................

....

.... نیکی کو بڑے صدمے سہنے پڑتے ہیں۔ شاید قدرت کو یہی منظور تھا کہ وہ صدمے سہ کر ہی سچائی کا ثبوت دے۔ معاف کیجئے۔ میں آگے نکل گیا۔ مگر مجبوریوں تھا کہ مولانا آج پہلی دفعہ مسلمانوں کے بچاس ہزار کے مجمع کے سامنے آئے تھے۔ مولانا نے لوگوں کے زخموں کو کریدا نہیں، انھیں لعنت ملامت نہیں کی بلکہ بچھڑے ہوئے بھائیوں کی طرح گلے لگاتے ہوئے فرمایا:-

> حضرات! آج میں آپ کے چہروں کا اضطراب اور دلوں کی بے چینی دیکھتا ہوں تو مجھے بے اختیار پچھلے چند سالوں کی بھولی بسری کہانیاں یاد آتی ہیں۔ اگر اس کی تفصیل بیان کردوں تو اس کے معنی ہیں میں آپ کو لعنت ملامت کروں۔ میں آپ کو لعنت ملامت کیوں کروں!

ایسا کرکے میں کیا پالوں گا! اچھا ہے تم بھی اسے بھول جاؤ۔ میں بھی اسے بھول جاتا ہوں

۹ر اپریل کو وزارتی مشن دہلی آیا تھا۔ آئینی تصفیہ کی گفت وشنید ہورہی تھی۔ میں نے ایک تجویز پیش کی تھی۔ لیکن لوگوں نے مخالفت کی اگر میری تجویز مان لی جاتی تو یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا!

ان فسادات میں جو دکھ اور تکلیفیں آپ نے اٹھائی ہیں۔ ان سے میں واقف ہوں۔ اگر آپ پاکستان سے آنے والے غیرمسلم بھائیوں کی تکلیفوں کو ایسا ہی خیال کریں تو پھر ان کے ساتھ آپ کی ہمدردی ہو جائے گی۔ اس لئے ہر ہندو اور سکھ کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کی مدد کرے اور ہر مسلمان ہندو اور سکھ کو مدد دے

تیسری طاقت اپنے گھمنڈ کا پشتارہ اٹھاکر رخصت ہوچکی ہے جو ہونا تھا وہ ہوکر رہا۔ سیاسی ذہنیت اپنا پچھلا سانچہ توڑچکی ہے۔ اب نیا سانچہ ڈھل رہا ہے۔ آپ بھی اپنی پرانی ذہنیت کو اس طرح بدل ڈالئے جس طرح تاریخ نے اپنے تئیں بدل لیا ہے۔ آج ہم ایک انقلاب کو پورا کر چکے ہیں۔ بدیسی حکومت کی بجائے قومی حکومت نے اب جگہ لے لی ہے۔ یہ حکومت آپ ہی کی ہے۔ زبان سے نہیں بلکہ عمل سے ثابت کیجئے۔ کہ آپ اس کے وفادار ہیں۔ پھر کوئی طاقت آپ کو یہاں سے بھگا

نہیں سکتی۔ میں نے آپ سے ہمیشہ کہا اور آج پھر
کہتا ہوں کہ تذبذب کا راستہ چھوڑ دیجئے، شک
سے ہاتھ اٹھا لیجئے اگر آپ کے دل صاف ہیں
تو آپ دیکھیں گے کہ یہ خوف و ہراس بھی آپ
سے دور بھاگ رہا ہے۔ سچے مسلمان کو نہ تو
کوئی طمع بلا سکتی ہے۔ اور نہ کوئی خوف
ڈرا سکتا ہے۔ آخر ڈر کس کا ہے! موت
کا! کیا مرنا کوئی نئی بات ہے!

مشرقی اور مغربی پنجاب کے لوگوں کا جو تبادلہ
ہو رہا ہے وہ دونوں حکومتوں کے فیصلے کے
ماتحت ہو رہا ہے۔ لیکن آپ لوگ ایسا کیوں
کر رہے ہیں؟ ہوائیں آتی ہیں اور گذر جاتی
ہیں۔ یہ صرصر ہے لیکن اس کی عمر زیادہ نہیں
ہے۔ ابھی دیکھتی آنکھوں ابتلا کا یہ موسم گزرنے
والا ہے۔ اپنے دلوں کو مضبوط بنائیے۔ حکومت نے
آپ کے لئے اب تک بہت کچھ کیا ہے آئندہ بھی ہر ممکن
امداد آپ کی کرے گی۔ ہندوستان کی حکومت غیر مذہبی
ہے۔ قانون کی نظر میں ہر شخص ہندوستانی ہے سب کے
ساتھ ایک سا برتاؤ کیا جائے گا اور سب کو ترقی کے

ایک جیسے مواقع ملیں گے

آپ انصاف اور قانون کی چٹان پر مضبوطی سے
جمے رہیئے آپ کی زندگی کو سنوارنے کے لئے
میرے پاس کوئی نیا لائحہ عمل نہیں، چودہ سو
برس سے جس کتاب کا آپ مطالعہ کر رہے ہیں
وہی آپ کے لئے مشعل ہدایت ہے

(پیام دہلی اور دکن کا ملا جلا اقتباس)

۴۔ فسادات اور جامعہ

جب دہلی میں فسادات کا زور بندھا تو جامعہ والوں کے سامنے موت اور زندگی کا سوال آیا۔ فرد کے مقابلے میں کسی جماعت کا فیصلہ قوم کی زندگی پر بڑا اثر ڈالتا ہے اس لئے جامعہ والوں پر بھی بڑی ذمہ داری تھی۔ شمال کی طرف گولیوں کے چلنے کی آواز، جنوب کی طرف سے دھاڑ کا خطرہ، مشرق کی طرف سے مظلوم، ستم رسیدہ زخمی لوگ چلے آرہے تھے مغرب کی طرف پاکستان کا راستہ کھلا ہوا تھا۔ اس فضا میں ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے فرمایا:-

.. .. یہ قیامت جو آج آپ دیکھ رہے ہیں۔ ایک وقتی جنون کا نتیجہ ہے۔ جس میں سب ہی مبتلا ہیں، ہندو مسلمان، سکھ سب نے جی بھر کے گناہ کئے ہیں، سب نے اپنے دین کے . اپنے ایمان کے گلے پر چھری پھیری ہے۔ گاندھی جی سب کو ان کے گناہ کا احساس دلا رہے ہیں۔

توبہ کی طرف بلا رہے ہیں۔ سب کو اس ہلاکت
کے گڑھے سے آگاہ کر رہے ہیں۔ جس کی طرف
وہ تیزی سے بڑھتے چلے جا رہے۔ اگر لوگ
گاندھی جی کی پکار سن لیں گے، اپنے کرتوتوں
پر شرمائیں گے اپنے گناہوں سے توبہ کریں گے
تو بچ جائیں گے ورنہ پھر وہ ہیں اور جسم
اور روح کی موت اور دنیا کی ہلاکت۔
.... مگر مجھے یقین ہے کہ گاندھی جی
کی آواز اپنا اثر کر کے رہے گی اور وہ
ہمارے دلوں سے عارضی وحشت اور بہیمیت
کو دور کردیں گے۔ ہماری انسانیت کو جگا
دیں گے۔ وہ ہندوستان جو آج اس قدر
نیچے گر گیا ہے ایک بار پھر اٹھے گا اور ایکبار
پھر دنیا کو امن اور تہذیب کا پیام پہنچائے
گا۔ ہندوستانی قوم کے اس مصلح پر صرف ایک
ہی قوم نہیں بلکہ سب قومیں فخر کریں گی، پوری انسانیت
فخر کرے گی۔

آپ دہلی کے اور آس پاس کی فضا کو دیکھ کر خائف اور
پریشان، مایوس اور دل شکستہ نہ ہوں خدا پر بھروسہ کیجئے اور اس کے

اس بندے پر بھروسہ کیجئے۔ جس نے کچھ کرنے یا مرنے کی ٹھانی
ہے اپنے ملک کی حکومت پر بھروسہ کیجئے جس کی باگ ڈور آپ کے
عمر بھر کے آزمائے لیڈروں کے ہاتھ میں ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ
جن لوگوں نے برطانیہ جیسی عظیم الشان سلطنت کے دانت
کھٹے کر دئے وہ ان فسادی قوتوں سے جو آج ابھر آئی ہیں
شکست کھا جائیں گی ، ابھی ان لوگوں کو حکومت کا کام ہاتھ
میں لئے چند ہی روز ہوئے ہیں۔ ان کو یہ اندازہ نہ تھا
کسی کو یہ اندازہ نہ تھا کہ ایک دم سے قیامت ٹوٹ پڑیگی
فساد کے پہلے ریلے نے اچانک آ لیا۔ اب وہ سنبھل گئے ہیں
اپنی قوت کو جمع کر رہے ہیں اور اس فتنہ کا سر کچلنے کی کوشش
کر رہے ہیں۔ مگر آپ لوگ یہ نہ سمجھئے کہ خطرہ ٹل گیا ہے۔ خطرہ
سر پر منڈلا رہا ہے اور جو کچھ اب تک ہوا ہے اس سے بھی
بدتر حالات پیش آ سکتے ہیں۔ یہ آگ سارے ملک میں پھیل
سکتی ہے اپنے کو دھوکے میں نہ رکھئے۔ میں یہ نہیں چاہتا
کہ آپ کو بے فکری کا اطمینان دلایا جائے۔ میں آپ کو وہ
اطمینان دلانا چاہتا ہوں جو خطرے کا پورا احساس رکھنے
کے باوجود ہوتا ہے۔۔۔۔ ۔۔۔۔ قوموں کی زندگی میں
مضبوط کبھی کبھی یہ نازک مواقع آتے ہیں۔ یہ وقت قدرت کی
پرچھوڑ دینے سے آزمائش کا ہوتا ہے۔ اب آپ کے سامنے یہ

سوال ہے کہ آپ اس آزمائش سے گزرنا چاہتے ہیں یا اس سے بچ کر بھاگ نکلنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کا فیصلہ بھاگنے کا ہے تو بسم اللہ..... پاکستان کا راستہ کھلا ہوا ہے جو جانا چاہے شوق سے جائے مگر یاد رکھئے موت آپکا پیچھا وہاں بھی نہ چھوڑے گی، کتنے ہوں گے جو راستے میں مارے جائیں گے کتنے ریل کے بند ڈبوں میں گھٹ گھٹ کر مر جائیں گے لیکن اگر آپ کا فیصلہ اس آزمائش سے گزرنے کا ہو تو یہاں ڈٹ جایئے یہ یاد رہے کہ بہت ممکن ہے آپ مار ڈالے جائیں، لیکن آپ کا یہ قتل رائگاں نہیں جائے گا۔ بعض قتل ایسے ہوتے ہیں جن پر قاتل شرماتے ہیں اور مقتول فخر کرتے ہیں بعض قتل ایسے ہوتے ہیں جو پوری زندگیوں پر بھاری ہوتے ہیں بعض قتل گرتی ہوئی قوموں کو سنبھال لیتے ہیں گری ہوئی قوموں کو اٹھا کر کھڑا کر دیتے ہیں جامعہ کے لوگ اگر ایسے مقتولوں میں داخل ہوجائیں تو وہ کام کر جائیں گے جو پچھلے سب کاموں پر بھاری ہوگا۔

جو لوگ موت کے استقبال کے لئے تیار رہتے ہیں ان کے لیے زندہ رہنے کی راہیں بھی نکل آتی ہیں کیا عجب ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی کشتی جس کو غلط رہنمائی نے اس بھنور میں ڈال دیا ہے آپ کے کمزور ہاتھوں سے پار لگ جائے۔ کیا خبر ہے کہ خدا آپ ہی کے ہاتھ سے رہے مسلمانوں کی تنظیم کا کام لے جس کی بنا خدا کے خوف اور خلقِ خدا کی بے لوث وطن کی وفاداری اور اہل وطن کی خدمت پر استوار ہوا اور کچھ جلسوں میں آپ اپنی مثال سے اس وقت دہلی کے لوگوں کی ہمت ...

اب بھی جو مسلمان اپنے اپنے محلوں میں ڈٹے ہوئے ہیں وہ بھاگنے والوں
سے زیادہ آرام میں ہیں۔ ان ہی لوگوں کی وجہ سے دہلی بچ جائے گی! آپ
بھی اس کے بچانے میں حصہ لیجئے۔ آپ میں سے جو لوگ ہمایوں
کے مقبرے میں مصیبت زدوں کی خدمت کر رہے ہیں وہ اسے چھوٹا
کام نہ سمجھیں۔ اگر آپ نے ہمایوں کے مقبرے کو بچا لیا تو دہلی کو بچا لیا اور
دہلی کو بچا لیا تو ہندوستان کو بچا لیا۔ اس خیال کو دل میں لئے ہوئے
کام کیجئے تو آپ کی قوت عمل دس گنی ہو جائیگی۔

اب مجھے چند لفظ خواتین سے کہنے ہیں .... آپ کی اس
گریہ و زاری سے آپ کو یا دوسروں کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ یہ وقت
رونے کا نہیں بلکہ کام کا ہے اور جو کام ہمارے سامنے ہے اس میں
آپ کو بھی مردوں کا ہاتھ بٹانا ہے۔ اب سردی آنے والی ہے۔ آپ اپنے
کو بہت تکلیف میں سمجھتی ہیں مگر کم از کم آپ کے سر پر چھت تو ہے۔ ان
مصیبت کے ماروں کا خیال کیجئے جو آسمان کی چھت کے نیچے زمین کے
فرش پر رہتے ہیں۔ اپنے اوڑھنے بچھونوں کو کم کر کے زیادہ سے زیادہ
گدے، توشکیں، لحاف، ہمایوں کے مقبرے بھیجئے۔ پرانے کپڑوں
کی مرمت کر کے ان کو استعمال کے قابل بنائیے ....

بس یہی چند باتیں مجھے کہنی تھیں۔ ان پر غور کیجئے، اپنے دل
ط رکھئے۔ اپنی طرف سے سعی کرتے رہیئے۔ انجام کو خدا
ئیے ۔

جامعہ کے فدائی جو پہلے سے اسی قسم کی باتیں سوچ رہے تھے ان کے ارادوں میں استحکام آگیا جو مرنے کے لئے تیار رہتا ہے اس کے لئے زندہ رہنے کی راہیں کھل جاتی ہیں لوگوں نے سوچنا شروع کیا کہ صورت حال پر کس طرح قابو پایا جا سکتا ہے۔ اگرچہ فسادات کے آغاز ہی سے قیام امن کا نظام قائم ہو گیا تھا لیکن اب اس ارادے سے اس میں توسیع ہو گئی یعنی اور زیادہ منظم ہو گیا کہ یا تو زندہ رہیں گے یا ختم ہو جائیں گے اس کام کے لطف کچھ اور ہی تھے۔ ذیل میں اس نظام کا خاکہ درج کرتا ہوں۔ لیکن حسین صاحب لکھوں کا اس انداز سے کہ گویا ایک چیز دیکھ رہا ہوں اور لکھ رہا ہوں۔ ۱۷ ستمبر تک کے حالات میں نے اسی انداز سے لکھے ہیں۔ بعد میں عنوانات قائم کرکے نہج بدل دیا تھا مگر اس خاکہ کی حد تک پھر اسی انداز سے سنئے :۔

۱۔ صدر کمیٹی . . . ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب

آپ کے ذمہ پورے نظام پر نگاہ رکھنا، حکومت ہند اور دوسرے رہنماؤں سے تعلق قائم رکھ کر یہاں کی اہم ضروریات مثلاً حفاظت کا انتظام اور خوراک کی فراہمی ہے۔ گزشتہ سیشن کے مسلسل کاموں کی وجہ سے آپ آرام کرنے کے لئے کشمیر جانا چاہتے تھے۔ وہاں نہ جا سکے اور راستے میں اپنا نام ظاہر کرنے پر قتل سے بچ گئے پھر جامعہ نگر میں آرام کرنا چاہا مگر اب تو وقت بے وقت فون پر رہتے ہیں۔ گولیوں کی بوچھاڑ میں شہر کا چکر لگاتے ہیں۔ شہر کے انتظامی جلسوں میں

شرکت کرتے ہیں یا تو اپنی تکلیفوں کو بھول گئے ہیں یا قوت ارادی اور میدان جنگ کو دیکھ کر تکلیفوں نے جان بچائی ۔

۲۔ ناظم اعلیٰ . . . . . اختر حمید خاں صاحب

اگرچہ یہ نئے نئے جامعہ میں آئے ہیں مگر یہاں کی کمان اس طرح سنبھال لی ہے جس طرح ایک تجربہ کار سپہ سالار نئے ماحول میں اپنے آپ کو ڈھال لیتا ہے ۔ پورا انتظام ان کے نقشے اور ہدایات کے مطابق ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے ۔ تمام شعبوں کو چلتا ہوا دیکھنا، دستہ کے سپہ سالار کیلاٹ صاحب سے رابطہ رکھنا رات کے وقت موٹریں چلوا کر دیکھنا کہ راستے مخدوش تو نہیں ہیں ۔ روزانہ شہر جا کر متعلقین جامعہ کے رشتہ داروں کو پناہ میں لے آنا، شہر سے اور فوجی اسٹور سے ضروری سامان لانا ۔ ان کاموں میں لگے رہتے ہیں ۔ یہ فوجی نظام کو خوب جانتے ہیں تب ہی تو ہر جگہ کامیاب ہو کر آتے ہیں ان کا اطمینان اور سکون قابل رشک ہے سب کچھ کر رہے ہیں مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پریشانی اور تھکن نام کو نہیں ۔ جب پہلے دن حملہ آوروں کے آنے کی خبر ملی تو تمام مشنری کو حالات کے مطابق چلتی ہوئی حالت میں کر کے یہ آرام سے کرسی پر بیٹھے ہم لوگوں کو سمجھا رہے تھے کہ دیکھئے تمام مشنری اس وقت کام کر رہی ہے ۔ جب تک لوگ اپنے فرائض پر ڈٹے رہیں گے حملہ آور ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اگر اکبر صاحب مرحوم جتنی بے تکلفی مجھ سے ہوتی تو اس وقت پہلے تو یہ مجھ سے سگریٹ مانگتے پھر کہتے کہو دوست نیو تھیٹرز والوں نے بھی کبھی

ایسے سین پیش کئے ہیں! وہی عشق و محبت! میدان جنگ کی تنظیم بھی تو دکھانی چاہئے۔ میں جواب میں کہتا یہ بھی تو جامعہ سے عشق کا نتیجہ ہے یہ کہتے دیکھو بھائی اس بات پر ہماری تمہاری لڑائی ہو جائے گی۔ کانن بالا کا عشق اور ہے، یہ عشق اور . . . . انھیں خدمت کا بہت شوق ہے۔ بہار میں یہ جانا چاہتے تھے لیکن لوگوں نے جانے نہ دیا۔ گڈھ مکتیشر کے واقعات پر یہ زبردستی چلے گئے اور بہت سے لوگوں کی جانیں بچائیں ہندو مسلمانوں میں ایسے خدمت کرنے والے لوگوں کی بہت ضرورت ہے جو اچھوں کے لئے موم اور بُروں کے لئے فولاد ہوں۔ یہ حضرت ڈپٹی کمشنر بھی رہ چکے ہیں۔ ان کے بھائی اختر حامد صاحب بھی ان کا ہاتھ بٹا رہے ہیں

۲۔ ناظم پناہ گزین کیمپ . . . . برکت علی صاحب

انھیں اختر حمید صاحب کا نائب کہنا چاہئے۔ ان کا خاص کام پناہ گزینوں کی تنظیم، ان کی دیکھ بھال اور تکالیف کا سدباب کرنا ہے ان کا ہاتھ استادوں کے مدرسے کے طلبہ بٹاتے ہیں۔ دیکھئے پہلے انھیں اپنے شاگردوں کی کاپیوں، بکریوں اور مرغیوں سے فرصت نہیں تھی مگر اب یہ کس طرح میدان میں اتر آئے ہیں ان کے کام کی باقاعدگی اور انتھک کوششوں میں کیسے شبہ ہو سکتا ہے۔ یہ چیز بارہا آزمائی ہوئی ہے مجھے خوشی اس بات سے ہوتی ہے کہ کام کے ساتھ ساتھ یہ واقعات حاضرہ اور نتائج کو اپنے ساتھیوں کے سامنے

اس طرح رکھتے ہیں جس سے لوگ ٹھنڈے دل سے اپنی غلطیوں کو ٹٹولنے کی کوشش کریں۔ لوگوں سے کہا کرتے ہیں کہ خدا سب چیزوں کو یونہی ہونے نہیں دیتا ہے بلکہ واقعات زندگی کو سنوارنے میں مدد دیتے ہیں یہ وقت جائزہ کا ہوتا ہے کہ ہمیں جو ٹھوکر لگائی گئی ہے وہ کن غلطیوں کا نتیجہ ہے

خدا شر برانگیزد کہ خیرے ما درآں باشد

۴۔ سپہ سالار . . . . ای۔ جے۔ کیلاٹ صاحب

انھیں آپ خوب جانتے ہیں۔ وہ کون سا خطرے کا وقت ہے جس میں انھوں نے بندوق نہیں سنبھالی، امن کے زمانے میں تو یہ ہیں اور ان کی کتابیں لیکن خطرے کے وقت آپ کیلاٹ صاحب کو آگے آگے پائیں گے۔ جامعہ نگر کی بڑھتی ہوئی آبادی کو دیکھ کر انھوں نے کئی لائسنس حاصل کر لئے ہیں اس لئے ایک چھوٹا سا دستہ تیار کر لیا۔ حملہ کس کس طرح ہو سکتا ہے یہ اسے خوب سمجھاتے رہتے ہیں اور تدبیریں بھی بتلاتے ہیں . . . . ۷۰ برس کی عمر میں خطرے کے وقت یہ جتنی یہ توانائی راتوں کو جاگنا دن میں صرف چند گھنٹے آرام کرنا . . . . بے شک خدا ایسے ہی لوگوں کی مدد کرتا ہے جو اپنے آپ کو مدد کا مستحق بنائیں۔ ان کی نگرانی میں جامعہ کے نوجوانوں کا دستہ ہے جس میں (۱) آزاد رسول صاحب (۲) مجتبیٰ حسین صاحب (۳)، ابوالکلام صاحب (۴) نبی احمد صاحب کیلاٹ (۵) اشفاق محمد خاں صاحب (۶) رضی الدین صاحب (۶) جمیل اختر صاحب

(۸) محمد محفوظ صاحب (۹) عبدالباری صاحب (۱۰) اسمٰعیل پٹیل صاحب (۱۱) منظور احمد صاحب (۱۲) اقبال احمد صاحب (۱۳) اختر حامد صاحب (۱۴) باورچی خانے کے رشید احمد صاحب ہیں۔ یہ سب تندرست نوجوان اور دلیر ہیں۔ جی ہاں انھوں نے اس وقت جان کی بازی لگادی ہے یہ مورچہ پر آگے آگے رہتے ہیں۔ اس نیت سے کہ کچھ کریں گے یا مریں گے . . . خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اپنی زندگی میں موت کا استقبال کریں . . . . اس سے بڑھ کر ان سے اور کیا مطالبہ کیا جاسکتا ہے

۵۔ ناظم ٹیلیفون . . . . چودہری محمد علی صاحب

غیر معمولی فکر رکھنے سے ٹیلیفون چوبیس گھنٹے کام کرنے لگا ہے جامعہ کھلی ہوتی تو لوگ دیکھتے کہ چودہری صاحب نے فون کے مشکل ترین انتظام کو کس طرح قابو میں کرلیا ہے اور وہ بھی ایسے مشکل زمانے میں۔ ان کے ساتھی (۱) حافظ فیاض احمد صاحب (۲) نبی احمد صاحب (۳) سعید انصاری صاحب (۴) محمد صدیق صاحب (۵) ناصر رضا صاحب (۶) عبدالرؤف صاحب (۷) عبداللطیف صاحب (۸) ابوسالم صاحب ہیں۔ حافظ صاحب کو رات کو نیند نہیں آتی ہے اس لئے انھوں نے ۱۲ سے ۳ تک کا وقت لیا ہے یہ ادھر گاؤں کی خبریں بھی ہم لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ اگر کوئی خبر غلط ہو تو قصور گاؤں والوں کا مگر یہ مفت میں بدنام ہوتے ہیں۔ کہنے لگے ایک موقع پر تو میرے جھوٹ نے کام بنادیا

فوجی دستہ واپس جا رہا تھا، میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ گاؤں سے خبر آئی ہے کہ حملہ ہونے والا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کوشش کر کے دستہ کو رکوا لیا اس طرح لوگوں کی پریشانی دور ہوئی

۶۔ ناظم اطلاعات ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ظفر علی صاحب منصوری

ظفر صاحب غیر معمولی مستعدی اور رضاکارانہ طور پر اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں جتنی زیادہ تکلیف دی جائے گی یہ اتنا ہی خوش ہوں گے۔ اس کیفیت کے ساتھ ان کا چہرہ مجھے بڑا معصوم نظر آتا ہے۔ تعجب ہے کہ ظفر جیسا آزاد منش آدمی اتنی پابندی کے ساتھ ہر وقت دفتر اطلاعات میں دکھائی دیتا ہے تمام تندرستی کے جتن غالباً انھوں نے اسی زمانے کے لئے کر رکھے تھے۔ عافیت بجز اس کو کہتے ہیں ان کے مددگار سید حسن صاحب ہیں۔ سید صاحب کی سخت جانی سے آپ واقف ہیں۔ یہ بات نہیں کہ صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا بلکہ ان کی مسکراہٹ بھی آپ اسی طرح پائیں گے

۷۔ مدیر بلیٹن ۔ ۔ ۔ ۔ محمد عاقل صاحب

یہ مجھ سے تو ریڈیو کی خبریں لیتے ہیں اور ناظم اطلاعات سے دوسری کام کی چیزیں۔ ذاکر صاحب اور اختر حمید صاحب سے قریبی رابطہ رکھ کر کچھ اور مواد بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ پھر نیوز بلیٹن کا مسودہ تیار کر کے عبدالرؤف صاحب کو دے دیتے ہیں۔ رؤف صاحب

کے ذمہ اسے ٹائپ کروانا اور خاص جگہوں پر لگوانا ہے۔ ٹائپ کا کام محمد اسحاق صاحب کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اسی بلیشٹ سے میں نے ٹائپ کرنا سیکھا ہے۔ جی ہاں صلاحیت ہو تو ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ مصعب صاحب نے بھی تو اسی طرح سیکھا تھا رؤف صاحب کے لئے اخبار کی اشاعت کا کام کوئی نیا نہیں ہے۔ یہ اپنی اقامت گاہ اور جماعت میں کامیابی کے ساتھ اس کام کو چلا چکے ہیں

۸۔ ناظم مطبخ . . . عبدالحی صاحب

جی ہاں وہی عبدالحی صاحب جنھوں نے جوبلی کے زمانے میں نازک حالات پیدا ہونے پر کھلانے پلانے کے کام کو سنبھال لیا تھا یہ ہمیشہ دور اندیشی سے کام لے کر صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ پناہ گزینوں کو کھلانے پلانے کا انتظام اختر صاحب نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ یہاں بھی استادوں کے مدرسے کے طلبہ مدد دے رہے ہیں۔ شبیر احمد خاں صاحب کی ہمت دیکھئے کہ صبح د شام لوگوں کو چائے پلا کر ان کو گرماتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ دام وصول کر لیتے ہیں

۹۔ ناظم نماز . . . عبدالواحد صاحب سندھی

مدرسہ کھلا رہنے پر جب اس کام کی تنظیم کر لی تو اب کیا مشکل بات تھی۔ عبادت کا شوق اور خدا سے لو لگانا کام میں جان ڈال دی ہے یعنی پناہ لینے والوں میں سے تقریباً سب کو نمازی بنا لیا ہے۔ اس کام

میں ماسٹر برکت علی صاحب نے ان کا ہاتھ بٹایا ہے۔ یہ انقلاب اس وقت ہوا جب جمعہ کی نماز میں مولانا خواجہ عبدالحی صاحب نے ایک موثر خطبہ دیا اور فرمایا کہ " خدا خیر و شر دونوں طرح سے مومنوں کو آزماتا ہے، خیر کی آزمائش تو یوں ہوئی کہ میرے سامنے بیسیوں ایسے مالدار لوگ بیٹھے ہیں جن کے پاس ہزاروں سے زیادہ دولت تھی مگر ان میں نماز بہت کم پڑھتے ہوں گے اور اب شر سے ہماری آزمائش ہو رہی ہے تو کیا یہ موقع بھی ہم کھو دیں گے ؟" تقریر حالات حاضرہ کے پیش نظر بہت موثر تھی تفصیل کا یہاں موقع نہیں نتیجہ یہ ہوا کہ سب لوگ نماز پڑھنے لگے۔ بعد میں مولوی فضل الرحمن صاحب بھی جامعہ نگر آگئے اور روزانہ مغرب کے وقت قرآن کی تفسیر بیان کرنے لگے۔

۱۰۔ پہرے دار . . . . .

ان کی تعداد کافی ہے۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں :-

اصغر اصلاحی صاحب۔ احسان الحق صاحب۔ ظہور الحق صاحب
عبدالحفیظ صاحب قدوائی۔ مصعب الرحمن صاحب۔ شعیب الرحمن صاحب
معین الدین صاحب۔ عرفان بیگ نوری صاحب۔ حافظ نبی احمد صاحب۔
عبدالواحد سندھی صاحب۔ غیاث الدین صاحب۔ منشی شفیق احمد صاحب۔
مستری سعید احمد صاحب۔ فائق صاحب۔ ادریس صاحب (صدیق صاحب)

یہ سب اپنا کام محنت اور جانفشانی سے کرتے ہیں۔ میدان جنگ میں ان کی جو اہمیت ہے وہ آپ جانتے ہیں اس اعتبار سے ان کا کام

کسی سے پیچھے نہیں ہے

اسکاؤٹ بچے . . . . زیر نگرانی عبد الرؤف صاحب

جامعہ میں اگرچہ چھٹیاں ہیں لیکن چند بچے وہ ہیں جن کے متعلقین آج کل جامعہ میں کام کر رہے ہیں اور چند بچے فسادات سے پہلے جامعہ میں داخل ہونے کے لئے آئے تھے۔ ان کا کام پیغامات کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا ہے۔ یہ ویسے بھی خطرے سے لاپرواہ ہوتے ہیں۔ لیکن آج کل کے انتظامات انھیں جشن کی طرح معلوم ہوتے ہیں اس لئے ان کے کام میں اور بھی جان پڑ گئی ہے۔ چند بچوں کے نام یہ ہیں عنایت احمد۔ نظام الدین۔ اکرام الدین۔ خواجہ عبید اللہ۔ آصف انور مسعود احمد خاں

۱۲۔ نامہ نگاری اور تاثرات قلم بند کرنا . . . . خادم

میرے ذمہ چار دفعہ پابندی کے ساتھ ریڈیو سن کر بلیٹن تیار کرنے والوں تک خبریں پہنچانا ہے۔ آج کل کے موضوع پر ہند کے مشہور لوگوں کی تقریریں اور بیانات سن کر ان کا خلاصہ بھی پیش کرنا ہوتا ہے۔ چونکہ اس کے لئے سکون کی جگہ چاہئے اس لئے ریڈیو کا انتظام بیچ سرائے میں رکھا ہے۔ آج کل اس طرف کی چاروں کوٹھیاں خالی کر کے لوگوں کو مرکز میں رکھا گیا ہے یوں یہ جگہ زیادہ خطرے کی ہو گئی ہے۔ میرے ساتھ صرف چوکیدار رہتا ہے۔ آخری خبریں اور گاندھی جی کی تقریروں کا ریکارڈ جو بالعموم دس بجے سنایا جاتا ہے) رات کو

ساڑھے دس بجے لے کر لالٹین کی روشنی دھیمی کئے چپ چاپ مرکز کی طرف چلا جاتا ہوں ۔ فاصلہ اور راستہ کی دشواریوں کا آپ کو علم ہے ۔ اندھیری راتیں بلکہ بعض دفعہ خوب خوب مینہ برستا ہے مگر اطمینان یہ ہے کہ ایک نئے تجربہ سے دو چار ہوا ہوں اور ابھی تک کوئی دن ناغہ نہیں کیا ہے ۔ اہم لوگوں کے وارد ہونے اور اہم واقعا کے پیش آنے پر موجود رہتا ہوں تاکہ صحیح تاثرات نوٹ کرسکوں ۔ فسادات کی اطلاع اور دوسرے تاثرات کو لوگوں کے سامنے اس رنگ میں پیش کرتا ہوں کہ لوگ یہ نہ خیال کرنے لگیں کہ خدا کیا ہے جو اس اندھیر کو دیکھ رہا ہے اور خاموش ہے بلکہ لوگ اس مہم کو زندگی کے سنوارنے کا ذریعہ بنائیں ۔ ان کے خیالات میں اگر غلطیاں ہیں تو وہ سوچیں اگر وہ ان سے ہٹ کر نیکی اور بدی کو پہچاننے میں غلطی کرتے تھے تو اب عقل سلیم سے کام لیں سو اس کے بعد جو کچھ وقت ملتا ہے ، آپ کے نام کا یہ خط مکمل کرتا ہوں ۔ اس میں بھی ڈیڑھ دو گھنٹے لگ ہی جاتے ہیں کسی مرض سے متاثر آدمی اور کیا کرسکتا ہے ۔

۱۳ ۔ جامعہ نگر سے باہر پناہ گزینوں کی خدمت

۱ ۔ رضاکاروں کے سپہ سالار شمس الرحمٰن صاحب

۲ ۔ نائب کیمپ کمانڈر اسمٰعیل پٹیل صاحب ۔

۱۶ ستمبر کے روزنامچے میں میں نے یہ بات لکھ دی ہے کہ جامعہ نگر میں باوجود گرمیوں کی چھٹیاں ہونے کے جو لوگ رہ گئے ہیں وہ

کچھ عرصہ تو اپنے بچاؤ کے کام میں لگے رہے لیکن جب پُرانا قلعہ اور ہمایوں کے مقبرے کے پناہ گزینوں کا معاملہ پیش آیا تو تھوڑی تعداد میں ہونے کے باوجود وہ اس کام کے لئے کمربستہ ہو گئے اور ان کی یہ مختصر سی جماعت پناہ گزینوں کو آرام پہنچانے کے لئے جو کچھ کر سکتی ہے وہ کر رہی ہے ان کے ذمے راشن کی تقسیم کا اہم کام ہے۔ کامریڈ شمس الرحمٰن صاحب ان کے سپہ سالار رہیا۔ شمس صاحب جس طرح تحریر و تقریر اور مباحثہ سے لوگوں کو متاثر کر لیتے ہیں۔ اسی طرح خدمت سے لوگوں کے دلوں کو موہ لیا ہے ان کے ساتھیوں میں قیصر صاحب مشکور صاحب عزیز صاحب افتخار صاحب ۔ اصلاحی صاحب ۔ سید حسن صاحب۔ نصیر صاحب زیدی صاحب ۔مصعب صاحب ۔ اکرام صاحب ۔ فراق صاحب مسعود الحق صاحب ۔شعیب صاحب ۔جمیل اختر صاحب ہیں

اسمٰعیل پٹیل صاحب نے تو اپنی ذمہ داری میں اس درجہ کمال پیدا کیا کہ یہ آگے چل کر نائب کیمپ کمانڈر ہو گئے۔ گویا پٹیل صاحب کو اس نئی بستی کا ڈپٹی کمشنر کہنا چاہئے

جو اساتذہ جامعہ نگر سے باہر ہیں ان کی بے چینی قدرتی طور پر ہم سے کچھ کم نہیں ہے ہم تو یہاں کے انتظامات سے یک گونہ مطمئن ہو گئے ہیں لیکن جو باہر ہیں وہ بے چین ہوں گے کہ جس پودے کو انھوں نے اپنے خون سے سینچا ہے نہ جانے کس لمحہ اس پر کیا مصیبت آئے استادوں کے خطوط سے چند جملے نقل کرتا ہوں جس سے ان کی بیقراری

کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے -

شبیر احمد صاحب ندوی الہ آباد سے لکھتے ہیں "..... یہ نہ معلوم تھا کہ اس ملاقات کے بعد اتنا بڑا انقلاب آجائیگا ورنہ جامعہ چھوڑکر آتا ہی نہ، اب تو آپ لوگوں کے حفاظت سے رہنے کی فکر ہے اے کاش کہ میں بھی آپ ہی لوگوں کے ساتھ خطرے میں رہتا یہاں امن کے ساتھ رہتے میں جو کوفت ہو رہی ہے اسے میرا جی ہی جانتا ہے آپ میری کوفت کا اندازہ اس سے کرسکتے ہیں کہ عید کے ایک ہفتہ بعد سے مسلسل بیمار رہوں اور آج بھی اس قابل نہیں ہوں کہ سفر کرسکوں لیکن میرے پاس ہوائی جہاز کے دام ہوتے تو دلی چلا آتا"

قیصر صاحب زیدی رامپور سے تحریر فرماتے ہیں :-

"...... پانی طوفانی ہو یا ساکن، مچھلی کا اس سے جدا رہنا بہت بڑی اذیت کا باعث ہے اور کیا لکھوں۔ خدا لایزال آپ حضرات کو امن و عافیت میں رکھے اور اس سرزمین پر پھر وہ حالات پیدا ہوں جن کے لئے قومی کارکنوں نے جان کی بازی لگانے میں کبھی کوتاہی سے کام نہیں لیا

رشید نعمانی صاحب لکھنؤ سے تحریر فرماتے ہیں :-

ہمارے بعض متعلقین حیدرآباد میں ہیں ادھر ہفتوں سے وہ لوگ ہم سب کو بامراد دکن چلے آنے کی دعوت دے رہے ہیں میرے لئے وہاں کئی ایک نوکریاں طے کرلی گئی ہیں۔ مکان بھی لے لیا

گیا ہے، زادراہ کا بھی انتظام قریب ہو چکا ہے لیکن میری کیفیت یہ ہے کہ ترک وطن پر آمادہ ہوتا ہوں اور نہ دکن کے سفر کے لئے یہ جانتا ہوں کہ خداوندان جامعہ کا سب سے زیادہ نا قابل توجہ اور کم ازبندہ میں ہی ہوں پھر بھی یہ نہیں چاہتا کہ بارہ برس جس جگہ رہا ہوں اور جن لوگوں کے ساتھ اٹھا بیٹھا ہوں اس کو اب چھوڑ دوں بزرگوں نے مشورے دئے احباب ناعاقبت اندیش کہتے ہیں مستقبل کی فکر نہ کرنا یقیناً حماقت ہے لیکن جذبہ ہے کہ برقرار اور آرزو ہے کہ منتقل جاتا ہوں کہ موقعے بار بار نہیں ملتے۔ وسائل اور حالات ہر مرتبہ حسب خواہش نصیب نہیں ہوتے مگر .... ؎

برگشتہ ہوئی دنیا رسم و رہِ الفت سے اک میری طبیعت ہے جو باز نہیں آتی

اس بھروسہ پر جامعہ سے طلبی آرہی ہوگی، روپیہ آرہا ہوگا وطن میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہا ہوں تمام سابق مشغلے مسدود۔ سیر و تفریح سے وحشت بہت کم آدمی ایسے ہیں جن کے پاس بیٹھ کر وقت گزار سکتا ہوں۔

یہ اتفاق دیکھئے کہ جھگڑوں سے پہلے ہمارے کئی اساتذہ پاکستان میں تھے۔ جھگڑوں کے بعد لوگ دہلی سے پاکستان جانے لگے مگر جامعہ کے استاد دہلی آنے کے لئے بے چین ہیں۔"

عتیق احمد صاحب کراچی سے لکھتے ہیں:۔

"...... یہاں کی یک سو زندگی سے تو جامعہ نگر کی خطرے کی زندگی اچھی تھی۔"

عتیق احمد صاحب نے ایک دلچسپ ہدایت اسی خط میں دفتر والوں کو یہ بھی دی ہے کہ موصوف کے چلتے وقت ابتدائی ششم کی کھڑکی کھلی رہ گئی تھی۔ لکھتے ہیں۔

"اُس کھڑکی کو بھی ضرور بند کر دیجئے گا۔ ورنہ برسات میں سامان خراب ہوجائے گا۔"

یہ تو "دیکھیبا نکا" والی بات ہوئی کہ چاروں طرف آگ لگی ہے مگر احساس فرض یا محبت مجبور کر رہی ہے کہ پانی کا گلاس لئے کھڑا رہے۔

محمد سرور صاحب جن کا گھر پاکستان میں ہے لاہور سے لکھتے ہیں۔

"۔ ۔ ۔ ۔ لاہور میں ۱½ ماہ رہنے کے بعد اکثر دل میں آیا کہ اگر میں جامعہ نگر میں ہوتا اور خدا نخواستہ جامعہ پر حملہ ہوتا اور مدافعت میں جان جاتی تو وہ موت اُس زندگی سے جو مجھے اس زمانے میں یہاں گذارنا پڑتی ہے کہیں زیادہ پرلطف ہوتی، آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس زمانے میں جامعہ اور جامعہ کے احباب کس قدر یاد آتے ہیں۔ خدا کرے راستہ جلد کھلے اور ہم لوگ جامعہ نگر پہنچ جائیں"

محسن صاحب میری یہ مخاطبت آپ کے نام ہے اس لئے آپ نے دوسروں کی بے چینی پڑھ لی، شاید یہ اوراق آپ کے علاوہ اور لوگوں کو بھی پڑھنے کا موقع ملے اس کی اجازت دیجئے کہ آپ کے خط کا اقتباس بھی پیش کردوں

"۔ ۔ ۔ ۔ لیکن واہ رے دِل ۔ لی ، ایسے ایسے خونچکاں واقعات سننے کے بعد بھی تیری یاد دل سے محو نہیں ہوتی پاکستان میں لوگ آگئے گویا جنت میں پہنچ گئے! بعض لوگ جو دہلی میں معمولی حیثیت کے تھے، یہاں بڑی بڑی دکانوں پر قبضہ کئے ہوئے ہیں لیکن جب دلی کا نام ان کے کانوں میں پہنچتا ہے تو ان کے دل سے ٹھنڈی آہیں نکلتی ہیں اور کہتے ہیں کہ ہائے دلی اب اس دلی کو دیکھنا کب نصیب ہوگا! کاش ہم لوگ وہیں رہتے اور وہیں ہمارا خاتمہ بالخیر ہوتا۔ کیا کیا جائے اہل دعیال کے جانوں کے خوف سے دلی چھوڑنی پڑی ورنہ ہم کو ان کا فکر نہ ہوتا تو ہم جیتے جی دلی ہرگز نہ چھوڑ آتے۔" والدین سے اجازت نامہ منگوایا ہے۔ وہاں سے اطلاع آتے ہی فوراً دہلی پہنچ جاؤں گا۔ دعا فرمائیے کہ جلد از جلد جامعہ نگر حاضر ہو جاؤں"

جامعہ کا یہ پودا شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے ہاتھوں کا لگایا ہوا تھا جسے ایک جگہ سے دوسری جگہ مولانا محمد علی لائے اور جس کی آبیاری حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر انصاری نے کی پھر یہ مقدس امانت ڈاکٹر ذاکر حسین کے سپرد ہوئی۔ خدا کا فضل اور ان بزرگوں کے فیض کا اثر ہے کہ جامعہ بچی رہی لیکن فساد زدہ علاقوں کی طرح جامعہ بھی مشکلات میں پھنس گئی

ہے ابتلا، کا یہ دور جامعہ کے لئے نیا نہیں ہے۔ جامعہ قیام کے ابتدائی زمانے میں خلافت کے چندوں سے چلتی تھی جب خلافت کی تحریک ختم ہوئی تو ۱۹۲۵ء میں جامعہ کے سامنے موت اور زیست کا سوال تھا۔ اس حالت میں حکیم اجمل خاں اسے دلی لے گئے اور اپنی مسیحائی سے زندہ رکھا میں نے اس وقت کا نقشہ "ایک معلم کی زندگی" میں اس طرح کھینچا تھا:۔

"مگر ۱۹۲۱ء کا سا لطف کہاں۔ جلسے ٹھنڈے پڑ گئے دعوتیں بے لذت ہوگئیں۔ جماعتوں میں وہ رونق نہ تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کوئی بڑی دکان ایک مقام پر دیوالیہ ہو کر دوسری جگہ آئی ہے اور وہ یہاں اپنے ٹوٹے پھوٹے سامان کی مرمت کر رہی ہے اس امید پر کہ اس کا کام پھر چل پڑے گا۔"

(ایک معلم کی زندگی صفحہ ۹۴)

دوسرا دور وہ تھا جب حکیم صاحب کا سایہ سر سے اٹھ گیا پھر اس کی تمام ذمہ داری ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب پر آ پڑی۔ ذاکر صاحب خود داری اور محبت کا مجسمہ ہیں، خود داری کا تقاضہ یہ ہوا کہ ایسا تو اس کے کارکن ایثار سے کام لیں پھر کچھ کر کے دکھائیں۔ محبت کا تقاضہ یہ ہوا کہ لوگ کھنچے کھنچے چلے آئیں چنانچہ ۱۹۲۶ء میں جامعہ کے کارکنوں نے عہد پیمان کیا کہ وہ خود جامعہ کو چلائیں گے اور اس کا کوئی رکن ڈیڑھ سو روپیوں سے زائد تنخواہ نہ لے گا جب ذاکر صاحب نے اپنے

ساتھیوں میں یہ قوت آزمائی قوم سے مخاطب ہو کر کہا۔

"روپئے دو ہی طرح سے وصول ہوتے ہیں ایک ٹیکس سے دوسرے نذر سے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اپنے کام سے ہم اپنے کو اسی بات کا مستحق بنائیں گے کہ قوم ہمیں نذر دے۔ ممکن ہے آپ لوگوں کو میری یہ باتیں غرور سے بھری معلوم ہوں لیکن میں بہت خاکسار واقع ہوا ہوں اور اس وقت ایسا کہنے پر مجبور ہوں امید ہے کہ آپ معاف فرمائیں گے"

(ایک معلم کی زندگی صفحہ ۱۸۰)

ذاکر صاحب کی خودداری اور محبت کا یا اثر ہوا کہ حلقہ ہمدردان جامعہ قائم ہوا طلبہ کی تعداد بڑھی پیسوں کی آمدنی ہونے لگی۔ راجہ نوابوں نے دست تعاون بڑھایا۔ خودداری اور محبت نے جامعہ نگر میں بستی کی شکل اختیار کر لی پھر ۱۹۴۶ء میں جوبلی کے موقع پر لوگوں نے دیکھا کہ چاروں طرف نفرت کے شعلوں کی لپٹ میں جامعہ نگر ہی ایک ایسی بستی تھی جہاں مسلم لیگ اور کانگریس کے بڑے بڑے رہنما ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے!

وہ زندگی کیا ہوئی جس میں گرہیں نہ پڑیں اب ۱۹۴۷ء کے موجودہ فسادات میں جامعہ مشکلات کے تیسرے دور میں داخل ہوئی ہے یہاں روپئے پیسوں سے بڑھ کر جانوں کے ضائع جانے کا اندیشہ تھا۔ زندہ وہی رہ سکتا ہے جو موت کا مقابلہ کرے۔ چنانچہ ذاکر صاحب

کا غیر معمولی عزم یہاں بھی آڑے آیا انھوں نے ساتھیوں کو جمع کر کے
وہ تاریخی تقریر کی جو میں اس باب کے شروع میں درج کر چکا ہوں
اب کیفیت یہ ہے کہ ہم لوگ ڈٹے ہوئے ہیں تبادلہ آبادی کی وجہ
سے ہمدردان جامعہ کا نظام درہم برہم ہو گیا ہے یکم جنوری ۱۹۴۸ء
سے جامعہ کے کھلنے کا اعلان کر دیا ہے۔ مگر اس سال لڑکے کم آئیں گے
کہ سرپرستوں نے اپنے صوبوں میں بچوں کو داخل کرا دیا ہے لیکن
سرپرستوں نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ وہ آئندہ سال بچوں کو بھیجیں گے
یوں جامعہ کا کام دوبارہ چل پڑے گا۔ انشاء اللہ میں نے ۱۹۳۵ء
کی آپ بیتی میں جامعہ کے بارے میں لکھا تھا:۔

"وہ جامعہ جہاں سے نئی پود تیار ہو کر سارے ہندوستان (بشمول
پاکستان) میں پھیلے گی، بڑھے گی، تناور درخت کی طرح جہاں ایک
طرف پھل دے گی تو دوسری طرف حادثات کا مقابلہ کرتے ہوئے
ثابت قدم رہے گی۔ مگر اپنے اصولوں کو ہاتھ سے نہ جانے دے گی
وہ اصول کیا ہیں ایک مسلمان کی حیثیت سے صحیح راستے پر چلنا
ارادے، فکر اور عمل کی آزادی، آزاد ہندوستان میں ہندو
مسلمان کا مل جل کر رہنا ہاں ان اصولوں کی عمارت کا پہلا معمار
(عمارت سے مراد جامعہ نگر کی بستی ہے) ذاکر حسین ہے۔ اس
معمار کو فخر ہے کہ اس کے ساتھی سرکاری ذہنیت سے الگ ایک
خاندانی خیال رکھتے ہیں۔ اس لئے جامعہ کے لوگوں کے کاموں

کا حساب کتاب ہی دوسرے انداز پر ہے"

(ایک معلم کی زندگی صفحہ ۱۵۰)

بے شک جامعہ والے حادثات کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جگہ ثابت قدم ہیں

۵۔ فسادات میں دہلی اور پنجاب کا نقصان

جیسا کہ میں نے ۱۷ ستمبر کے روزنامچے میں لکھا تھا، فسادات تو اوائل ستمبر میں شروع ہو کر وسط ستمبر میں بند ہو گئے تھے لیکن اس کے اثرات کام کر رہے تھے۔ وسط اکتوبر میں دہلی کے نقصان کا جو اندازہ لگایا گیا ہے وہ اس طرح ہے:-

" دہلی میں فسادات کی وجہ سے جو جانی نقصان ہوا اگرچہ سرکاری حلقوں کے بیان کے مطابق ایک ہزار انسان ہلاک ہوئے مگر اس کا صحیح اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ دہلی جیسے مرکزی تجارتی شہر میں تمام نظام بگڑ گیا تجارت بند ہو گئی اور نارمل زندگی پر جیسے فالج گر گیا ہو اگر ہم تمام کرفیو کے اوقات کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ۴۹۰ گھنٹوں یعنی ۲۹ دن کے لئے کرفیو لگ چکا ہے۔ دہلی نواسیوں کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا۔ تقریباً ایک لاکھ بیاسی ہزار ایک سو اشخاص تیس ہزار گھر اور دکانیں اس فساد کے دنوں میں چھوڑ کر رفیوجی کیمپوں میں چلے گئے جن میں سے ایک لاکھ اشخاص پاکستان کے لئے روانہ ہو چکے ہیں اور باقی ماندہ آہستہ آہستہ اپنے گھروں کو لوٹ رہے ہیں۔ دہلی راشننگ ڈیپارٹمنٹ کو خوراک مہیا کرنے کے لئے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ انھیں ان رفیوجی کیمپوں کے

علاوہ بھی پنجاب کے آئے ہوئے ایک لاکھ چھیاسٹھ ہزار ہندو اور سکھ شرنارتھیوں کو بھی خوراک دینا پڑی۔ فسادات کے دنوں میں تقریبًا دو ہزار تین سو اشخاص پکڑے گئے اور دو گاؤں پر اجتماعی جرمانہ ہوا اور دس ہزار گیلن سے زیادہ پٹرول خرچ ہوا

شہر میں اتنے عرصے تک جو گڑبڑ رہی اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں میں پولیس کے کافی افسر اور کانسٹیبل چلے گئے اور کچھ فسادات کے دنوں میں پولیس اسٹیشن سے مفرور ہو گئے اس لئے انتظام کے لئے پولیس کم ہو گئی لیکن پھر بھی لوگوں کے سہیوگ سے حکومت نے جلد اس آگ پر قابو پا لیا۔ دہلی پراونشل کانگرس کمیٹی سٹوڈینس کانگریس سٹوڈینس فیڈریشن نے بھی ہاتھ بٹایا×

سونے اور چاندی کے داموں میں بھی کافی کمی ہو گئی کیونکہ پنجاب میں شرنارتھیوں نے اپنا سونا اور چاندی بیچنا شروع کر دیا ہے اور سندھ کے شرنارتھیوں نے بھی بمبئی میں ساورن کی قیمت تہتر روپئے آٹھ آنے سے تریسٹھ روپئے پر آ گئی ہے۔ سونے کی قیمت ایک سو دس روپیہ بارہ آنے سے ستانوے روپئے تک ہو گئی

کارخانوں کو بھی بہت نقصان ہوا۔ چند ہفتوں تک کارخانے بند رہے چالیس ہزار مزدور جنھیں گھنٹوں کے حساب سے مزدوری دی جاتی ہے۔ بیکار ہو گئے۔ ان میں بڑی تعداد دہلی چھوڑ گئے

× جمعیۃ علما اور احرار کا ذکر اگلے صفحے پر ہے

اور ابھی تک واپس نہیں ہوئے۔ ان کے علاوہ کارخانوں کے گودام مال سے بھرے پڑے ہیں لیکن مال گاڑیاں نہ چلنے کی وجہ سے پوربی پنجاب یا دیگر علاقوں میں مال نہیں بھیجا جا سکتا۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہی حالت کچھ دیر اور رہی تو ہزاروں مزدور بے کار ہو جائیں گے اور بھوک اور افلاس اپنا تسلط جمائے گا۔ دہلی میونسپل کمیٹی کو بھی بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کی آمدنی گیارہ لاکھ جو اگست دسمبر میں ہوتی اب صرف چار لاکھ رہ گئی ہے۔ تقریباً پندرہ روز تک تمام محصول کی چوکیاں بند رہیں، دوسرے قسم کے ٹیکس بھی نہیں لئے جا سکے کیونکہ ملازم اپنی ڈیوٹیوں پر جاتے ہوئے گھبراتے تھے۔ ٹاؤن ہال کی بلڈنگ کو ایمرجنسی کمیٹی نے لے لیا تھا اس لئے کمیٹی کی میٹنگ ہفتوں تک نہ ہو سکی سب سے زیادہ مشکل بیچارے ان پرامن شہریوں کو ہوئی۔ جنس اشیاء کی قیمتیں بڑھ جانے کی وجہ سے کافی دقتیں اٹھانی پڑیں۔ کافی راشن کی دکانیں ایک لمبے عرصے تک بند رہیں۔ دودھ بالکل عنقا تھا جس سے بیماروں کو حاملہ عورتوں اور بچوں کو سخت تکلیف ہوئی اس کے علاوہ اسکول اور کالج کافی عرصہ تک بند رہے جس سے پڑھائی میں کافی ہرج ہوا۔ فیڈریشن سوشلسٹ پارٹی کیمونسٹ پارٹی، احرار اور جمعیۃ العلماء نے جس سرگرمی سے اس بدامنی کو دبانے میں حصہ لیا اس سے

حکومت کے ہاتھ اور بھی مضبوط ہو گئے۔ اسپیشل پولیس نے اور اسپیشل مجسٹریٹوں نے جس جانفشانی سے کام کیا وہ بھی قابل تعریف ہے۔ اس کے علاوہ یو ٹی سی آفیسر اور بوائے اسکاؤٹ نے بھی حکومت کی کافی مدد کی انھوں نے شہر کے گلی کوچوں میں سے لاشوں کو اٹھایا اور اپنی نگرانی میں انھوں نے خوراک کو راشن کی دکانوں تک پہنچایا۔ اس آگ سے دہلی کے اسٹاک ایکسچینج کو بھی کافی نقصان پہنچا۔ ہندوستانی لوہے کا حصہ جس کی قیمت پہلے ۳۰ روپیہ تھی اب ۲۸ روپیہ یعنی ۲۵ فیصدی کم ہو گئی" (اخبار تیج دہلی مورخہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

جہاں تک چیزوں کے بھاؤ کا تعلق ہے وہ اس طرح ہیں۔

"سبزیوں کی گرانی نے عوام کو پریشان کر دیا ہے۔ آلو ایک روپیہ سیر، ادرک روپیہ سیر، پیاز ڈھائی روپیہ سیر، لہسن ڈیڑھ روپیہ سیر پالک، شلجم، چقندر، بینگن، گھیا، ٹنڈے، تری آٹھ آنے سیر بھنڈیاں روپیہ سیر فروخت ہو رہی ہیں۔ گوبھی کا پھول چار آنے سے لے کر ایک روپیہ تک۔ انڈا تین آنے سے چار آنے تک ڈبل روٹی چھ آنے کی مرغی چار روپیہ سے چھ روپیہ تک، ٹماٹر دو روپیہ سیر

کوئلہ بڑی دقت سے ملتا ہے۔ بلیک مارکٹ سے آٹھ دس روپیہ من آسانی سے مل جاتا ہے۔ بازار میں چپاتی

تین تولہ کی دو آنے کی ایک ملتی ہے۔ عام طور پر روٹی ایک روپیہ سیر فروخت ہو رہی ہے۔ بازار میں معمولی کھانا کھانے والوں کا پیٹ ایک روپیہ سے لے کر ڈیڑھ روپیہ تک میں بھرتا ہے۔

دودھ میں پانی زیادہ ملایا جا رہا ہے اور دس آنے سیر کچا، چودہ آنے سیر پکا فروخت ہو رہا ہے۔ دہی چودہ آنے اور ایک روپیہ سیر فروخت ہو رہا ہے۔ مٹھائی چار روپیہ سیر اور نمکین چیزیں چار اور پانچ روپیہ سیر فروخت ہو رہی ہیں۔

شہر سے بے شمار مسلمان پاکستان جا رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے بکری کا گوشت چھ آنے سیر سے ایک روپیہ سیر تک فروخت ہو رہا ہے۔ بہت سے محلوں میں آج گوشت آٹھ آنے لگا کر چھ آنے سیر فروخت ہوا۔ بڑا گوشت بیچنے والے قصابوں نے بھی چھوٹا گوشت فروخت کیا۔ شہر میں اب بڑا گوشت قطعی نہیں ملتا۔ انگریز بھی اب چھوٹا ہی گوشت کھانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ مچھلی بنگالیوں کو کسی قیمت پر دستیاب نہیں ہوتی۔ دالوں کی قیمت میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ عام طور پر دالیں ایک روپیہ سیر فروخت ہو رہی ہیں۔ (اخبار انجام دہلی مورخہ ۱۵ نومبر ۱۹۴۷ء)

جو لوگ پاکستان جا رہے ہیں وہ کوڑیوں کے مول اپنا سامان فروخت کر رہے ہیں۔ ایک طرح سے اسے بھی نقصان ہی میں شمار کرنا چاہئے۔ چند چیزوں کی قیمت فروخت یہ ہے:۔

" سائیکل دس پندرہ روپئے میں ، سنگر مشین ۶۰ روپئے میں ۔ ریڈیو ۳۰ سے ۵۰ روپیوں تک ۔ تانگے گھوڑے پچاس پچاس روپئے میں تانبے کے برتن ۸ سیر سونے کے زیورمیں روپیہ تولہ چینی کے کوڑیوں کے مول ۔ فرنیچر ٹکے سیر ۔ (پیام دہلی مورخہ ۱۵ اکتوبر ۴۷ء)

گاندھی جی نے پنڈت سندرلال کو اپنا خاص ایلچی بناکر پنجاب کے دورے پر روانہ کیا تھا تاکہ سب کچھ اپنی آنکھ سے دیکھ کر صحیح تاثرات قلبند کریں اور گاندھی جی کو ان کے بارے میں کارروائی کرنے میں سہولت ہو چنانچہ پنڈت جی نے ایک غیرجانبدار مبصر کی حیثیت سے اپنے تاثرات اخبارات میں شائع کئے ہیں ، ان کے اقتباسات مناسب موقعوں پر درج کرتا رہوں گا۔ یہاں وہ حصہ سنئے جو فسادات میں پنجاب کے نقصان سے متعلق ہے ۔

" پنجاب کے فرقہ وارانہ فسادات و مظالم کے حالات جن کی بدولت لاکھوں انسانوں کی آبادیاں اپنے جدی مکانوں کو چھوڑنے پر مجبور ہوئیں اور جو مصائب اور تکالیف ان کو برداشت کرنا پڑی ہیں ان کے قصے تمام ملک میں پھیل چکے ہیں ۔ فریقین کے اخبارات ان کو بڑے پیمانے پر شائع کرتے رہتے ہیں ۔ ان قصوں کے فطری اثرات اچھے اور برے ملک پر پڑ چکے ہیں لیکن زیادہ اثرات خراب ہی پڑے ہیں ۔ بعض اوقات یہ قصے نہایت مبالغہ کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اور بالعموم یہ یک طرفہ پہلو لئے ہوئے ہوتے ہیں تاہم یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جو کچھ قصے بیان کئے گئے

ہیں۔ اصلی واقعات ان سے بھی زیادہ تاریک ہیں۔ یہ تمام معاملہ درجہ غیر معمولی ہے کہ فی الواقع کوئی شخص بھی آنکھ سے دیکھے بغیر ان چیزوں کا تصور نہیں کر سکتا

گزشتہ اکتوبر میں مشرقی اور مغربی پنجاب میں میں نے دو ہزار میل سے زیادہ کا سفر کیا۔ میں حدود صوبہ سرحد، کشمیر اور بہت سی ریاستوں کی سرحد تک گیا۔ کچھ سفر ریل سے کچھ ہوائی جہاز سے کچھ موٹر سے اور کچھ ملٹری گاڑیوں سے کیا مجھے تیس تیس اور چالیس چالیس ہزار کے قافلوں میں گذرنے کا اتفاق ہوا۔ کچھ ان میں مسلمانوں کے قافلے تھے جو جانب غرب جا رہے تھے اور دوسرے ہندوؤں اور سکھوں کے تھے جو مشرق کی جانب جا رہے تھے۔ ان پناہ گزینوں میں سے میں نے بہت سے لوگوں سے بات چیت کی۔ میں نے پناہ گزینوں کے کیمپوں میں قیام کر کے بھی دیکھا۔ مجھے ان لوگوں کو جمع کرنے اور ان سے تبادلۂ خیالات کرنے کا بھی اتفاق ہوا۔ جو اب تک اپنے مواضعات میں رُکے ہوئے ہیں۔ اس موقع پر ایسے انفرادی قصوں کا بیان کرنا بے کار ہوگا کہ جن سے کتابیں بھری جا سکتی ہیں۔ یہاں پر صرف یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ سب چیزوں کو اپنی آنکھ سے دیکھنے اور حکام ضلع دہردو ڈومینینوں کے جو افسران جو ایک دوسری

ڈومینین میں کام کر رہے ہیں۔ شرقی اور غربی پنجاب کے اور سنٹرل پاکستان کے وزرا سے گفتگو کرنے کے بعد میرا اندازہ یہ ہے کہ ہر دو جانب مقتولین کی تعداد پانچ لاکھ ہوگی۔ مال ومتاع کا نقصان چند ارب روپیوں کا ہوگا۔ اغوا شدہ عورتوں کی تعداد پچیس ہزار کے قریب ہوگی اور جن لوگوں کو زبردستی تبدیل مذہب پر مجبور کیا گیا ان کی تعداد اس سے زیادہ ہوگی

اقتصادی تباہی اور نقصانات عظیم کا اندازہ کرنے کے لئے میں لاہور شہر گیا جس کے چاروں طرف فصیل ہے اور جو ابھی کچھ دنوں پہلے نہایت خوش حال خطہ تھا۔ اور جہاں کی آبادی بہت گھنی تھی۔ اس خطہ میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی آبادی قریب قریب برابر تھی۔ مسلمانوں کی اکثریت بمشکل بہ قدر ایک فی صدی کے ہوگی۔ شہری کاروبار زیادہ تر ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا۔ آج کم از کم دو تہائی لاہور محض کھنڈر ہے۔ جب میں لاہور کے تباہ شدہ علاقے سے گذرا تو میری آنکھوں کے سامنے مظفر پور اور مونگیر کا وہ منظر آگیا جو ۱۹۳۴ء کے زلزلے کے بعد ہوا تھا۔ لاہور میں ہندوؤں نے مسلمانوں اور مسلمانوں نے ہندوؤں کے مکانوں کو آگ لگائی۔ اور گرا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج

پنجاب کا صدیوں کا دارالسلطنت تباہ و برباد ہے
میں امرتسر کی گلیوں اور بازاروں میں گھوما ۔ امرتسر کی
حالت لاہور سے بھی زیادہ خراب ہے ۔ لاہور میں تو کہیں
کہیں ہندو بھی نظر آجاتے تھے ۔ اگرچہ وہ زیادہ تر شل قیدی
کے تھے اور ان کے لئے گلیوں میں نکلنا خطرے سے خالی نہ
تھا کوئی کوئی ہندو کی دوکان بھی کھلی دکھائی دیتی تھی اور
کچھ مغربی پنجاب کے حکام کھلوا رہے تھے ۔ لیکن امرتسر میں
تو کوئی مسلمان نام کو بھی نہ تھا ۔ سوائے مغربی پنجاب کے افسر
کے جو وہاں تعینات تھا اور اس کے چند ملازم جو قریب
قریب اپنے مکان کے احاطے میں شل قیدی کے تھے ۔
امرتسر میونسپلٹی کے ایک بڑے افسر نے مجھے بتلایا کہ
چنگی کی آمدنی تقریباً ساڑھے چار لاکھ روپئے کی ہوتی تھی
امسال کل آمدنی کا تخمینہ پچیس تیس ہزار کا ہے ۔ امرتسر کو
قریب قریب تمام ہندو کاروباری لوگ بھی چھوڑ گئے اور
جو ہیں وہ چھوڑ رہے ہیں اور دہلی اور بمبئی جاکر آباد ہو رہے
ہیں ۔ اس لئے کہ وہ امرتسر کو کچھ تو اس وجہ سے غیر محفوظ
سمجھتے ہیں کہ وہ سرحد پر ہے اور اس وجہ سے کہ بدقسمتی سے
ہندوؤں اور سکھوں میں بھی کش مکش بڑھ رہی ہے ۔ ماہرین
کا خیال ہے کہ لاہور تو پھر بھی کاروباری اور تعلیمی مرکز بن

جائے گا لیکن اگر صورت حال بالکل ہی نہ بدل جائے تو امرتسر تو ہمیشہ کے لئے ایک سرحد، سکھوں کی چھاؤنی بن کر رہ جائے گا مغربی اور مشرقی پنجاب کے بہت سے دیگر مقامات اور مواضعات کی کم و بیش یہی حالت ہے جہاں دیکھئے گاؤں کے گاؤں غیر آباد پڑے ہیں۔ مکانات جلے پڑے ہیں۔ مویشیوں کے گلے جنگلوں میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ اور کوئی دیکھنے والا نہیں فصلیں کھڑی ہیں کوئی کاٹنے والا نہیں۔ تمام کاروبار تمام تجارت قریب قریب تباہ ہو چکی ہے اس لئے کہ اگر تجارت کا ایک شعبہ ایک قوم کے ہاتھ میں تھا تو دوسرا شعبہ دوسرے کے ہاتھ میں تھا۔ زندگی اس طرح گھلی ملی تھی کہ ایک کی تباہی کے بعد دوسرے کا تباہی سے بچنا مشکل تھا۔ لاہور کے ایک بازار میں مسلمان درزیوں نے مجھ سے کہا کہ ان کے بچے بھوک سے مر رہے ہیں۔ اس لئے کہ ہندو بزاز اور ہندو خریدار دونوں ختم ہو چکے ہیں۔

جو لوگ ، بچے عورتیں لمبی لمبی قطاروں میں قافلوں کی شکل میں سفر کرتے ہیں ان کے مصائب کا بیان کرنا ناممکن ہے۔ انتقال آبادی اور انخلا کاروبار بعینہ یہی صورت ہے کہ بڑے بڑے درختوں کو اس زمین سے جہاں انھوں نے پرورش پائی ہے جڑ سے اکھاڑ کر سینکڑوں میل کے فاصلے

پرلے جاکر دوبارہ لگایا جائے اور وہ بھی نہایت بھدی قسم کے طریقے سے۔ یہی نہیں کہ اس سفر میں بہت سے درخت مرجائیں گے بلکہ وہ بھی جو اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے۔ ان میں سے بھی بہت سی نئی آب و ہوا میں زندہ نہ رہ سکیں گے۔ پھر یہ بھی نہیں کہ جو درخت اکھاڑے جاتے ہیں وہ ہی خراب نہیں ہوتے بلکہ جو درخت باقی رہ جاتے ہیں ان کی بھی جڑیں ہل جاتی ہیں۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہر دو جانب مکمل تباہی اور بربادی ہی نظر آئے گی۔ آج کل مشرقی اور مغربی پنجاب کی کیفیت ہے۔ امرتسر اور لاہور کے درمیان بھی ہزاروں مٹی کے ڈھیر سڑک کے ہر دو جانب دیکھنے میں آتے ہیں دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ان پناہ گزینوں کی قبریں ہیں جو سفر میں انتقال کر گئے۔ غالباً یہ مٹی کے ڈھیر کسی ایک شخص کی قبر کے نہ تھے بلکہ ہر ایک ڈھیر میں کثیر التعداد مُردے دفن تھے۔ جب ایک چھوٹا سا قافلہ جو مغرب کی جانب سے دس گیارہ موٹر ٹھیلوں میں آتا ہوا لاہور پہنچا تو ہم لوگوں کو معلوم ہوا کہ ان موٹر ٹھیلوں میں جن میں ان گنت آدمی بھرے ہوئے تھے، پانچ عورتوں کے راستہ میں بچے پیدا ہوئے ان میں سے چار ماؤں نے اپنے چھوٹے بچوں کو کسی طرح بچالیا لیکن پانچویں کے متعلق یہ بھی پتہ نہ چل سکا کہ وہ راستہ

میں گر گیا یا ٹھیلے ہی میں کچل گیا۔ خوش قسمتی سے گنگا رام ہاسپٹل لاہور میں اب بھی تھوڑا بہت مختصر پیمانہ پر کام کر رہا ہے۔ یہ بائیس اور بچے فوراً ہسپتال بھیج دئے گئے۔

جب ہم لوگ امرتسر اور جالندھر کے درمیان دریائے بیاس کے بائیں کنارے موٹر سے سفر کر رہے تھے تو ہم کو راستہ میں ایک بڑا قطعہ آراضی ایسا ملا کہ جن پر بستر ے، ٹرنک اور دیگر سامان بکثرت بکھرا ہوا پڑا تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ تیس چالیس ہزار آدمیوں کا ایک قافلہ مشرق کی جانب سے آرہا تھا۔ اس قافلے نے اس جگہ قیام کیا۔ ان بدنصیبوں کو یہ نہ معلوم تھا کہ اس رقبہ میں بیاس اور دوسری ندی کا پانی آجاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طوفان کے پانی نے ہر فرد و بشر کو ختم کر دیا

انتقال آبادی کی کاروائی انسانیت کے ساتھ ایک گناہ عظیم ہے۔ شاید اس سے تاریک تر گناہ انسانی تاریخ میں نہ ہوا ہوگا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کا ذمہ دار کون ہے مجھے تو اکثر خیال آتا ہے کہ کم از کم ہمارے ایک درجن چوٹی کے لیڈر جن میں سب پارٹیوں کے لیڈر شامل ہونے چاہئیں اور نیز برطانوی قوم کے سیاسی لیڈروں پر ان جرم کا مقدمہ انھیں بنیادی گزینوں کے سیدھے اور غیر جانب دار

نمائندوں کی عدالت میں چلایا جانا چاہیئے جن پر ان مصیبتوں کا
پہاڑ ٹوٹا ہے

اب ذرا سوچیئے کہ جرائم کا سلسلہ کیسے شروع ہوا ہے
غیر جانبدار شخص یہ تسلیم کر چکا ہے کہ موجودہ مصائب کی ابتداء
مسلم لیگ کے ڈائرکٹ ایکشن کے دن یعنی ۱۶ راگست ۱۹۴۶ء
سے شروع ہوئی۔ معاملہ میں الجھن ڈالنے سے کوئی فائدہ نہیں
واقعات کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ہر شخص کو اپنے گناہ کا اقرار
کرنا چاہیئے۔ عام خیال ہے کہ کلکتہ میں جانی نقصان مسلمانوں کا زیادہ
ہوا اور مالی نقصان ہندوؤں کا زیادہ ہوا۔ مسلمانوں کو محسوس
ہوا کہ وہ مات کھا گئے اور شروع اکتوبر میں نواکھالی میں واقعات
شروع ہو گئے۔ نواکھالی کے واقعات کی ہندو پریس نے
بہت مبالغے کے ساتھ اشاعت کی۔ ان واقعات کا فطرتاً
ہندوؤں پر بہت برا اثر ہوا نتیجے میں بہار اور پھر گڑھ مکتیسر
کے واقعات ظہور پذیر ہوئے

لیکن ان سب چیزوں کا اثر پنجاب پر زیادہ پڑا۔ یونینسٹ
گورنمنٹ اس کے نقائص خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں اس نے
راشٹریہ سیوک سنگھ اور مسلم لیگ نیشنل گارڈز والوں پر
پابندیاں عائد کر رکھی تھیں اور کسی نہ کسی طرح اپنے صوبے کو
فرقہ وارانہ فساد سے بچائے رکھا

شروع مارچ ۱۹۴۷ء میں خضر حیات وزارت کو مستعفی ہونا پڑا برطانوی سلطنت کے لوگوں کو اپنے مقاصد کے حصول میں پنجاب کی پارٹی پالٹکس سے بہت مدد ملی۔ خضر حیات کے استعفے سے اگلے دن ہی ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے جلسہ ہوا جس میں انھوں نے عہد کیا کہ مسلم لیگ کو وزارت نہ بنانے دیں گے۔ اسی دن لاہور میں کچھ فساد ہوا اور چند مسلمان مقتول ہوئے۔ یہ فساد تین چار روز تک چلتا رہا اس کے بعد ایک ایسا ہی فساد امرتسر میں ہوا۔ اس کے بعد راولپنڈی، میانوالی، ملتان، ڈیرہ غازی خان اور سرحد کے دوسرے اضلاع میں سخت فسادات ہوئے کہا جاتا ہے کہ صوبہ سرحد کے کچھ مسلم رضاکار بہار گئے تھے اور وہاں سے کچھ مسلم مقتولین کی ہڈیاں لائے تھے۔ جن کے جلوس انھوں نے صوبہ سرحد کے قصبوں اور دیہاتوں میں دکھائے۔ اگرچہ راولپنڈی اور صوبہ سرحد کے اضلاع میں سخت فسادات ہوئے تاہم یہ ماننا پڑے گا کہ لاہور میں کچھ سکون رہا۔ وہاں پر نہ بہار کا نہ راولپنڈی کا اثر پڑا۔ وسط مئی کے قریب تقسیم پنجاب کے مباحثے نے انتہائی زور پکڑا امرتسر اور لاہور کے حالات دگرگوں ہوگئے۔ وجہ یہ تھی کہ ان دونوں شہروں میں ہر فرقہ ان شہروں کے حصول

سکا حد درجہ خواہشمند تھا۔ اس بات کی تحقیق کرنا کہ کس فریق کا جرم زیادہ سنگین تھا بے نتیجہ ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ امرتسر کے ایک فرقہ کے لوگ جب زیادہ پریشان ہوئے تو انھوں نے لاہور میں اپنے ہم مذہبوں کے پاس چوڑیاں اور مہندی بھیجی اس کے معنی صاف تھے فسادات بڑھتے گئے ۳ رجون کے اعلان نے آگ میں ایندھن کا اضافہ کردیا۔ لاہور میں فسادات ۳ رجون کو درجہ انتہائی پر پہنچ گئے جب کہ شاہ عالمی دروازے کے اندر محل نما تعمیرات سپرد آتش ہو گئے . . . .

. . . لاہور اور امرتسر میں فسادات بیک اوقات ہوئے ۲۱ رجون کو شاہ عالمی دروازہ کی آگ کے بعد ہندو لاہور سے بھاگنا شروع ہو گئے لیکن عام انتقال ۱۵ راگست کے بعد شروع ہوا۔ ۱۷ راگست کے باونڈری کمیشن کے فیصلے کے بعد سے لاہور تیزی کے ساتھ مسلمانوں کا اور امرتسر ہندوؤں کا شہر بننا شروع ہو گیا ہر دو شہروں میں اقلیت حد درجہ خوف زدہ ہو گئی

خون کھولا دینے والے مظالم کی داستانیں جن کے مرتکب ہر فرقہ کے افراد دوسرے فرقہ کے افراد پر ہوئے۔ ہزارہا برس سے سننے میں آتی ہیں۔ ان کے دوہرانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ بہر حال ان سب کا ایک نتیجہ بالکل صریح ہے۔ کوئی جرم ایسا نہ ہوگا جس کا مرتکب سکھ نہ ہوا ہو کوئی جرم ایسا نہ ہوگا

جس کا مرتکب مسلمان نہ ہوا ہو۔ کوئی جرم ایسا نہ ہوگا جس کا مرتکب ہندو نہ ہوا ہو

جب کبھی کوئی جھوٹی یا سچی خبر کسی فریق کو دوسرے فریق کی طرف سے پہنچی تو اسی فریق نے اس کا بدلہ دوسرے فریق کے افراد سے اپنے علاقے میں بدتر طریقہ پر لینا شروع کیا اور یہ چکر درچکر نہایت زوروں سے چلنے لگا اور یہ ظاہر ہونے لگا کہ فطرت انسانی کس حد تک گر سکتی ہے اور یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ اصل فطرت انسانی پر ظاہری مذہب کے لیبل سے کوئی فرق نہیں پڑا۔"

بیان کے ایک اور حصہ میں پنڈت جی فرماتے ہیں :-

" اس معاملے میں ایک اور پہلو بھی قابل توجہ ہے ان فسادات میں برطانیہ کا حصہ بھی کچھ کم نہیں ہے، میرا یقین ہے کہ کسی غیر جانبدار عدالت کے سامنے یہ ثابت کرنے میں کوئی دقت نہ ہوگی کہ اسلحہ اور گولی بارود کا زیادہ تر ذخیرہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

جو مشرقی پنجاب میں اور ریاستوں میں ہندوؤں اور سکھوں نے استعمال کیا یا جو مغربی پنجاب اور سرحد میں مسلمانوں نے استعمال کیا یا جو ذخیرہ ان اغراض میں استعمال کیا جانے والا تھا وہ ذمہ دار برطانوی افسروں کی معرفت آیا۔ لائل پور کے مسلم ڈپٹی کمشنر نے وہاں کے ہندو چیرمین میونسپل بورڈ سے کہا کہ اگر اس ضلع سے برطانوی افسر کو ہٹا دیا جائے تو پھر ایک ہندو

یا سکھ بھی نہ نکلے گا۔

راولپنڈی کے تمام ہندو اور مسلمانوں کی قریب قریب سب کی یہ رائے تھی کہ وہاں کے مارچ کے فسادات کے انگریز ڈپٹی کمشنر اور انگریز ہوم سکرٹری براہ راست ذمہ دار تھے۔ مشرقی پنجاب کے ایک ضلع میں جب ہندوؤں نے یہ طے کر لیا کہ اقلیت کے لوگوں کو نہ ستایا جائے گا تو ایک برطانوی فوجی افسر نے آگ کو دوبارہ سلگانے کی غرض سے طویل سفر کار میں کیا راستہ میں لوگوں پر گولیاں چلائیں اور ہلاک کیا۔ ایک دوسرے ضلع میں جب ایک فرقہ کے لوگ پاس کی چھاؤنی میں فوجی امداد حاصل کرنے کے لئے کمانڈر کے پاس گئے تو اس برطانوی کمانڈر نے ان لوگوں سے کہا کہ ان کو برطانوی گورنمنٹ سے درخواست کرنی چاہئے کہ ملک کے انتظامات کا پھر چارج لے لے اور اس درخواست پر زیادہ سے زیادہ ہندوستانی لوگوں کے دستخط کرائے جائیں اور اس مقصد کے لئے ایک فہرست بھی کھول دی گئی لیکن بعد میں اس خیال کو ترک کیا گیا۔ خود لائل پور میں جولائی ۱۹۴۷ء کے آخر میں ایک برطانوی فوجی افسر نے مسلم افسر سے کہا کہ "تمہارا خیال ہے کہ ہم ہندوستان سے جا رہے ہیں نہیں ہم ملایا میں چھپ جائیں گے اور جب یہاں کے حالات خراب ہو جائیں گے تو واپس آجائیں گے اس قسم کی مثالیں بکثرت دی جاتی ہیں اور اس سے بھی خراب قسم کی

مثالیں موجود ہیں ۔ با اختیار برطانوی افسران نے اپنے سامان کو فسادات کی آگ لگانے اور جگہ جگہ پہنچانے ہی میں نہیں بلکہ اس کو مسلسل جاری رکھنے میں استعمال کیا۔ ہم کو شرم کے ساتھ اس امر کا اقبال کرنا پڑتا ہے کہ ہم تو بُرے ہی سہی لیکن یقیناً نہ ہندو اور نہ مسلمان نہ سکھ اتنا بُرا ہے جتنا کہ وہ اپنے فریق مخالف کو دکھائی دیتا ہے ۔" (قومی آواز لکھنؤ ۳۰ر نومبر ۱۹۴۷ء)

یونائیٹڈ پریس آف امریکہ کے سٹاف نامہ نگار مسٹر جمر بچلز نے جو صوبہ سرحد کا دورہ کرکے واپس آئے ہیں ایک مضمون میں لکھا ہے :-

"پشاور شہر کی زندگی میں جنگ کا پہلو نمایاں ہو گیا ہے تمام موٹر کا نداروں اور ٹھیکیداروں کے نکل جانے اور پاکستان کی ریلوے اور موٹر ٹرانسپورٹ کا نظام درہم برہم ہو جانے کی وجہ سے صوبہ سرحد کی اقتصادی بنیادیں ہل گئی ہیں ، گندم کے بھاؤ بہت تیزی سے بڑھ رہے ہیں ۔ کھانڈ مارکیٹ سے غائب ہو گئی ہے اور نمک کی بھی کمی ہے ۔ البتہ پھل سستے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ موٹر گاڑیوں کا نظام ٹوٹ جانے کی وجہ سے پھل باہر نہیں جا سکتے ۔ سرکاری حلقے خوراک کی قلت کی وجہ ٹرانسپورٹ کی کمی بتاتے ہیں جبکہ عام لوگ گورنمنٹ پر نااہلیت اور چور بازاری کا الزام لگاتے ہیں "

ڈاکٹر خان صاحب نے مجھے بتایا کہ چارسدہ کے علاقہ

کے دیہات میں جہاں گندم کی بہت زیادہ پیداوار ہوتی ہے
لوگوں کو پیٹ بھر کھانا نصیب نہیں ہوتا۔ گندم ایک روپیہ
سیر تک رہا ہے اور کھانڈ کا تو نشان تک نہیں۔ بنوں میں
فاقہ کشی اور قحط تک نوبت پہنچ گئی ہے۔ پشاور کا مشہور ڈین
ہوٹل جہاں ٹھہرنے کے لئے جگہ نہیں ملتی تھی خالی پڑا ہے۔ ایک
روز ۵۲ کمروں میں سے صرف ۱۴ کمروں میں لوگ ٹھہرے
ہوئے تھے جس سے صاف ظاہر ہے کہ باہر کے بیوپاری آنے
کم ہو گئے۔

چوک یادگار میں کابلی سودخواروں نے اڈے قائم کر لئے
ہیں۔ وہ پرانے ایکسچیج میں بیٹھ کر افغان اور پاکستان سکوں کا تبادلہ
کرتے ہیں لیکن بنک بالکل بند ہیں۔ لائیڈز اور امپیریل بنک
کھلے ہیں مگر اشاف کی کمی سے رکاوٹ بنی ہوئی ہے زری کا کام
کرنے والے بیکار ہیں۔ کیونکہ ہندوستان سے زری کے آڈر
آنے بند ہو گئے ہیں اس بدحالی کا اثر افغانستان پر بھی پڑ رہا
ہے کیونکہ افغانستان کو گندم اور پٹرول نہیں پہنچ رہا ہے
نتیجہ میں افغانستان کا ٹرانسپورٹ سسٹم ٹوٹ گیا ہے۔
پشاور میں رونق پہلے کی طرح ہے۔ برقعہ پوش عورتیں اور
دہشت ناک لوگ چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ مگر کاروبار بالکل
بند ہے اور غریب لوگ سخت مصیبت میں ہیں۔

"پاکستان کے صوبائی نمائندوں کی کانفرنس میں جو اگلے روز منعقد ہوئی۔ ہر صوبے اور ریاست میں بنکوں کی کارگزاری پر غور کیا گیا۔ پاکستان سرکار کے بینکنگ کے صلاح کار مسٹر بیڈنلٹس نے بتایا کہ ابھی پنجاب اور صوبہ سرحد میں بنکوں کی پوزیشن تسلی بخش نہیں۔ کیونکہ تربیت یافتہ سٹاف کی سخت کمی ہے۔ اس مقصد کے لئے جو خاص اسٹاف بھرتی کیا گیا ہے انھیں ٹریننگ دینے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ جب تک سٹاف ٹرینڈ نہیں ہو جاتا بنک ہفتہ میں تین چار روز کام کریں گے۔"

(تیج دہلی، ۷ دسمبر ۴۷ء)

۶۔ ہندوستان میں امن کے لئے کوششیں

ہندوستان میں امن قائم کرنے اور اسے قائم رکھنے کا سہرا سب سے زیادہ گاندھی جی کے سر ہے۔ آپ کی کوششیں انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے جاری ہیں۔ دن میں حکومت ہند کے وزرا، لیڈروں اور عام لوگوں سے فرداً فرداً مل کر امن قائم رکھنے کے لئے ٹھوس تجاویز پیش کرتے ہیں کیمپوں کا دورہ کرتے ہیں۔ شام کی عبادت میں روزانہ حالات حاضرہ کے مطابق لوگوں کو امن کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ جب وہ "بھائیو، بہنو" کے خطاب سے اپنی بات شروع کرتے ہیں تو ان کے لب و لہجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس دل کی بات کا یقین دلانے کے لئے خلوص اور سچائی کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ لوگ ان کے متعلق کیا خیال کرتے ہیں۔ اس کی انھیں پرواہ نہیں ہے۔ ذیل میں مہاتما جی کی وہ تقریر درج کرتا ہوں جو انھوں نے جامع مسجد میں جاکر وہاں کے پناہ گزینوں سے بات چیت کرنے کے بعد شام کی عبادت میں کی تھی

"آپ لوگ اس وقت بے چین بیٹھے ہیں دلوں میں چین ہے یا نہیں آپ جانیں یا خدا لیکن میرے دل میں بے چینی ہے آج سے پندرہ سال پہلے جب میں دہلی آیا تو آچاریہ سرشیش چندر سے ملا تھا وہ بنگالی تھے مگر انھیں ہندوستانی ہونے پر فخر تھا انھوں نے

کہا دہلی کے بادشاہ انگریز نہیں ہیں، حکیم اجمل خاں صاحب ہیں
حکیم صاحب بڑے جید ماہر حکیم تھے ان کے پاس نہ صرف ہزاروں
مسلمان آتے تھے بلکہ ہزاروں ہندو بھی آتے تھے۔ وہ مالدار سے
جو کچھ لیتے تھے، غریبوں کو دیدیتے تھے۔ ہندو بھی انھیں دہلی
کا سردار سمجھتے تھے کیونکہ یہ دونوں کی خدمت کرتے تھے

میں ڈاکٹر انصاری کے ہاں رہا کرتا تھا۔ مگر آج ان کے
گھر والے ہندوؤں سے ڈر رہے ہیں۔ وہ آج کل ہوٹل میں
رہتے ہیں۔ آخر ہم ایسے پاگل ہندو اور سکھ کیوں ہیں!! میں جب
ہندو اور سکھوں کے کیمپ میں گیا تو بہت سوں کی آنکھوں میں
غصہ تھا لیکن بہت سوں کی آنکھ میں محبت بھی تھی۔ ہندو مسلمان
سب ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں میں کس شاخ کو پسند کروں
کس کو ناپسند! . . .

میں پرانے قلعے میں گیا تھا۔ کچھ لوگ پاکستان جانا چاہتے ہیں۔
کیا وہ جنت ہے کیا ہندوستان دوزخ ہے! . . . . . !
دونوں نہ جنت ہیں نہ دوزخ، بلکہ ہمارا عمل ہمارے ملکوں کو
دوزخ یا جنت بنائے گا۔ میں بعض دفعہ سوچتا ہوں کہ ہندو
کو کس طرح سمجھاؤں، مسلمان کو کس طرح سمجھاؤں دونوں دکھی ہیں
ہم سب کے لئے شرم کی بات ہے جو لوگ میری آواز سن
رہے ہیں سن لیں کہ یہ دہلی آپ کی بڑی شاندار دہلی ہے۔ یہ ہندو

مسلمان سبھوں کی دہلی ہے۔ مغل بادشاہ اگرچہ باہر سے آئے لیکن
سب ہندوستانی بن گئے۔ پہلے پہل کچھ کچھ لڑائیاں ہوئی تھیں
لیکن محبت غالب تھی۔ آج جواہر اور سردار کا سر شرم سے
نیچا ہے، ان لوگوں کے پاس خدائی طاقت نہیں ہے اور اس
وقت تو دنیا دی طاقت بھی نہیں ہے جب حکومت ہند مضبوط
ہوجائے گی تو پھر ان کے ہاتھوں میں طاقت آئے گی اس وقت
تو آپ ہی ان کی طاقت ہیں۔ بعض دفعہ میں خدا سے کہتا ہوں
کہ اس حالت کو دیکھنے کی بجائے اچھا تو یہ ہے کہ تو مجھے اٹھا
لے ورنہ دہلی کو پھر سے آباد کردے۔ ہندو کہتے ہیں کہ سارے
چار کروڑ مسلمان پاکستان کے جاسوس ہیں۔ یہ جھوٹ ہے اگر
ایسا ہو تو وہ اسلام کو نقصان پہنچائیں گے۔ میں بہت سے
مسلمانوں سے ملتا ہوں، ان کی باتوں پر اعتماد ہے حکومتوں
کو آپس میں لڑنے دو ہم رعایا آپس میں کیوں لڑیں۔ حکومتیں
جانیں اور ان کا کام۔ مسلمان ہمارے بھائی ہیں وہ ہندوستان
میں رہیں گے پاکستان کی حکومت کو ایسا انتظام کرنا چاہیے
کہ پنجاب میں ایک بھی ہندو لڑکی رہ جائے تو اسے کوئی بھی
ہاتھ نہ لگا سکے۔ میں یہی بات جواہر سے کہتا ہوں۔ انھیں
اور ان کے ساتھیوں کو چاہیے کہ امن قائم کرنے کے لئے
اپنی جانیں دے دیں۔ میں ہندو مسلمان سکھوں میں سے کسی

کے گناہ کو چھپانا نہیں چاہتا۔ ایک انگریزی اخبار نے آصف علی پر الزامات لگائے ہیں کہ انھیں آج کل دہلی اس لئے بلایا گیا ہے کہ انھوں نے حکومت سے بے وفائی کی اور پاکستان کی حمایت کی۔ آخر اس بارے میں اخبار والے نے جواہر لال سے کیوں نہیں پوچھا۔ وہ تو دو مہینوں سے یہاں ضروری کاموں سے آنا چاہتے تھے۔ جواہر لال نے بلایا، وہ مولانا ابوالکلام کے دوست ہیں مولانا آپ کے دوست ہیں، آپ ان باتوں کا خیال کیوں نہیں کرتے۔ مسلمانوں پر بے جا الزام نہ لگاؤ۔ مسلمان حکومت ہند کے وفادار ہیں۔

مسلمانوں کا بھی فرض ہے کہ وہ الزاموں کی تردید کریں۔

(۱۳ ستمبر ۱۹۴۷ء کے ریڈیو نشر سے نقل کی گئی)

ہندوستان میں امن قائم رکھنے کی بڑی ذمہ داری حکومت ہند پر آتی ہے جب دہلی میں فسادات شروع ہوئے تو مرکزی وزارت نے فوراً ہی اقدامات شروع کئے پہلے تو چند وزیروں کی ایمرجنسی کونسل بنائی پھر صنعت و حرفت کے وزیر سی۔ایچ بھابھا کی صدارت میں ایمرجنسی کمیٹی قائم کر کے اس کا دفتر شہر کے بیچوں بیچ ٹاؤن ہال میں کھلوا دیا۔ یہاں ایک کنٹرول روم بھی قائم کر دیا گیا جہاں سے فوج اور پولیس کو ہدایت دے کر شہر کے مختلف محلوں میں بھیج دیا جاتا تھا۔ اسی کنٹرول روم میں لوگوں کی شکایات سنی جاتیں اور اس کے مطابق کارروائی ہوتی، ایمرجنسی کمیٹی

کے جلسے روزانہ ہوتے تھے جن میں تازہ صورت حال پر غور کرکے کارروائی کی جاتی تھی اسی مشنری کے صدر اعلیٰ یعنی وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے شہر میں گھوم پھر کر پولس اور فوج کو ہدایات دیں، اپنی شخصیت سے کام لیا، جلسوں میں شرکت کی، تقریروں کے ذریعے لوگوں کو راہ راست دکھائی۔ ۹ ستمبر ۴۷ء کو آل انڈیا ریڈیو سے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:-

"میں نے مشرقی اور مغربی پنجاب کا چکر لگایا، میں نے یہاں جو کچھ دیکھا اور سنا اس سے میرے دل کو سخت چوٹ لگی۔ پنجاب اور دہلی کے چند دنوں کے بھیانک واقعات دیکھ کر میرا دل سخت حیران اور پریشان ہے۔ شاید اس وقت ہر شخص کی یہی کیفیت ہو۔ بہر صورت اب خواہ کیسے ہی بھیانک واقعات پیش آئیں ہم کو ان کا سامنا کرنا ہوگا۔ ان کے مقابلے کے لئے تیاری کرنا ہوگی اور بالآخران پر فتح پانی ہوگی۔ ہم کو اب ایک ایسی جماعت منظم کرنی ہے جو ان تمام مشکلات پر قابو پا سکے۔ ہم نے اس جماعت کی تشکیل کے لئے بہت کچھ کر لیا ہے

مشرقی پنجاب اور دیگر مقامات میں جو پناہ گزیں آئے ہیں ہم نے ان کے لئے بڑے بڑے کیمپ ڈال دئے ہیں مشرقی پنجاب سے جو لوگ جانا چاہتے تھے ہم نے ان کے جانے کے لئے انتظامات بھی کر دئے ہیں۔ ہم نے یہ سب کچھ

کیا اس میں ہمیں بڑی حد تک کامیابی ہوئی۔ حالات نے ہم کو پرکھا
تبادلہ آبادی کے لئے مجبور کر دیا!

اس کے بعد دیگر واقعات ظہور میں آئے۔ ہنگامے مشرقی پنجاب کے جنوبی اضلاع اور دہلی تک پھیل گئے۔ دہلی بھی اس کی لپیٹ میں آئی اور سچ تو یہ ہے کہ اس وقت دہلی کی حالت بھی خراب ہے۔ ہنگامہ اور فساد پھیلنے کے جو نتائج برآمد ہوئے وہ یہ ہیں کہ مغربی پنجاب سے اپنے لوگوں کو لانے کے لئے ہم نے جو انتظامات کئے تھے ان میں خلل پڑا اور قدرتی طور سے ہم کو تمام توجہ مشرقی پنجاب اور دہلی کے اوپر صرف کرنا پڑی اس طرح ہمارے دیگر کاموں میں بڑی رکاوٹیں پیدا ہوگئیں

میں نے جو کچھ دیکھا وہ سخت بھیانک ہے میں نے بہت لوگوں کو دم توڑتے دیکھا۔ موت خواہ کتنی بری اور تکلیف دہ کیوں نہ ہو لیکن ایک نہ ایک دن ہر فرد کو اس کا سامنا کرنا ہے۔ لیکن جو کچھ پیش آیا ہے وہ اس سے بھی زیادہ بدترین ہے۔ ہمارے لوگوں نے جو کچھ کیا ہے اس پر میری گردن شرم سے جھک گئی ہے ان بداعمالیوں کے نتائج اور اثرات بڑی مدت کے بعد جاکر زائل ہوں گے۔ بدی کا بدلہ بدی نہیں ہے آپ کسی کو قتل کر کے قتل کی روک تھام نہیں کر سکتے۔ افسوس ہمارے بہت سے لوگوں نے ایسا ہی کیا ان کے اوپر جنون طاری ہو گیا۔

ہم ان حالات کا کیونکر مقابلہ کریں گے؟ محض افسوس کرنے اور قسمت کا رونا رونے سے کوئی فائدہ نہیں۔ سب سے پہلے ہمیں حالات کا جائزہ لینا چاہیئے حالت بہت خراب ہے۔ اس لئے نہیں کہ نظم ونسق کا شیرازہ منتشر ہوگیا ہے بلکہ اس سے زیادہ خراب بات یہ ہوئی کہ ملک کی روح اور اس کا جذبہ دونوں متاثر ہو چکے ہیں کیا ہمارے ان خوابوں کی یہی تعبیر ہے! جو ہم نے وطن عزیز کی طویل جنگِ آزادی کے مورچوں پر دیکھے تھے؟

اگر یہ غلط ہے۔ اور ہر شخص کو تسلیم کرنا چاہیئے کہ یہ غلط ہے۔ تو ہمیں اپنی پوری طاقت سے اس خرابی کے خلاف لڑنا چاہیئے اور جنتا کو بتانا چاہیئے کہ جو کچھ ہوا ہے۔ غلط ہوا ہے۔ جن لوگوں نے تنگ نظری کی وجہ سے کیا وہ بھی غلط اور جن لوگوں نے انتقام کے جذبہ سے کیا وہ بھی غلط ہے۔ اس کے علاوہ جنتا کے لئے ہم جو کچھ کر رہے ہیں یہ ہنگامے ان کی راہ میں سخت حائل ہیں اور ان ہنگاموں کی وجہ سے نہ صرف دنیا کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑی بلکہ اپنے ضمیر کے سامنے بھی اور یہ اتنی خراب اور ذلیل بات ہوئی ہے کہ اس پر قابو پانے کے لئے کافی وقت کی ضرورت ہوگی۔

اس میں شبہ نہیں کہ حالت اب بھی نازک ہے۔ حالات کی نزاکت محض فوجی نقطہ نگاہ سے نہیں ہے کیونکہ فوج اور پولیس کے

نقطۂ نگاہ سے ہم جلد حالات پر قابو پالیں گے مگر ہم محض فوج کی امداد سے ہی ہندوستان میں زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ جب تک ہم اپنی بے اتحادی اور بُرائی کو دور کرنے کے لئے تیار نہ ہوں۔ فوج ہمارے لئے کچھ نہیں کر سکتی اس لئے میں کہتا ہوں کہ صورت حال بہت نازک ہے۔ آخر ہم کس قسم کا ہند بنانا چاہتے ہیں؟ کیا ہم اس کی تعمیر کر رہے ہیں یا ہم اسے تباہ کر رہے ہیں!

اس حماقت کو اب ختم ہونا چاہئے۔ امن اور سکون قائم ہونا چاہئے اور نظم و نسق کو اپنی اصلی حالت پر آنا چاہئے۔ مغربی پنجاب سے ہمیں اپنے آدمیوں کو لانا ہے اور جہاں ضرورت ہو وہاں تبادلۂ آبادی میں مدد دینی ہے بنقص امن اور قتل و غارتگری سے ہمارے کاموں میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور پناہ گزینوں کو خاطر خواہ مدد نہیں مل سکتی

میں چاہتا ہوں کہ آپ پوری سنجیدگی کے ساتھ غور کریں کہ آپ اپنی اولاد اور آنے والی نسلوں کے لئے کس قسم کا ہندوستان چھوڑنا چاہتے ہیں۔ اگر اس قسم کے حالات رونما ہوتے رہے اور میری طرح آپ کا بھی یہ خیال ہے کہ اسے ختم ہونا چاہئے تو آپ اس کے لئے تیار ہو جائیے کہ برائی کو پوری طرح روکنا ہی اور کسی کے ساتھ کوئی رو رعایت نہیں ہوگی۔ ہم پوری طاقت سے اس کا مقابلہ

کریں گے اس کی وجہ سے لوگوں کو کبھی کبھار تکلیف بھی ہوگی بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ممکن ہے کہ کبھی زیادتی بھی ہو جائے مگر آئندہ چل کر یہی مفید ہوگی مظالم بہت کافی ہو چکے ہیں اگر ہم نے اس کی ابھی روک تھام نہ کی تو یہ آگ اور پھیلے گی اور ہماری جنتا کو اور اسی کے ساتھ ہماری امیدوں کو جلا کر بھسم کر دے گی!

اس لئے میں آپ تمام لوگوں سے اپیل کرتا ہوں کہ ان باتوں پر غور کیجئے اور میدان میں آئیے اور ہماری مدد کیجئے۔ ہم محض فوج ہی کے ذریعے اسے دبانا نہیں چاہتے بلکہ ہم عوام کی مدد سے اسے ختم کرنا چاہتے ہیں، ایسے لوگوں کی مدد سے جن کے خیالات اچھے ہیں ارادے نیک ہیں اور جن کے پیش نظر ہندوستان کی آزادی اور اس کی بھلائی ہے

میں چاہتا ہوں کہ ایسے لوگ باہر نکلیں اور ہماری مدد کریں وہ شانتی اور اچھائی کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں اور اس جنون کو بند کرائیں۔ صرف دہلی ہی میں نہیں بلکہ آس پاس کے تمام اضلاع میں اور مشرقی پنجاب میں یہ لوگوں کو بتائیں کہ اس خون ریزی کو بند کرنے سے نہ صرف ان بھائیوں کی مدد ہوگی جو مغربی پنجاب میں گھرے ہوئے

ہوئے ہیں اور جن کی جانیں خطرے میں ہیں بلکہ ہمیں بھی ان تعمیری کاموں کے لئے موقع مل جائے گا جن کا ہم بہت پہلے عزم کر چکے ہیں

یاد رکھئے مغربی پنجاب سے پناہ گزینوں کے لانے میں اگر تاخیر ہوئی تو ان کی جانیں خطرے میں پڑ جائیں گی - یہ بھی نہ بھولئے کہ دلی اور دوسری جگھوں کے فسادات کی وجہ سے پناہ گزینیا کے کام میں تاخیر ہو رہی ہے - ہماری فوجیں اور دوسرے کارکن فسادات کی ان جگھوں پر لگے ہوئے ہیں حالانکہ وہ دوسری جگہ عوام کی بہتر خدمت کر سکتے تھے

آج صبح کو ہمارے رہنما اور بزرگ مہاتما گاندھی دلی تشریف لائے ہیں - میں ان سے ملنے کے لئے گیا تھا - ان کے پاس تھوڑی دیر بیٹھا رہا - میں سوچتا تھا کہ ہم ان بلند عزائم اور نصب العینوں سے کس قدر نیچے گر گئے ہیں - جنھیں مہاتما جی نے ہمارے سامنے رکھا تھا

میں دیہاتوں اور گاؤں میں جاتا ہوں تو عوام بہت ہی محبت کے ساتھ مجھے دیکھ کر گاندھی جی کی جے ! جواہر لال کی جے ! کے نعرے لگاتے ہیں - یہ نعرے سن کر شرم سے میری گردن جھک گئی - یہ ان لوگوں کے نعرے تھے جنھوں نے مہاتما گاندھی کے نام قتل و غارت غارتگری اور لوٹ مار میں حصہ لیا ہوگا محض

نعرے لگانے سے ان کے گناہ دھل نہیں جاتے اور محض مہاتما گاندھی کا نام لینے سے ہم ان خرابیوں پر قابو نہیں پا جائیں گے ضرورت اس بات کی ہے کہ ان باتوں پر عمل کریں جن کی پچھلے طویل زمانے میں انھوں نے تلقین کی ہے۔ آج ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ براہِ راست مہاتما گاندھی کی ہدایتوں کے مخالف اور اس سے متضاد ہے۔ اس کے تصور سے بھی مجھے شرم آتی ہے اور اپنے ان کاموں کے اچھے ہونے پر شبہ ہوتا ہے جو ہم نے جنگ آزادی کے زمانے میں کئے ہیں۔ اگرچہ اس کے اچھے نتائج برآمد نہیں ہوئے۔ لیکن مجھے امید ہے کہ میرا یہ شبہ زیادہ دنوں تک باقی نہیں رہے گا۔ کیوں کہ مجھے یقین ہے کہ اچھے کام کے اچھے نتائج ضرور ہوں گے جس طرح مجھے اس کا یقین ہے کہ بُرے کام کے نتائج ہمیشہ بُرے ہوتے ہیں

اس ملک میں کافی برائیاں ہو چکی ہیں اب اس سلسلے کو ختم ہونا چاہیے اور اچھے کاموں کا سلسلہ شروع ہونا چاہیے اور مہاتما گاندھی کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرنا چاہیے ہم تمام لوگوں کا اشتراک عمل چاہتے ہیں۔ دلی پنجاب کے بعض حصوں میں ہو سکتا ہے کہ یہ مسئلہ زیادہ اہم ہو مگر یہ آل انڈیا مسئلہ ہے اور جنتا کا کام ہے کہ اس پر قابو –

پائے اور اس لغویات کو آگے بڑھنے نہ دے ، یاد رکھئے کہ
اس کے نتائج ممکن ہے کہ اس سے کہیں زیادہ شدید مصیبت
کی صورت میں ظاہر ہوں مثلاً قحط اور وبائی امراض
ان جگہوں میں پھیل جائیں ۔ اس وقت بھی ہم قحط کے دروازے
پر ہیں ہمارے پاس کھانے کی چیزیں کافی نہیں ہیں ۔ اور ان
فسادات نے کھیتیاں ، مویشی اور زراعتی زمینوں کو تباہ کردیا
ہے مجھے نہیں معلوم کہ غذائی صورت حال پر اس کا فوری
طور پر کیا اثر پڑے گا اس لئے ہم کو فوراً سخت اور مسلسل کام
کرنے کے لئے کمر ہمت باندھ لینی چاہیئے ۔ اس لئے میں آپ
لوگوں کو کام کرنے کے لئے دعوت دیتا ہوں

میں فوج اور پولیس سے بھی ایک اپیل کرنی چاہتا ہوں
میں نہایت صفائی کے ساتھ کہتا ہوں کہ مجھے شکایت ملی ہے
کہ انھوں نے غیر جانب داری سے کام نہیں کیا ہے اور بسا
اوقات لوٹ مار روکنے کی بجائے وہ تماشہ بین ہوکر رہ
گئے ہیں ۔ یہ ٹھیک نہیں ہے اگر کوئی شخص چاہے وہ فوجی
ہو یا شہری وہ اپنے فرائض کو ٹھیک طور پر ادا نہیں کرتا
تو اسے اس عہدے سے ہٹ جانا چاہیئے اور اپنے فرائض کی
کوتاہی کے نتائج بھگتنے کے لئے اسے تیار رہنا چاہیئے اس
میں ذرا بھی کمزوری نہ آنی چاہیے کیونکہ محض بہت سے

انسانوں کی زندگی کا مسئلہ نہیں ہے - بلکہ ایک قوم کا مسئلہ ہے - ہندوستان کا مسئلہ ہے جس سے ہم نے اب تک محبت کی ہے ، اور جس کی خدمت میں اب تک ہم لگے ہوئے ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ جو کام مدتوں اور نسلوں میں انجام دیا ہوا سے تباہ اور ختم ہوتے ہوئے ہم دیکھتے رہیں اس لئے میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ چاہے آپ شہری ہوں چاہے فوجی یا سپاہی آپ اپنی ذمے داریوں کو محسوس کیجئے - موجودہ ہنگامے کو ختم کرنے میں مدد دیجئے

جے ہند

اخبار مسلم بمبئی - ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء

جب دہلی میں ۲ اکتوبر کو گاندھی جی کی پیدائش کا دن منایا گیا (اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پنڈت جی نے کہا :-

ہم یہاں گاندھی جی کی یاد میں جمع ہوئے ہیں ، لیکن کس بات کی یاد میں ! ذرا آپ یہ سوچئے ! میں بتیس سال پہلے ان سے ملا تھا - اور اس عرصے میں میں نے انھی کے زیر سایہ پرورش پائی ہے - صرف میں ہی نہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں لوگ ان کے سایے میں آگے بڑھتے رہے - ان کی روشنی کی جھلک ہم پر بھی پڑی اور لوگ سمجھنے لگے کہ ہم بھی بڑے ہوئے ہیں اب ہم کو صفائی سے طے کرنا ہے کہ ہم کدھر جائیں اور کدھر

نہیں۔ اگر ہم کو مقابلہ کرنا ہے تو ضرور کرنا ہے کیونکہ یہ صرف باتوں کا مقابلہ نہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں انسانوں کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ ہم آج تک جن اصولوں پر چل کر آزادی کی لڑائی لڑتے رہے وہ ختم نہیں ہو جاتے۔ ہم نے اپنے سامنے آزاد ہندوستان کا نقشہ رکھا تھا، اسے حال ہی میں کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی میں دہرایا تھا، اور جمہوری سوسائٹی اور ہر شہری کو برابر کے حقوق دینے کے فیصلے کئے تھے۔ ہم چاہتے تھے کہ مٹھی بھر آدمیوں کے ہاتھ میں طاقت اور دولت نہ رہ سکے اور ہم بھی باقی ملکوں کی طرح زندہ ہو جائیں۔ خالی پیٹ سوراج بھی نہیں چل سکتا۔ دوسروں کی جیبوں سے روپیہ لے کر اپنی جیبوں میں ڈالنے سے کسی ملک کی دولت نہیں بڑھا کرتی بلکہ ملک کی دولت بڑھانے والے تو کسان اور مزدور ہوتے ہیں

ہم نے جس طرح کا یہ پروگرام بنایا ہے اس کے مطابق ہم یقینی طور پر پانچ سال کے عرصے کے اندر اندر ملک کی حالت بدل دیتے۔ لیکن بجائے اس کے کہ ہم اس طرف توجہ دیتے ہم نے اپنی شکتی ایک دوسرے کے مکان گرانے اور ایک دوسرے کو مارنے میں خرچ کرنی شروع کر دی

پچھلی پنجاب میں جو اتیاچار ہوئے ہیں ان سے ہماری

آنکھیں بند نہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کیا کیا جائے کوسنے اور گالی دینے سے کچھ نہیں بنتا۔ ہمارے پرانے اتہاس میں ہندوستان اس لئے جھکا تھا کہ اس میں مہذب اور عقلمند انسان تھے۔ چھوٹے دماغ کے آدمی بڑی قومیں نہیں بنا سکتے لوگ کہتے ہیں کہ جواہر لال انٹرنیشنلزم کی طرف دیکھتے ہیں، اور ہندوستان کی اندرونی حالت کی طرف نہیں دیکھتا۔ لیکن اتہاس کو الٹا کر دیکھ لیجئے کہ جب۔ جب ہندوستان والوں نے تنگ نظری اختیار کی ہے وہ گراوٹ میں مبتلا ہوئے ہیں جن لوگوں نے اس موقع پر فساد برپا کئے ہیں انھوں نے دیش کے ساتھ غداری کی ہے، اور وہ بھی اس طرح کی کہ شاید کسی اور نے نہیں کی۔ ہر انسان کے جسم پر چلایا ہوا خنجر بھارت ماتا کے جسم میں لگا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں پاکستان سے خطرہ ہے لیکن میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہمیں اس سے کوئی خطرہ نہیں خطرہ صرف ایک بات کا ہے، اور وہ بات ہے آپس کی جہالت اور کمزوری

ہندو راجیہ قائم کرنے والوں کے ہم مخالف ہیں، اور اس نعرے کا بڑے زوروں کے ساتھ مقابلہ کریں گے۔

اخبار تیج، دہلی

مورخہ ۴ر اکتوبر ۱۹۴۷ء

۳۰ ستمبر ۱۹۵۱ء کو ایک اور محلے میں تقریر کرتے ہوئے پنڈت جی نے فرمایا :-

"........ ہندو اسٹیٹ کا خیال بے معنی ہے

. . . .

. . . . اگر ہندوستان میں ہندو حکومت قائم ہوئی تو ہم ایشیائی ممالک کی رہنمائی کے قابل نہیں رہیں گے اور نہ ہم پست ملکوں کی کوئی امداد کر سکیں گے ...."

اخبار انجام ، دہلی
مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۵۱ء

ایک موقع پر ملاحوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے پنڈت جی نے فرمایا :-

.... دنیا کی تاریخ یہ ظاہر کرتی ہے کہ ہندوستان کی طرح کوئی ملک نئے خیالات کا روادار نہیں ثابت ہوا ، عیسائیت ہندوستان میں یورپ میں پھیلنے سے پہلے آچکی تھی - یہودیوں کو یہاں آئے ہوئے عرصہ دراز گذر گیا اور ان کا یہاں سواگت کیا گیا تھا ، اسلام ہندوستان میں سیاسی فتح کی بجائے صحت مند تمدنی حیثیت سے آیا تو ہندوستان نے اسلام کا بھی سواگت کیا - ہندوستان کا زوال اس وقت شروع ہوا جب لوگوں کی

ذہنیت پر تنگ خیالی غالب آنے لگی ۔ ورنہ ایک زمانہ تھا جب دنیا کے ہر تمدن اور ہر مذہب کا ہندوستان میں سواگت کیا جاتا ۔ اس رواداری کی بدولت دنیا کی نہایت مہذب قوموں میں ہندوستان نے نام حاصل کیا ۔ ہندوستان کی خوبی ہمیشہ یہ رہی ہے کہ اس نے اپنے تمدن کو چھوڑے بغیر بدیسی تمدن کا اثر لیا اور اسے اپنے تمدن میں ملا لیا ....‘‘

تیج ۔ دہلی

۲۶ دسمبر ۱۹۴۷ء

ان فسادات میں ہندوستان کی خوش قسمتی ہے کہ صرف پنجاب اور دہلی کے صوبوں میں گڑبڑ ہوئی ہے ۔ ہندوستان کے باقی صوبوں کا کام معمول کی طرح جاری رہا ۔ برطانیہ کے وہ لوگ جو ہندوستانیوں کے جھگڑوں سے فائدہ اٹھایا کرتے ہیں انھوں نے بھی دیکھ لیا کہ باقی صوبوں میں کس طرح امن وامان ہے ۔ اس کا اظہار برطانیہ کے ایک وزیر نے اپنے بیان میں کیا ہے ۔ تاہم یوپی کے بڑے صوبے میں جسے ہندوستان کی جان کہنا چاہیے ۔ احتیاطی تدابیر کے طور پر وہ سب تدبیریں ہوئیں جو ایک مہذب صوبے کی وزارت کے شایان شان ہیں ۔ اس کا سہرا یوپی کے وزیر اعظم پنڈت گووند بلبھ پنت کے سر ہے ۔ آپ کی شرافت اور نیک نفسی ہندوستان بھر میں مشہور ہے ۔ آپ کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے صوبے میں داخل ہونے والے لوگوں کی آمد پر پابندیاں

لگا کر صوبے کو ایک بڑی مصیبت سے بچا لیا ورنہ یہ خیال کرتے ہوئے کہ یوپی کی سرحدیں پنجاب اور دہلی سے ملتی ہیں۔ یہاں بھی تباہی کا اندیشہ تھا۔ پنڈت پنت جی کی اسمبلی کے ایک رکن پنڈت جھا بیر تیاگی نے خود ہی ایک کانسٹبل کا روپ بھر کر اور پانچ سو کانسٹبلوں کی بھرتی کر کے صوبے کی بڑی خدمت کی ہے۔ پنڈت گووند ولبھ پنت کے دوروں اور ان کی تقریروں نے لوگوں میں اچھے خیالات پیدا کرنے اور جنونی حرکات سے روکنے میں بڑا کام کیا ہے۔ علی گڑھ کے دورے میں بیڈ ہزار سے زائد کے مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے پنت جی نے فرمایا:-

صوبائی حکومت مسلم اقلیت کے حقوق کا تحفظ کر رہی ہے اور ہندو اکثریت کا فرض ہے کہ وہ مسلمان کا تحفظ کرے اور ایک مسلمان کی جان بچانے کے لئے ننانوے ہندوؤں کو جانیں قربان کرنا پڑیں۔ تب بھی ہمیں پس و پیش نہ کرنا چاہیے۔ اس سے ہندوستان یونین کی شہرت بڑھے گی - - - -

- - - - - - - - -

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان کو چاہیے کہ وہ ہندوستان کو اپنا ملک سمجھیں۔ حقوق کے تحفظ کے ساتھ ذمے داریاں بھی عائد ہوتی ہیں، اس لئے جو مسلمان پاکستان سے وفاداری کو زیادہ اہمیت دینا ضروری سمجھتے ہیں، ایمان داری کا مقتضا یہ ہے کہ وہ پاکستان چلے جائیں۔ لیکن جو مسلمان ہندوستان میں

رہنا چاہیں ان کے لئے مادر وطن کی فرماں برداری ناگزیر ہے۔
پنت جی نے پنجاب کے فسادات پر اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ان فسادات کے پس پشت جذبہ انتقام کام کر رہا ہے اور اسی جذبے کی وجہ سے فساد کی بنیاد پڑی۔ ایک فرقہ غلطی کرتا ہے۔ دوسرا اس پر سبقت لے جاتا ہے
لیکن بد نظمی اور انتشار کی رفتار میں روز بروز جو اضافہ ہو رہا ہے، اس کی روک تھام ہمارا فرض ہے۔
کانگریس ۱۹۱۹ء سے برابر ہندو مسلم اتحاد کے لئے آواز بلند کر رہی ہے اور آج جبکہ گاندھی جی کی زیر قیادت عدم تشدد کے ذریعے ہم کو آزادی حاصل ہو گئی ہے، نفاق اور آپس کی پھوٹ کا بیج دوبارہ کس طرح بویا جا سکتا ہے۔ ہندوستان میں خالص جمہوری نظام قائم ہو گا۔ تمام شہری ریاست کے برابر کے باشندے ہوں گے۔ اور کسی شخص کی غداری برداشت نہیں کی جا سکتی۔ خواہ اس کے نتیجے میں ہمیں پاکستان سے مقابلہ کیوں نہ کرنا پڑے۔ مذہب کی صحیح روح اتحاد ہے نہ کہ مختلف فرقوں میں نفاق پیدا کرنا۔ آج ہم کو پچھلے واقعات کو نظر انداز کر کے کتاب زندگی کا نیا باب شروع کرنا چاہیے
وزیر اعظم نے اس پر اظہار شکر کیا کہ صوبہ یوپی اس صورت حال اور واردات سے پاک ہے جن سے پنجاب

اور دوسرے مقامات آلودہ ہیں۔ انھوں نے صوبے کے باشندوں کو نصیحت کی کہ وہ جھوٹی افواہوں اور خودغرض لوگوں کی ریاکاریوں سے گمراہ نہ ہوں۔ وزیراعظم نے سرکاری ملازمین کی خدمات کا اعتراف کیا جنھوں نے قیام امن کے لئے اپنے آرام و آسائش تک کو قربان کر دیا اور جو بیشتر راتیں آنکھوں میں کاٹ دیتے ہیں

قیام امن کے سلسلے میں بعض لوگ جیل گئے اور بعض کو اجتماعی جرمانے ادا کرنے پڑے۔ میں جانتا ہوں کہ ان اقدامات کی وجہ سے میری شہرت پر کتنا اثر پڑا ہے۔ لیکن میں اپنے فرض سے مجبور ہوں ورنہ مجھے سخت اقدامات کرنے سے کوئی قلبی راحت حاصل نہیں ہوئی۔ پنڈت پنت نے کہا کہ جس طرح ایک سرجن کو آپریشن کرنا پڑتا ہے یا ڈاکٹر کو کسی پاگل کو پاگل خانے میں بند کرنا پڑتا ہے، اسی طرح میرا کام شرارت پسندوں پر پابندی عاید کرنا ہے۔ بعد میں بیمار تندرست ہوکر ڈاکٹر کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

پنڈت پنت نے اخبار نویسوں کی خدمات کا اعتراف کیا جنھوں نے فرقہ وارانہ فضا کے دوران میں قیام امن اور اتحاد کے لئے بہت مدد پہنچائی۔ آخر میں انھوں نے عوام سے پرزور اپیل کی کہ وہ حکومت سے اشتراک عمل کریں۔

پیام، حیدرآباد دکن۔ ۲۵ ستمبر ۱۹۴۸ء

پنڈت پنت اور ان کی وزارت کے بارے میں میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا اندازہ ان تاثرات سے لگائیے جو "سٹیٹسمین" کے نمائندہ خصوصی نے مغربی اضلاع میں بارہ سو میل کا دورہ کرنے کے بعد شائع کئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :-

میرٹھ ڈویژن جس میں قومی الجنہ جاٹ آباد ہیں اپنے محل وقوع کی وجہ سے شروع ہی سے معرض خطر میں تھا۔ پناہ گزینوں کی ایک کثیر تعداد جو پہلے بلا روک ٹوک آ رہے تھے اور اب حکومت کی نگرانی میں آ رہے ہیں، پاکستان سے غم کی داستانیں ساتھ لائے ہیں۔ مقامی آبادی سے اُن کے ملتے جلتے ہی حکومت کے لئے مسئلے اٹھ کھڑے ہوئے، ڈیرہ دون، مسوری، بلند شہر اور حال ہی میں سہارن پور اور ہردوار میں حالات نے جو شکل اختیار کی وہ حکومت کے لئے گویا ایک سخت آزمائش تھی پولیس کی طاقت، افسروں کی مستعدی، اور سیاسی ہوشمندی کے باوجود بہت سی ناخوشگوار چیزیں رونما ہوئیں لیکن جو ٹل گیا اس کو دیکھتے ہوئے جو ہوا وہ کچھ بھی نہ تھا

حکومت کے صدر مقام لکھنؤ میں لوگ اب بھی مغربی "آتش فشاں" کی باتیں کرتے ہیں اور جنون کے پھر سر اٹھانے کا اندیشہ ظاہر کرتے ہیں۔ ان کا خیال محض وہم نہیں ہے، لیکن اس کی منصفانہ نوعیت دلالت کرتی ہے کہ اس علاقے

میں جس سختی سے اور بلا رو رعایت امن و قانون کا تحفظ کیا جا رہا ہے اس کی داد نہیں دی گئی اور نہ ان افسروں کا حق ادا کیا گیا جو سارے صوبے میں امن قائم رکھنے کے ذمے دار ہیں۔ ان میں سب سے ممتاز شخصیتیں میرٹھ اور سہارن پور کے دونوں کلکٹروں کی ہیں ایک گٹھیلے بدن کا ادھیڑ گڑھوالی ہے دوسرا سیدھے سادھے لباس و انداز کا آدمی جو پنشن پانے کے قریب عمر ہونے کے باوجود طبیعتاً جوان ہے۔ سہارن پور میں پولیس کا افسر اعلیٰ ایک کشمیری برہمن ہے جو کبھی ایک مشہور کھلاڑی تھا اور اب نظم و ضبط کے معاملے میں ایک سخت قسم کا افسر ہے۔ ان سب کے اوپر ڈویژنل کمشنر سوجا سنگھ کھیرا کی شخصیت ہے جو اپنی کھری انصاف پسندی کے لئے مشہور ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس ڈویژن کے بہت کم افسروں کو دو مہینے سے نیند بھر سونے کا موقع نہیں ملا ہے

نتائج سے ان کے کام کا اندازہ ہوتا ہے۔ قدرے دہشت اور افواہوں کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ چند مستثنیات کے ساتھ مغربی اضلاع کی زندگی اعتدال کے اتنے قریب ہے کہ اس سے زیادہ کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ ہندو مسلمان بے تامل اپنے کام کاج سے آتے جاتے ہیں۔ دہرہ دون اب خاص کر ہندوؤں اور سکھوں کا مرکز بن گیا ہے، لیکن

یہاں کے لوگوں کی سمجھ میں آگیا ہے کہ تشدد کا نتیجہ تشدد کرنے
والوں کے حق میں اچھا نہیں ہوتا۔ کلکٹر کے مکان پر ملاقات
کے لئے ایسے امیدواروں کی بے حد قطاریں جن کے ہاتھ
میں اپنے دوستوں یا عزیزوں کے لئے ضمانت کی درخواستیں
دکھائی دیتی ہیں۔ اس کا ثبوت ہے کہ حالات کو قابو میں لانے کے
لئے سخت کارروائی کی گئی ہے۔ جوالاپور جس کو مسلم آبادی نے
خالی کردیا ہے اب بھی سنسان نظر آتا ہے کیونکہ خالی مکانوں
میں دوسروں کو دخیل کرنے کی ہمت افزائی نہیں کی جارہی ہے
گڑھ مکتیشر کے میلے کا جس میں پار سال خوب خوں ریزی
ہوئی تھی حکومت نے اس سال جس طرح انتظام کیا ہے اس
سے بھی حکومت کے ارادے کی سچائی ظاہر ہوتی ہے۔ حکام
کے قول کے مطابق میلے کی ممانعت کردینا اقبال شکست کے
مترادف ہوتا اور ہندو الگ خفا ہوتے۔ اس لئے ہر امکانی
احتیاط کرنے کے بعد میلے کی اجازت دے دی گئی۔ موٹر پر
علی گڑھ سے میرٹھ جاتے ہوئے مجھے ان پابندیوں کا
اچھی طرح تجربہ ہوگیا جن سے جانے والوں کو سابقہ پڑتا تھا
راستے کے ایک بڑے حصے میں ہر دو میل پر فوجی پولیس کی
چوکی تھی اور جو لوگ ڈیوٹی پر تھے انھوں نے ہمیں نہیں گزرنے
دیا۔ حالانکہ میرے میزبان کے سرخ پوش چپراسی نے اپنے

آقا کے اونچے سرکاری عہدے سے انھیں مرعوب کرنے کی کوشش بھی کی۔

میلے میں فوجی پولیس کی تین پوری طرح مسلح کمپنیوں نے جاتریوں میں امن قائم رکھا۔ راستے میں چھ سو گھوڑ سوار جو اس پاس کے دیہات سے بھرتی کئے گئے تھے، مرد، عورت اور بچوں کے اس جم غفیر کی نگرانی کر رہے تھے جو گنگا کو جا رہے تھے یا وہاں سے واپس آرہے تھے لاسلکی پیغامات وصول کرنے اور بھیجنے والے آتے، درجنوں کی تعداد میں خطرے کے علاقے میں نصب کئے گئے تھے۔ اور فضا میں ہوائی جہاز پر پہرہ دے رہے تھے۔ ایک سینیر افسر نے اعتراف کیا کہ جاتریوں کی تعداد جو پچھلے سالوں میں ایک لاکھ کے لگ بھگ ہوا کرتی تھی اس سال بہت حکمت عملی سے کم کر دی گئی ہے۔ کیونکہ جاتریوں سے ہیضہ کے ٹیکے کا سارٹیفکٹ سرکاری طور پر طلب کیا گیا

ہمت بندھائے رکھنے اور تلخی گھٹانے میں کانگریسیوں نے حکام کی بڑی امداد کی۔ ضلع افسران اس امداد کے سلسلے میں ان کی دل کھول کر تعریف کرتے ہیں۔ ان کا ہاتھ بہت سے لیڈروں نے بٹایا ہے۔ لیکن وزیر پولیس مسٹر لال بہادر شاستری کا ایک حالیہ دورہ سب سے

زیادہ مفید ثابت ہوا ہے۔ سہارن پور میں بہت جلد امن قائم ہوجانے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ضلع کے لوگوں پر کانگریس کا بڑا اثر ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ مجلس قانون ساز میں اس حلقے کے چار نمائندوں میں سے تین کانگریسی ہیں۔ مولانا مدنی کا صدر مقام دیوبند، سہارن پور سے دور نہیں ہے۔ انھوں نے قیام امن کے لئے جو کوشش کی اس کی خاص طور پر تعریف کی جاتی ہے۔ کانگریسیوں کے علاوہ کمیونسٹ بھی امن جتھوں میں شریک ہوگئے ہیں اور مفید کام انجام دے رہے ہیں فی الحال مغربی اضلاع کی صورت حال امید افزا ہے۔ لیکن مستعدی سے دیکھ بھال کرنے کی ابھی ایک عرصے تک ضرورت رہے گی

(قومی آواز [illegible]۔ ۲۰ نومبر [illegible])

امن کے سلسلے میں دہلی میں دو اور کام اچھے ہوئے ہیں ایک تو دہلی کی حکومت اور کانگریس کی نگرانی میں محلہ وار جلسے دوسرے آل انڈیا ریڈیو نے " دہلی میں امن کی ضرورت" کے نام سے سہ روزہ تقریروں کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا جس میں دہلی رہنے والے مشہور لوگوں سے اس موضوع پر تقریریں کروائیں۔ یہاں ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کی تقریر درج کرتا ہوں :-

بھائیو، دوستو، ساتھیو! میں نے یہ تینوں لفظ جان کر بولے ہیں۔ آدمی کو آدمی کا بھائی قدرت بناتی ہے ہم کو تم کو قدرت نے ایک دیس میں پیدا کیا ہے، اسی مٹی سے ہم سب

بنے ہیں اسی کی مٹی میں ہم سب پلتے رہے ہیں، اسی میں پلے بڑھے
ہیں اور اسی میں مرتے جیتے گزرتے ہیں۔ اس کے تاروں سے
سرگوشیاں کرنے والے پہاڑوں کی طاقت اور مضبوطی اس کے
میدان کو موت کے بعد زندگی بخشنے والے دریاؤں کا فیض رساں
بہاؤ اس کے جنگلوں کی عارفانہ دم کشی، اس کی چڑیوں کی چہک
اس کے پھولوں کی مہک یہ سب تم جانو ہمارے تمہارے سب
کے رونگٹے رونگٹے میں بسے ہوئے ہیں ہم نے تم نے سب
نے اس کے آرام اور اس کے ہر دکھ میں ایک سا حصہ لیا ہے۔
اس کی نسیم نے سب سے ایک سی اٹھکیلیاں کی ہیں۔ اور اس
کی لو نے ہم سب کو ایک سا جھلسایا ہے اس کی زمین نے جو اُگلا
ہے اس سے ہم نے سب نے پیٹ پالا ہے اور اس کے
کالوں اور قحطوں نے ہم سب سے کبھی بھی نہیں پوچھا کہ تم ہندو
ہو مسلمان ہو سکھ ہو؟ اس کے جانوروں نے تمہاری ہماری
سب کی مدد کی ہے اور ہاں اس کے سانپوں نے تم کو ہم کو
ہاں تم کو اور ہم کو یکساں ڈسا ہے اور تم کو ہم کو یکساں
فائدہ پہنچایا ہے۔ قدرت نے جو رشتہ جوڑا ہے اسے
توڑنے پر کیوں تلے ہو؟

ہاں تم شاید کہو کہ آدمی خالی قدرت کا حصہ نہیں ہے
کہ قدرت نے جو بنا دیا وہی رہے۔ آدمی ہے اپنی دنیا

آپ بھی بناتا بگاڑتا ہے۔ تو یہ بالکل سچ ہے۔ اسی لئے تو میں نے تمہیں دوست کہہ کر پکارا ہے ہم کو تم کو قدرت نے ایک دیس میں پیدا کر کے بھائی بہن بنایا ہے۔ بلکہ ہم اپنی خوشی سے مل جل کر صدیوں ساتھ رہے۔ غم، شادی میں ایک دوسرے کے شریک رہے۔ آپس میں سلوک کئے ہیں۔ ایک دوسرے کے عیبوں سے چشم پوشی کی ہے۔ ہنر ڈھونڈے ہیں، سیکھے ہیں سکھائے ہیں۔ ایک نے اپنی کمی دوسرے سے پوری کی ہے۔ ایک نے دوسرے کو برتا ہے۔ پرکھا ہے۔ سمجھا ہے۔ محبت کی ہے وفاداری کی سب رسمیں نباہی ہیں۔ ایک دوسرے کے جان و مال میں دخیل رہے ہیں۔ غلامی کی لمبی اندھیری رات کو اسی ٹمٹماتے دیئے کے سہارے کاٹ کر سحر کی ہے۔ آزادی کا روشن سورج نکلتے ہی کیوں دل پلٹے جا رہے ہیں۔ کیوں نگاہیں بدلی جا رہی ہیں۔ دوستو! دوستی کی رسمیں نباہو دوستوں کو دشمن نہ جانو کسی عارضی جنون میں صدیوں کی دوستیوں کو ختم نہ ہونے دو۔ مجنونوں کا علاج کرو۔ وہ بھی بھائی ہیں۔ وہ بھی دوست بن جائیں گے۔ دشمن جان کر دوستی اور وفاداری کے مطالبے نہ کرو۔ دوستی سے وفاداری کی جڑیں مضبوط کرو۔ دوستی کا پودا شبہہ اور بدگمانی اور نفرت کی زمین میں جڑ نہیں پکڑتا۔ محبت بھروسہ اور یقین سے کام لو اور دیکھو کہ اس میں یہ پودا کیسا لہلہاتا

ہے اور اس پروفا کے پھول کھل کر کس طرح اپنی خوشبو سے کینہ اور کپٹ کی گندی فضا کو نہکا دیتے ہیں اور اپنی شفاف خوش رنگی سے شک اور شبہہ کے گدلے پن کو کیسے کاٹ دیتے ہیں۔ بھائیو دوست بنو، دوستی کے حق ادا کرو، دوستی کے تقاضے پورے کرو اور پورے کراؤ

بھائی دوست بن جائیں تو اس عظیم الشان کام میں جو ہم سب کے سامنے ہے ساتھی بن سکتے ہیں، دوستو۔ دیکھو صدیوں کی غلامی کے بعد، ایسی غلامی کے بعد جس نے ہمارے بدنوں ہی کو نہیں جکڑ رکھا تھا جس نے ہمارا پیٹ ہی نہیں کاٹا تھا جس نے ہمیں وباؤں اور طاعون ہی کا شکار نہیں بنا رکھا تھا بلکہ جس نے جہل اور بے عملی کے بوجھل طوق بھی ہماری گردنوں میں ڈال رکھے تھے جس میں ہم سوچنا سمجھنا بھول گئے تھے جس میں ہم سے بھلے بُرے کی تمیز چھن گئی تھی جس میں ہم زہر کو امرت سمجھنے لگے جس میں ظلم سہتے سہتے ہمارے سینوں میں ظلم کرنے کے ارمان پرورش پانے لگے تھے، جس میں ہم نے اپنا پیٹ بھرنے کے لئے دوسروں کو بھوکا مارنے کا ہنر پیٹ بھر کر سیکھ لیا تھا جس کی شیطانی کمک پر ہم انسانوں سے جانوروں کا سا سلوک روا رکھتے تھے۔ جس میں ہم نے پیسہ کو خدا بنا لیا تھا اور خود غرضی کو اپنا دھرم، ایمان، جس میں ہم اپنا الو سیدھا کرنے

کی خاطر مذہبی تعصبات کو بے روک ٹوک اکسانے اور بھائی کو
بھائی کے اور دوست کو دوست کے خلاف کھڑا کر دینے کا
ہنر سیکھ گئے۔ جس نے ہمیں ٹکڑیوں میں بانٹ کر ہماری قومی
زندگی کو تتر بتر کر دیا۔ وہ غلامی ابھی دو برس ہوئے کہ قانوناً ختم
ہوئی ہے۔ قانوناً عملاً تو وہ اس وقت ختم ہوگی جب ہم تم سب مل کر
اپنے ایکے سے، اپنی سوجھ بوجھ سے اپنے فولاد جیسے جسموں
کی مشقت سے جن پر گولیاں پھسل جائیں اور اپنے ان دلوں سے
جن میں اپنے ساتھیوں کی چھوٹی سے چھوٹی مصیبت اور بپتا سے
ایک ٹیس اٹھے اپنی محنت سے ہاں اپنی محنت، اپنی مایوسی اور
تھکاوٹ سے بے پرواہ کوششوں سے اپنی نفرت اور غداری
سے بڑی مخلصانہ خدمت سے ان سارے روگوں کو دور کر دیں گے
جو غلامی نے ہم میں پیدا کر دئے ہیں۔ ساتھیو! کیسا بڑا کام ہے
کیسا کٹھن۔ پر کیسا پیارا کام ہے۔ جن زندگیوں کو اس پیار کے
کام میں کھپانا ہے انھیں نفرت کی تلوار سے ہلاک کرتے ہو؟
جن قوتوں کے بغیر اس پیارے کام کو انجام دینے کا خواب بھی
نہیں دیکھ سکتے انھیں برباد کرتے ہو۔ کیسی نادانی ہے۔ کیسی
ناسمجھی ہے۔ کیسا جنون ہے؟ ساتھیو! اب سب سے پہلا
کام یہی ہے کہ اس نادانی کو دور کرو۔ اس ناسمجھی کو ہٹاؤ۔
جنون کا ہاتھ پکڑو۔

میں جانتا ہوں کہ یہ سن کر تم میں سے بہتوں کے دل میں کیا خیال آئے گا۔ ہزاروں بار اسے سن چکا ہوں۔ روز سیکڑوں بار سنتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ ہم مجنون نہیں ہیں، مجنون کوئی اور ہے ہم جنون کا بدلہ لے رہے ہیں۔ ہاں اگر تم بدلہ بھی لے رہے ہو تو جنون کا بدلہ جنون سے لے رہے ہو اور یہ خود جنون کی علامت ہے۔ بدنصیب ہے بدنصیب وہ آدمی، اور بدبخت ہے بدبخت وہ قوم جو اپنے پن کی ترازو کسی اور کے پاپ کو بنائے جو کسی اور کی بداعمالی کو اپنے عمل کا معیار قرار دے۔ برائی کی نقل کرنے سے کبھی اچھائی نہیں پیدا ہوئی ہے۔ گناہ کی پیروی کر کے کوئی ثواب کی منزل تک نہیں پہنچا

بھائیو، دوستو! ساتھیو، مسلم، ہندو، سکھ، سب اپنے اپنے سینہ پر ہاتھ دھرو اور سوچو، اپنے ضمیر کی آواز پر دھیان دو تو تم کو پتہ چلے گا کہ گناہ ہم سب نے کیا ہے۔ جی بھر کر گناہ، جی بھر کر ظلم۔ ہم سب میں سے کسی کو شرم سے آنکھ اٹھانے کا یارا نہیں۔ گناہ کے پیالے کی تلچھٹ تک ہم سب نے چاٹ ڈالی ہے، تب ہی تو سب کے غم کا پیمانہ لبریز ہے۔ اس غم کو غصہ میں نہ بدلو۔ شرماؤ، شرماؤ اور توبہ کرو سب کے سب شرماؤ توبہ کرو۔ ایک دوسرے پر الزام لگا کر، دوسرے کے گناہ اچھال کر اور اپنے کو دبا کر یہ نہ سمجھو کہ تم اپنے ضمیر کی آواز

کو ہمیشہ کے لئے چپ کر سکتے ہو۔ وہ تمہیں برابر ستائے گی۔ وہ تمہاری نیندیں حرام کر دے گی اور جس نے اسے دبا کر چپ کر دیا وہ تو سخت بد نصیب ہے۔ وہ انسانیت کے درجے کو ہمیشہ کے لئے چھوڑتا ہے۔ جانوروں کو بھی اسے اپنے زمرے میں لینے سے عار ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی قوم کی قوم ایسا کرتی ہے تو وہ ہمیشہ کے لئے مہذب قوموں کی صف سے اپنے کو نکالنے کی حقدار بناتی ہے

بھائیو، دوستو! ساتھیو! اپنی انسانیت کو بچاؤ۔ اپنی قوم کے مہذب زندگی کے حق کو تلف نہ ہونے دو۔ تہذیب اور انسانیت اور شرافت کی وہ ساری پونجی جو ہم نے غلامی کی گھٹا ٹوپ رات میں نفاق کی آگوں سے خود غرضی کے طوفانوں سے بچا کر نکالی تھی اسے آزادی کی پو پھٹتے وقت خاک میں ملاتے ہو؟ ایسا نہ کرو۔ اسے بچاؤ اور تہیہ کر لو کہ اپنی زندگی کو اس پیارے کام میں کھپا دو گے۔ جس کی ذمہ داری آزادی نے تمہارے کاندھوں پر رکھی ہے اور یاد رہے کہ اس کام کو نفرت کی گندگی میں لتھڑے ہوئے ہاتھوں اور دلوں سے کبھی انجام نہیں دیا جا سکتا۔ اس کے لئے ضرورت ہے محبت کی، بھروسے اور یقین کی۔

(آل انڈیا ریڈیو کی نشری تقریر ایک پمفلٹ سے ماخوذ)

آل انڈیا ریڈیو کی تقریروں کے سلسلہ میں پنڈت لچھمی شاستری کی تقریر بھی مجھے بہت پسند آئی ہے۔ ذاکر صاحب کی طرح شاستری صاحب بھی صوفی منش آدمی ہیں۔ میں ان کی تقریر حاصل کرنے کی فکر میں ہوں دیکھئے کب ملتی ہے

امن کی کوششوں کا یہ باب نامکمل رہے گا۔ اگر میں مولٰینا حسین احمد صاحب مدنی کی کوششوں کا ذکر نہ کروں، سب جانتے ہیں کہ مولٰینا قرآن شریف اور حدیث کے جید عالم اور مفسر ہیں آپ جیسا متقی اور دیندار عالم قرآن و حدیث کی روشنی میں جب یہ ثابت کرے کہ اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے۔ اس لئے ہندو مسلم اتحاد کی تبلیغ ہمارے فرائض میں سے ہے تو ہم جیسے لوگوں کو جنھوں نے متعصب مولویوں کے ہاتھوں دلوں میں روک پیدا کرلی ہو ڑھی ڈھارس بندھتی ہے۔ مولٰینا نے ساری عمر اسی نیک مقصد میں صرف کی ہے۔ سیاست میں کیسے کیسے اتار چڑھاؤ آئے! قرآن و حدیث کو پڑھے بغیر ان کا نام لے کر بہکانے والے کیسے کیسے لیڈر پیدا ہوئے۔ ہم نے ان لیڈروں کی رہنمائی میں اپنے مخلص بزرگوں کو گالیاں دیں، ڈاڑھی نوچی، منہ پر تھوکا، مار پیٹ کی، جب ہم پر مصیبت آئی تو یہی بزرگ ہماری ڈھال بن کر سامنے آئے اور ہندو مسلمان جنونیوں سے مخاطب ہو کر کہا:۔

ہر شخص کو اپنے فرقہ سے محبت کرنے کا حق ہے اور ایک دوسرے کے فرقہ میں داخل بھی ہو سکتا ہے مگر دراصل فرقہ واریت بڑی چیز ہے۔ آپ نے فرقہ واریت کی تعریف اسلامی نقطۂ نظر سے کرتے ہوئے کہا کہ فرقہ واریت مذہب میں تعصب اور غلو کا نام ہے

کوئی مذہب غلو کر کے دوسرے مذہب والوں کی توہین کرے اور اس پر مظالم کرے۔ اس کا نام فرقہ واریت ہے۔ لیکن نہ اس کو اسلام نے سکھایا ہے نہ عقل نے اور نہ انصاف نے۔ اسلام برابر عدل وانصاف کی تعلیم دیتا ہے اور حکم دیتا ہے۔ آپ نے ایک آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے کہا کہ "کسی جماعت سے تمہاری دشمنی ان پر ظلم کرنے کے لئے آمادہ نہ کرے"۔ آپ نے کہا کہ ہمارے سامنے تو رسول کی عادات اور اخلاق موجود ہیں۔ آپ دشمنوں کے ساتھ بھی ہر معاملے میں اس بات کی احتیاط کرتے تھے کہ کسی کو صدمہ نہ پہنچے۔ اور اپنے ستانے والوں کے ساتھ کوئی بے انصافی نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ ان کے ساتھ انصاف اور فضل کیا۔ آپ نے کہا کہ اسلام نے ہمیشہ غلو اور تعصب کو سختی سے روکا ہے۔ آپ نے اس سلسلہ میں قرآنی آیات اور تواریخ اسلام رسول کی عادات وغیرہ سے اس بات کو ثابت کیا کہ فرقہ واریت بدترین چیز ہے۔ آپ نے کہا کہ فرقہ واریت کا عمل یہ ہے کہ غیر فرقہ کے لوگوں کے حقوق ضائع کئے جائیں اور خدا زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ آپ نے ۱۵ اگست سے کچھ پہلے اور بعد کے ہولناک واقعات قتل وغارتگری کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ واقعات کیوں ہوئے! جس طرح مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے ساتھ ظلم کیا گیا اسی طرح مغربی پنجاب میں ہندوؤں کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا وہ بھی اسی حیثیت سے تھا

کہ وہ ہندو تھے۔ اس کا تمام فرقہ داریت سے ہے جو اسلام کے اصول کے خلاف عدل وانصاف کے خلاف ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ ہمارے ملک میں فرقہ داری جماعتیں بنائی گئیں اور انہوں نے فرقہ داری کو انتہائی عروج پر پہنچا دیا۔ آپ نے کہا کہ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت اور دوسرے بادشاہوں کا بھی راج رہا لیکن یہ فرقہ داریت اس دور میں بھی نہ تھی اس کے ثبوت میں انگریزوں کی تحریریں اور متعدد اسناد پیش کیں جن میں بتایا گیا تھا کہ انگریزی حکومت سے مسلمانوں کی حکومتیں کہیں بہتر تھیں مسلمان بادشاہوں نے ہندوستان کے اصلی باشندوں کو ہر قسم کے حق دے رکھے تھے۔ اور اس وقت یہ کیفیت تھی کہ جیسے کوئی فرقہ ہے ہی نہیں۔ آپ نے کہا کہ بابر نے اپنے لڑکے ہمایوں کو وصیت کی تھی کہ ہندوستان مختلف مذاہب سے بھرا ہوا ہے تعصب کو دھو ڈالو۔ عدل وانصاف کرنے میں مذہب کا خیال نہ کرو رعایا میں اتحاد عمل پیدا کرو۔ جس طرح مختلف عناصر کے اتحاد سے جسم بنا ہوا ہے اسی طرح سے مختلف فرقوں کے اتحاد سے سلطنت کا ایک جسم بناؤ۔ سلسلہ تقریر میں آپ نے کہا کہ ہمارے جتنے بڑے اور بزرگ گزرے ہیں وہ سب مذہب کے انتہائی پابند تھے لیکن ان میں تعصب اور غلو نہ تھا۔ اورنگ زیب کے زمانہ کی مثال دیتے ہوئے آپ نے کہا کہ ان کے زمانہ

میں خزانہ کا سب سے بڑا عہدہ دو پارسیوں کو سپرد کیا گیا تھا اس وقت لوگوں نے اعتراضات کئے جس کے جواب میں اورنگ زیب نے کہا تھا کہ دنیوی معاملات میں مذہب کو دخل نہیں ہوتا ۔ اورنگ زیب کے بڑے عہدیداران اور افسران میں ہندوؤں کی بڑی تعداد تھی ۔ جہانگیر نے بھی امیر توپ خانہ راجہ بکرماجیت کو بنایا تھا ۔ اسی طرح ہندو راجگان نے بھی کیا ۔ راجہ رنجیت سنگھ کے وزیر اعظم پیرزادہ عزیزالدین اور توپ خانہ کے انچارج الٰہی بخش تھے ۔ مرہٹوں کے توپ خانہ کے انچارج ابراہیم تھے ۔ روہیلہ نوابوں کے مشیر اور وزراء ہندو ہی ہوتے تھے ۔ آپ نے کہا کہ انگریزوں نے دو سو برس حکومت کی لیکن توپ خانہ کی ہوا بھی کسی ہندوستانی کو نہ لگنے دی

آپ نے کہا کہ اس زمانہ کے ہندو اور مسلمان مذہب کے بڑے پکے تھے ۔ آج تو دونوں ادھورے ہیں ۔ یہ اس پرانے زمانہ کا اثر ہے کہ آج بھی ہر جگہ ہندو مسلمان ملے جلے آباد ہیں ۔ اگر شہری حقوق کا چھینا ہندو مسلمانوں کے یہاں رائج ہوتا تو یہ ملی جلی آبادیاں ہرگز نہ ہوتیں ۔ آج جو فرقہ واریت پھیلائی گئی ہے ۔ اس کا یہ نتیجہ ہے کہ پٹیالہ جہاں ساڑھے چار لاکھ مسلمان آباد تھے ۔ وہاں اب ایک بھی نہیں ۔ الورا

بھرت پور کی بھی یہی حالت ہے۔ دوسری طرف بھاولپور میں بھی
خال ہی خال ہندو نظر آتا ہے آپ نے کہا کہ انگریز مصنف
مسٹر بڑنر نے لکھا ہے کہ سیواجی اور ٹیپو کو مذہبی مجنوں کہا
جاتا ہے۔ لیکن اس زمانے کے ہر دربار میں خواہ وہ ہندو کے
ہوں یا مسلمان کے کہیں فرقہ وارانہ اختلاف نظر نہیں آتا تھا
آپ نے کہا کہ یہ اس وقت ہندوستان میں ہو رہا تھا جب
یورپ میں خون کی ارزانی تھی۔ مذہبی اختلاف کی بنا پر قتل
جائز تھے۔ سر جان مارشل کا قول ہے کہ ہندو مسلمانوں میں
عام منافرت انگریزوں کے زمانہ میں پھیلی اور کبھی ہندو مسلمان
میں گائے کے معاملہ میں جھگڑا ہو جاتا تھا تو وہ بہت ہی
معمولی ہوتا تھا۔ آپ نے کہا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے
انتظام میں تاریخ مرتب کرائی۔ اور واقعات کو اس طرح سے
توڑ مروڑ کر لکھا یا گیا کہ ہندو مسلمانوں میں منافرت پیدا ہو
انگریز کی پالیسی لڑاؤ اور حکومت کرو تھی۔ سر جان نے
یہ بھی کہا کہ بغض عناد اس وقت پھیلا جب ہندوستان میں
علم پھیلا۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ اس سے پہلے ہندوستان
میں کوئی علم ہی نہ تھا لیکن ہاں وہ علم نہ تھا جو آج ہے آپ
نے کہا کہ انگریزی حکومت سے قبل گذشتہ دور میں گاؤں گاؤں
میں مدرسے تھے۔ پروفیسر میکس مولر کا بیان ہے کہ بنگال میں

انگریزی حکومت سے قبل اسی ہزار مدرسے تھے ہملٹن کا قول ہے
سندھ کے ایک شہر ٹھٹھا میں چار سو کالج موجود تھے۔ بہر حال آج
کل بھی ہندوستان میں جو جنگ و جدل ہو رہی ہے۔ اس کی بھی
ذمہ داری انگریزی حکومت پر ہے۔ آپ نے کہا کہ میرے پاس
دستاویزی ثبوت موجود ہے کہ اس جھگڑے میں روپیہ بھی ان ہی
کا خرچ ہو رہا ہے اور فتنہ و فساد پھیلاتے بھی ان ہی کے لوگ
آئے ہیں۔ آپ نے یہ بھی انکشاف کیا کہ مسلم لیگ اور ہندو
مہا سبھا دونوں جماعتیں برطانیہ کے پیٹ ہی سے پیدا ہوئی
ہیں۔ دسمبر ۱۹۰۶ء کی آخری تاریخوں میں ڈھاکہ میں مسلم لیگ اور
لاہور میں مہا سبھا کا جنم ہوا۔ برطانیہ کے کارنامے ہندوستان میں
ہمیشہ خونی رہے اور اس سے جو بھی بنے گا وہ خونی ہی ہوگا
۱۸۸۵ء میں ہندو، مسلمان، پارسی، عیسائی نے مل کر انڈین نیشنل
کانگریس کی بنیاد ڈالی۔ جسکا پہلا صدر بنگالی تھا اور جس میں
۲۷ آدمی شریک ہوئے تھے اور ان میں دو مسلمان تھے
۱۸۸۶ء میں کانگریس کے صدر دادا بھائی نوروجی تھے اور
ممبران کی تعداد ۳۰۴ تھی۔ ۱۸۸۷ء میں کانگریس کا اجلاس مدراس
میں ہوا۔ یہاں سو مندوبین نے شرکت کی اور صدر جسٹس بدرالدین
طیب جی تھے۔ ۱۸۸۸ء کا اجلاس الہ آباد میں ہوا جس میں گیارہ
سو ممبران شریک تھے۔ اس کا صدر ایک عیسائی تھا۔ انگریزوں کی

نے جب ہندو مسلمانوں کا یہ اتحاد دیکھا تو اسے اپنی موت نظر آئی۔ لیگ کے پہلے ہی اجلاس میں یہ کہا گیا تھا کہ لندن میں لیگ کے قیام پر خوشیاں منائی جا رہی ہیں کہ ہندوستان میں لیگ قائم ہو گئی۔ ہندو مسلمانوں میں منافرت کی مثالیں دیتے ہوئے آپ نے کہا کہ سنہ ۱۹۰۰ء میں کانپور میں طاعون پھیلا ڈاکٹر نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو شہر خالی کرنے کا حکم دیا۔ مگر ہندو مسلمانوں نے مل کر حکم کی خلاف ورزی کی مجبوراً اس وقت لفٹیننٹ گورنر جنرل کو وہاں جانا پڑا۔ لیکن جب اس کے کہنے کا بھی کوئی اثر نہ ہوا تو لکھنؤ آ کر اس نے حکم دیا کہ ناگری رسم الخط میں بھی عرضیاں قبول کی جائیں اس حکم سے اختلاف پیدا ہونے لگا۔ آپ نے کہا کہ پاکستان کا خیال کسی مسلمان کا نہیں۔ بلکہ مسٹر ڈارون جج میرٹھ نے سنہ ۱۹۳۱ء میں لکھا تھا کہ ہندوستان میں اب ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان ہی بنانا مناسب ہے اور کراچی ہی ایک ایسی بندرگاہ ہے جہاں سے ہم سارے ایشیا میں تجارت کر سکتے ہیں۔ آپ نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ انگریزوں نے ہندوستان جنت نشان کو ہندوستان جہنم نشان بنا دیا

آخر میں آپ نے کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ فرقہ داریت پیدا کرنا خودکشی کے مترادف ہے۔ کانگریس اور جمعیۃ العلماء ہمیشہ

فرقہ وارانہ اتحاد کی حامی رہیں کانگریس کے بنیادی اصول
میں صاف موجود ہے کہ ہر مذہب آزاد ہوگا اور اقلیت کی
حفاظت کی جائے گی۔ مسلمان ہمیشہ اسی کا عادی رہا ہے۔ اور
اس کے تعلقات ہندوؤں سے ہمیشہ رہے ہیں۔ مسلمان ہندوستان
کے لئے کوئی نیا نہیں ہے۔ آپ نے کہا کہ تاریخ بتاتی ہے
کہ محمد بن قاسم کے ہندوستان میں آنے سے قبل بھی مسلمان
ہندوستان میں موجود تھے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سلطان
محمود غزنوی کے بعض حملے بھی اسی وجہ سے ہوئے تھے کہ وہ
ہندو راجاؤں سے اپنے مسلمان باغیوں کو لینا چاہتا تھا لیکن
راجہ ہمیشہ انکار کرتے رہے جس پر سلطان نے حملے شروع
کردئے آپ نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ کوئی ایسا فعل
نہ کریں جس سے فرقہ واریت پیدا ہو اور کانگریس ہی وہ
سیاسی جماعت ہے جو فرقہ داریت سے الگ رہی اسی سلسلہ
سلے آپ نے ثبوت دیتے ہوئے کہا کہ کانگریس کے صدر نو مسلمان
چھ عیسائی اور چار پارسی ہو چکے ہیں۔ اور ہر ہندوستانی
اس کا ممبر ہو سکتا ہے۔ اور ایسی جماعت کے ہونے ہی پر
مذہب کے حقوق ہر وقت محفوظ ہو سکتے ہیں !!

ایک طرف ہندوستان کے مشہور رہنما امن قائم کرنے کے لئے
اپلیں کر رہے تھے تو دوسری طرف ان کی رعایا امن کی کوششوں

میں مصروف تھی ما سی دہلی کو لیجئے جب عید، دسہرہ۔ دیوالی کا موقع آیا تو علاقہ نمبر ۱۳، ۱۴ کے ہندوؤں کی جانب سے بقر عید کے موقع پر مسلمانوں کو پارٹی دی گئی۔ اس کے جواب میں عزیز گنج، شیش محل کشن گنج کے مسلمانوں کی طرف سے علاقہ نمبر ۱۳، ۱۴ کے ہندوؤں کو دیوالی کے موقع پر مٹھائی کی پارٹی دی گئی۔ اسی طرح باڑہ ہندوراؤ کے مسلمانوں نے بھی پہاڑی دھیرج اور پہاڑ گنج کے ہندوؤں کی ضیافت کی۔ جواب میں ان حضرات نے ان کی بھی آؤ بھگت کی۔ میر مشتاق احمد صاحب نے ہندو شرنارتھیوں کی امداد کے لئے مسلمانوں کی طرف سے پچاس ہزار کی تھیلی پیش کرنے کا جو اعلان کیا ہے اس میں قصاب پورے کے مسلمانوں نے دو ہزار چندہ دیا

شاہ گنج کے محلے میں مسلمان زیادہ گنتی میں رہتے ہیں۔ جب فسادات کا زور بندھا تو یہاں کے ہندو اکثریت کے محلے میں چلے گئے۔ شاہ گنج کے مسلمانوں نے ان کے مکان اور جائداد کی حفاظت کی۔ جب امن قائم ہوگیا تو ان ہندوؤں کو اپنے محلّوں میں واپس لائے

یہ میں کسی موقع پر لکھ چکا ہوں کہ مجسٹریٹ مصرا، مہرولی میں مسلمانوں کی امداد کرتے ہوئے اور پناہ گزینوں کو حفاظت میں پاکستان بھجوانے والے مصرا نظام الدین کے اسٹیشن پر ایک فوجی کی گولی سے مارے گئے۔ یہ فوجی کو اس بات پر ڈانٹ رہے تھے کہ وہ پناہ گزینوں کو کیوں تنگ کرتا ہے۔ اسی طرح جہانگیر سنگھ مسلمانوں کی لاشیں اٹھاتے

ہوئے غلط فہمی میں مارے گئے

دہلی سے باہر ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں بھی عید اور دسہرہ کے مشترکہ جلسے منعقد کئے گئے۔ جنوبی کلکتہ کے ہندوؤں نے ان تمام محلوں کی مسجدوں میں جو گذشتہ سال خطرناک ممنوع الداخلہ قرار دی گئی تھیں۔ اپنی نگرانی میں نماز کا انتظام کیا

لکھنؤ میں دسہرہ اور عید کے موقع پر متعدد مشترکہ تقریبات منائی گئیں۔ ان تقریبات میں ہزاروں کی تعداد میں ہندو اور مسلمانوں نے شرکت کی جس میں، یو۔ پی کی گورنر مسز سروجنی نائیڈو، پنڈت پالیوال مسٹر لال بہادر شاستری، مسٹر کیشور دیو مالویہ، حافظ محمد ابراہیم اور متعدد ذمہ دار حضرات نے شرکت کی۔ مقررین نے اس موقع پر لکھنؤ کی روایات کی تعریف کی کہ اس نے سر اونچا کرنے کا موقع دیا۔ اور اپنے مقدس تیوہاروں کو امن و شانتی سے منایا، دسہرہ کے موقع پر مسلمانوں کی طرف سے سبیلیں لگائی گئیں اور ہندوؤں کی دعوت کا انتظام کیا گیا۔ عید کے موقع پر ہندوؤں کی طرف سے سبیلیں لگائی گئیں اور دعوتوں کا انتظام ہوا۔ محلوں محلوں میں کتھا اور میلاد کی مشترکہ محفلیں منعقد کی گئیں۔ اور ان میں لوگوں نے گرمجوشی سے حصہ لیا۔ اور ثابت کیا کہ آج بھی ہندو اور مسلمان ایک ہی قوم کے افراد ہیں۔ اور انہیں اس بات پر فخر ہے کہ لکھنؤ کو اس درندگی اور حیوانیت سے محفوظ رکھا۔ اس کا اعتراف مسٹر لال بہادر شاستری

وزیر انصاف یو. پی نے کہا کہ ان مقدس تہواروں سے قبل کچھ اندیشے تھے۔
لیکن لکھنؤ کے عوام نے ان کے اندیشوں کو دور کیا

بہار اسمبلی میں مخالف پارٹی کے لیڈر مسٹر لطیف الرحمٰن نے ایک بیان
دیتے ہوئے فرمایا:-

"دسہرہ اور بقرعید کے موقع پر مکمل امن وامان قائم رکھنے کے لئے
حکومت بہار کو میں اپنی دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اس وقت
تمام ملک کے اندر فضا مکدر ہورہی ہے لیکن مجھے مسرت ہے کہ
ہمارے صوبے میں اکثریت اور اقلیت دونوں نے اپنے فرائض
اور ذمہ داریوں کو محسوس کیا مجھے ذاتی طور پر معلوم ہوا کہ کس طرح
حکومت بہار نے اپنی بہترین کوششوں سے ہر خطرہ مول لے کر
امن برقرار رکھا۔ میں اس کے لئے شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں
کہ عوام کے اندر اطمینان اور ایک دوسرے پر اعتماد پیدا ہوگیا ہے
وہ ماضی کی تلخیوں کو بھول گئے ہیں۔ خدا کرے یہ امن بدستور
برقرار رہے کہ بنی نوع انسان کے لئے یہ ضروری ہے"

(انجام دہلی ۳۰ اگست ۱۹۴۸ء)

ہندوستان کی ریاستیں، بھوپال اور حیدرآباد میں بھی عید اور دسہرہ
کے تیوہاروں پر مشترکہ جلسے منعقد کئے گئے

میوات و جاٹ ان جھگڑوں میں بہت بدنام ہوتے ہیں لیکن ایک عجیب
پہلو کا انکشاف بھی ہوا ہے۔ پنڈت سندر لال اپنے بیان کے ایک حصہ میں

لکھے ہیں :-

"ضلع گوڑگاداں میں میو اور جاٹوں کی لڑائی بھی ایک انوکھا واقعہ ہے۔ جو لوگ ہندو راجپوت سے مسلمان ہوئے ہیں ان کے رسم و رواج ہندو راجپوتوں سے بہت ملتے جلتے ہیں۔ سالہا سال سے مسلم میو اور ہندو جاٹ بطور اچھے پڑوسیوں کے رہتے آئے ہیں موجودہ فسادات کے دوران میں ہندو فرقہ وارانہ ذہنیت رکھنے والے، جاٹوں کے پاس اور اسی قسم کے مسلمان میو کے پاس پہنچے۔ ان دونوں کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہونی شروع ہوئی۔ بالآخر لڑائی شروع ہوگئی میو کے مواضعات اگرچہ یکجا واقع ہوئے ہیں لیکن میو کے ہر گاؤں میں کچھ ہندوؤں کے مکانات بھی ضرور ہوتے ہیں۔ اسی طرح جاٹوں کے ہر ایک موضع میں مسلمانوں کی اقلیت ہوتی ہے جو نسل سے جاٹ ہی ہوتے ہیں۔ میوؤں اور جاٹوں کی لڑائی کئی دن تک چلتی رہی۔ میو کے مواضعات کے ہندو مسلمان میوؤں کی شرکت میں ہندو جاٹوں کے ساتھ اور مسلم جاٹ ہندو جاٹوں کی شرکت میں میو سے لڑتے رہے۔ ہر شخص اپنے گاؤں کا وفادار تھا۔ فریقین کی تعداد ہر جانب ہزاروں تھی لوگ دن بھر تو لڑتے تھے اور شام کو پھر سب چوپال میں جمع ہوجاتے تھے۔ یعنی میو اور جاٹ اکٹھا جمع ہوجاتے تھے اور ایک دوسرے کو الزام دیتے تھے کہ باہر کے آدمیوں کے ورغلانے میں آکر اپنے یہاں

کے امن و امان کو تباہ کر رہے ہیں - یہ قصہ بہت دنوں تک چلتا رہا۔ لیکن اس لڑائی کے دوران میں کسی میو نے کسی عورت یا بچے پر ہاتھ نہیں ڈالا - جاٹوں نے بھی اس بہادری کے قاعدے پر عمل کیا - بالآخر ایک شام کو ہر دو فریق کو محسوس ہوا کہ ان کو آپس کی لڑائی ختم کر دینی چاہیئے - اگلی صبح کو مجسٹریٹ ضلع کو بلایا - مجسٹریٹ ضلع اور فوج والوں کی موجودگی میں میو اور جاٹوں نے عہد پیماں کیا کہ آئندہ وہ نہ لڑیں گے - ہر دو فریق نے باہر کے لوگوں پر جنھوں نے ان کو ایک دوسرے سے لڑایا تھا لعنت بھیجی اور اس بات کا ارادہ کر لیا کہ آئندہ نہ لڑیں گے اور بہ طریق قدیم امن و امان سے رہتے رہیں گے جب ۵ر نومبر کو میں گوڑگاؤں کے ان مواضعات میں گیا تو میو اور جاٹوں کو پہلے ہمسایوں کی طرح رہتا ہوا پایا - فرق صرف اس قدر ہے کہ وہ کسی باہر کے فرقہ دارانہ فساد بڑھانے والے کو خواہ وہ ایک فرقے کا ہو یا دوسرے کا اپنے مواضعات میں نہیں گھسنے دیتے -

(قومی آواز، لکھنؤ)

ہندوستان کے دارالسلطنت دہلی میں پنڈت سندرلال کی کوششوں سے "روحانی سوسائٹی" قائم ہوئی ہے جس کا مقصد لوگوں میں اونچے اقدار کی بنا پر سچی دوستی پیدا کرنا ہے - اس کے جلسے ہفتہ وار ہوتے

ہیں جن میں صاحب دل صاحب دماغ لوگ اپنے خیالات سے نیکی کا بیج بوتے ہیں۔ ایک جلسے میں سردار سنت سنگھ صاحب نے فرمایا:-

"ہم چہرے کو دھو دھا کر باہر نکلتے ہیں۔ لیکن یہ تو باہر کی صفائی ہے۔ ہماری سب اندرونی برائیاں پیشانی پر منعکس ہو جاتی ہیں۔ کیا ہم نے چہرہ صاف کرتے وقت یہ بھی دیکھا ہے کہ ہماری پیشانی بے داغ، ہماری نگاہ اور ہماری زبان طنز کے تیر و نشتر اور تلخی سے خالی ہے"

جو کرتوتیں انسان نے کیں، جو ظلم انسان نے انسان پر ڈھائے ان کے ذکر سے دل لرزتا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو مذہب کو ماننے والے ہیں۔ آج خدا کے نام لیوا لوگوں کا خون نچوڑ کے پی رہے ہیں۔ تاریخ میں پہلے بھی ایسے موقعے آئے جب انسان اپنے آپ کو بھول گئے اس وقت مہاتما آئے اور انھوں نے سچائی کا اپدیش دیا۔ مہاتما بدھ کے وقت بھی یہی حالت تھی جو آج ہے۔ مہاتما بدھ نے انسانیت کے اصول وضع کئے۔ جو انسان رام رام کہتا ہے لیکن دوسری طرف لوگوں کا خون چوستا ہے اس کی روحانیت پھل نہیں لا سکتی

پچھلے فسادات میں انسانیت کی جھلک کہیں نظر نہیں آئی بیاس میں سنتری بابا ساون سنگھ جی مہاراج نے مسلمانوں کو پناہ دی اور انھیں اپنے گوردوارے میں رکھا۔ میں نے خود

ان بھائیوں کو بچایا۔ اسی طرح پاکستان میں مسلمانوں نے اپنے
ہندو بھائیوں کو بچایا حضرت موسیٰ نے انسانیت کے جو دس اصول بتائے
ان کا نچوڑ بھی یہی ہے کہ خیال میں بھی کسی کو دکھ مت دو۔
ویاس جی سے کسی نے دھرم کے معنی پوچھے تھے انہوں
نے ایک فقرے میں ساری بات کہہ دی کہ دوسروں سے وہی
سلوک کرو جو تم چاہتے ہو کہ تم سے کیا جائے۔ یہی بات یسوع
مسیح نے کہی ہے۔ بھگوان کرشن نے ارجن کو یہی اپدیش
دیا تھا۔ اگر کوئی تمہاری شرن میں آجائے تو اس کی رکشا کرو
حضرت محمد صاحب کی بھی یہی تعلیمات ہیں۔"

۷۔ پاکستان میں امن کے لئے کوششیں

ہندوستان کی طرح پاکستان میں بھی امن کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ اس کام کی تفصیل تو آپ ہی اچھی طرح جانتے ہیں کہ آج کل آپ کو وہاں رہنے کا موقع ملا ہے البتہ اخبارات اور ریڈیو سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کام میں غضنفر علی خاں صاحب وزیر خوراک پیش پیش ہیں۔ موصوف کی یہ تقریر آپ نے اخبارات میں پڑھ لی ہوگی۔

"ہندوستان اور پاکستان میں جو وحشیانہ حملے اور واقعات ہوئے اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ نہتی عورتوں اور بچوں کو مارنا۔ کنواری لڑکیوں کو بھگا لے جانا ایسا گناہ ہے جو کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا اس قسم کے مظالم کی داستان کسی بھی ملک میں جو اس کے نام کے شایان شان ہو نہیں دہرائی گئی ...... میں چیلنج کرتا ہوں کہ کوئی ہے کہ جو آکر بتلائے کہ قرآن اس قسم کے غیر انسانی کام کرنے کا کہاں حکم دیتا ہے۔ اسلام ایک خدائی مذہب ہے۔ فطری اور روحانی مذہب ہے جو اس عقیدہ اور مذہب کے ماننے والے ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ اس کے اصولوں پر عمل کریں اور پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلامی تہذیب اور روایات

کا نمونہ بنا کر دکھائیں .... پاکستان قائداعظم کی دین ہے جنھوں نے ایک بار نہیں متعدد بار پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کا یقین دلایا ہے۔ اس قسم کی قتل و غارتگری سے جیسا کہ ابھی گجرات کے قریب ایک غیرمسلم پناہ گزینوں کی ٹرین پر حملہ کر کے کی گئی پاکستانی اپنے اس قائداعظم کے ساتھ غداری کا ثبوت دے رہے ہیں جس نے ان کے لئے اتنی قربانی کی۔

اس میں شک نہیں ہندوستان میں ہندو اور سکھ بھی اس قسم کے واقعات میں برابر کے مجرم ہیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو اور مہاتما گاندھی ڈومینین میں پھر سے نظم و نسق قائم کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں لیکن لوگ ہیں کہ ان کی نصیحت پر کان ہی نہیں دھرتے ...... مہاتما گاندھی نے برت رکھ کر اس بات کا عملی ثبوت دے دیا ہے کہ واقعی انھیں ہندو مسلم اتحاد اور آپس میں میل جول کتنا عزیز ہے۔ ہم ان کی جتنی عزت کریں کم ہے .... میں پرزور اپیل کرتا ہوں کہ ہندوستان کے لوگ مسلمانوں کی طرف سے اپنے دلوں کو بدلیں گے اور پچھلی باتوں کو بالکل بھول جائیں گے

پاکستان ایک نازک دور سے گذر رہا ہے تقریباً پچاس ساٹھ لاکھ مسلمان یہاں آچکے ہیں۔ ان میں سے بیشتر ایسے ہیں جن کا سب کچھ جا چکا ہے۔ ان قسمت کے ماروں کو

دوبارہ بسانے اور ان کے رہنے وغیرہ کا معقول انتظام کرنا کسی بھی حکومت کے لئے کوئی آسان کام نہ تھا ...... ان پناہ گزینوں کے مسئلے کو حل کرنے کے سلسلے میں ایک تجویز یہ بھی ہے کہ ملک کی صنعت کو قومی بنا دیا جائے گو مجھے زمینداروں اور سرمایہ داروں سے کوئی محبت نہیں اور خصوصاً پچھلے دنوں مسلمانوں کے مفاد کی طرف سے ان کی بے حسی دیکھ کر جو تھوڑی بہت ہمدردی تھی وہ بھی ختم ہو گئی لیکن میرے خیال میں پناہ گزینوں کے مسئلے کا ملک کی صنعت کو قومی بنانے کے مسئلے سے کوئی تعلق نہیں

پاکستان اور ہندوستان میں جنگ کے متعلق لوگ غلط غلط خبریں اڑاتے پھرتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ ان دونوں ریاستوں کے درمیان جو ابھی ابھی وجود میں آئی ہیں۔ جنگ ہو گئی تو دونوں میں کسی ایک کا باقی رہنا بھی مشکل ہے

میری خواہش ہے کہ ہندوستان کی حکومت آپس کے اختلافات کو دور کرنے کے لئے ایک کانفرنس بلائے ...... اگر اس قسم کی دعوت پاکستان کو ملی تو وہ اس کو بخوشی منظور کرے گا

جب تک مشرقی پنجاب میں خالص ہندو اور سکھ

اور مغربی پنجاب میں خالص مسلمان آباد رہیں گے ، دونوں ڈومنینوں میں دوستی ہونا ناممکن ہے ۔ مجھے اُمید ہے ایک دن ضرور آئے گا جبکہ پناہ گزیں اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ جائیں گے ..... موت کے علاوہ اس سے بڑھ کر ایک شخص کو اور کیا سزا دی جاسکتی ہے کہ اس کو اس کے مادر وطن سے نکال دیا جائے گا!

آپ لوگ یہ یاد رکھئے کہ اگر آپ نے کسی غیر مسلم پر حملہ کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا آپ ان چار کروڑ مسلمانوں کی جان کو خطرہ میں ڈال دیں گے جن کی کوششوں اور قربانیوں کی بدولت پاکستان ایک علیحدہ ریاست کی صورت میں وجود میں آئی۔"

پاکستان کی حکومت نئی نئی بنی ہے ۔ اس لئے یہاں کے وزیر اعظم کی مشکلات سوا ہیں ۔ لیاقت علی خاں صاحب کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ یہ سوجھ بوجھ کے ادمی ہیں ۔ اُن کی تقریریں زور ہے ۔ اخبار م پیام کے ذریعے جتنی تقریر مجھے مل سکی ہے وہ یہاں درج ہے :

(سٹیٹسمین دہلی)

ہر وہ شخص جو ذرا بھی سیاست کی سوجھ بوجھ رکھتا ہے یہ جانتا ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کے درمیان جنگ کا مطلب دونوں کی تباہی ہے ۔ انھوں نے پاکستان کے تمام مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ بدلہ اور انتقام کے جذبات

سے بلند ہو کر پاکستان میں مکمل امن و امان کے قیام میں حکومت
کا ہاتھ بٹائیں۔ انھوں نے کہا کہ وہ امن کی اپیل اس لئے
نہیں کر رہے ہیں کہ بدامنی سے مشرقی پنجاب اور دوسرے
ہندوستانی علاقوں کے مسلمان خطرہ میں پڑ جائیں گے وہ
. . . . بلکہ خالص
اخلاقی اصولوں کی بنا پر ایسا کر رہے ہیں

مسٹر لیاقت علی خان نے کہا کہ اگر ہندوستان میں وحشت اور
بربریت کے ہولناک مظاہرے کئے جائیں تو اس کا مطلب
نہیں کہ ہم بھی جذبات کی رو میں بہہ کر انتقامی کارروائی شروع
کردیں ہم نے خدا رسول اور ساری دنیا کے سامنے یہ عہد کیا تھا
کہ پاکستان کی بنیاد ظلم اور تشدد پر نہیں بلکہ اخلاقی رواداری
اور انسانیت کے اصول پر ہو گی، اور ہمارا فرض ہے کہ اس
عہد کو پورا کریں

. . . .

. . . .

. . . . مجھے شرم اور ندامت
محسوس ہوتی ہے کہ جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ بعض جگہ اکثریت
اقلیت کے تحفظ میں ناکام رہی ہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے
کہ وہ اقلیتوں کی عزت و آبرو کی اس طرح حفاظت کریں

جس طرح وہ اپنی عزت اور آبرو کی کرتے ہیں
وزیراعظم پاکستان نے کہا کہ جب تک مکمل امن قائم نہیں ہوگا ملک ترقی نہیں کرسکتا۔ انھوں نے ملک کی تقسیم اور بعض دوسری ناانصافیوں کو صرف اس لئے منظور کیا تھا کہ حالات پرامن طور پر ہو جائیں اور اس مقصد کے لئے حکومت سخت کارروائی کرنے سے بھی گریز نہ کرے گی

مسٹر لیاقت علی خاں نے عوام کو متنبہ کیا کہ جو شخص بھی ملک کے امن میں خلل اندازی کرنے کی کوشش کرے گا اس کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔ خواہ اس کا سیاسی قد کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو۔ انھوں نے اعلان کیا کہ تمام اضلاع کو خطرناک قرار دے دیا گیا ہے۔ اور حکومت فسادات اور بدامنی کو کچلنے کے لئے سخت ترین کارروائی کرنے کا فیصلہ کرچکی ہے اور اس میں اجتماعی جرمانے بھی شامل ہیں

مسٹر لیاقت علی خاں نے آخر میں کہا کہ ان کی حکومت ان مشکلات سے واقف ہے جو اس کی راہ میں پیدا کی جارہی ہیں۔ لیکن وہ غافل نہیں اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھی عوام کو اس پر اعتماد کرنا چاہیئے اور قیام امن کے کام میں ان کا ہاتھ بٹانا چاہیئے۔ کیونکہ ان کے بغیر پاکستان مضبوط نہیں ہوسکتا۔ یہ بدامنی نے ان کی بنیادوں کو کمزور

کر دیا ہے ۔ جو ہندوستان کے لئے بھی اتنا ہی ضروری ہے
جتنا کہ ہمارے لئے

جو لوگ امن کو خراب کر رہے ہیں وہ اپنے ملک کی
پشت میں چھرا گھونپ رہے ہیں

(پیام دہلی مورخہ ۱۰ اکتوبر سنہ ۴۷ء)

نومبر کے تیسرے ہفتے میں پاکستان کے ترقی پسند ادیبوں ، شاعروں اور فن کاروں کی پہلی کانفرنس لاہور میں منعقد ہو رہی ہے جس میں اردو کے تمام مشہور اہل قلم حصہ لیں گے ، اور ان مسائل پر سوچ بچار کریں گے ۔ جو موجودہ نفرت ، قتل و غارت گری کے ماحول میں ادب اور تہذیب کے مشترکہ اثاثہ کو بچانے کے لئے ضروری ہیں ، اور امن قائم کرنے کے لئے کوشش کریں گے

اس کانفرنس کے فوراً بعد ترقی پسند شاعر اور ادیب پاکستان کے شہروں کا دورہ کریں گے تاکہ پاکستان میں جمہوری رجحانات کو فروغ ملے ، اور اقلیتوں کے لئے امن و سلامتی کی فضا پیدا ہو
ترقی پسند مصنفین نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے اپنی تمام ترفنی اور ذہنی صلاحیتوں کو وقف کر دیں گے

اس سلسلے میں انجمن ترقی پسند مصنفین لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل اعلان شائع ہوا ہے ۔ جس پر تقریباً ڈیڑھ سو ادیبوں ، شاعروں ، صحافیوں اور فن کاروں کے دستخط

ہیں

گذشتہ ڈیڑھ برس سے ہندوستان فساد کی آگ میں جل رہا ہے، کلکتہ، بہار، بمبئی اور نوا کھالی میں جو انسانیت سوز مظاہرے ہوئے۔ ان سے ہر مہذب انسان کا سر شرم و ندامت سے جھک جاتا ہے۔ یہ فسادات ہماری تہذیب ہمارے اخلاق اور ہماری تاریخ کے دامن پر کچھ کم بدنما داغ نہ تھے لیکن حد بندی کمیشن کے فیصلے کے فوراً بعد پنجاب میں جو خونی ہولی کھیلی گئی ہے۔ تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس خونی ہولی کے ہولناک نتائج ہمارے سامنے ہیں

آج پنجاب کا تین چوتھائی حصہ ویرانوں اور کھنڈروں میں تبدیل ہو گیا ہے، اور ان کھنڈروں میں تہذیب اور انسانیت کی چیخیں گونج رہی ہیں

اخلاق اور کلچر کی وہ سر بلند قدریں جنھیں ہم نے صدیوں کی عرق ریزی کے بعد تعمیر کیا تھا خاک اور خون میں لتھڑی ہوئی دم توڑ رہی ہیں۔ ننھے بچوں کو نیزے کی نوکوں پر چڑھایا جا رہا ہے۔ پناہ گزینوں کے قافلوں پر وحشیانہ حملے کئے جا رہے ہیں بے گناہ انسانوں کو چن چن کر تہ تیغ کر رہے ہیں، اور لڑکیاں مال غنیمت کی طرح تقسیم ہو رہی ہیں۔ . . . . "

ہم پاکستان کے ادیب اور شاعر یہ محسوس کرتے ہیں

کہ اگر موجودہ وحشت اور بربریت کا فوری سدباب نہ ہوا تو دونوں ڈومینینوں کی قومی آزادی خطرے میں پڑ جائے گی۔ عملی زندگی تباہ ہو جائے گی اور ادب، آرٹ اور کلچر کے سرچشمے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خشک ہو جائیں گے

ہم جانتے ہیں کہ یہ فسادات ہماری نوخیز حکومتوں کے خلاف رجعت پسندوں اور انگریزی سامراجیوں کی خوفناک اور زبردست سازش کا نتیجہ ہیں۔ اس سازش کا مقصد جمہوری صفوں میں انتشار پھیلانا عوامی تحریکوں کو کچلنا اور دونوں قوموں کو اقتصادی اور معاشی اعتبار سے اس حد تک کمزور اور دیوالیہ بنانا ہے کہ وہ جون ۱۹۴۸ء سے پہلے پہلے برطانیہ اور امریکہ کے آگے گھٹنے ٹیک دیں۔ اور تیسری جنگ عظیم میں ان کی سامراجی ہوس رانیوں کا آلہ کار بننے پر مجبور ہو جائیں

ہم پاکستان کے ادیب اور شاعر تہذیب، آزادی اور مستقبل کے تحفظ کے نام پر دونوں حکومتوں اور وہاں کے عوام سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ مل کر امن کی فوری اور موثر تدابیر کریں، اور ایسی فضا پیدا کریں جس سے دونوں حکومتوں کے درمیان دوستانہ تعلقات استوار ہوں اور اقلیتوں کو دوبارہ بسانے کی وہ مہم کامیابی سے انجام پا سکے جس کی

رہنمائی ہندوستان میں گاندھی جی، اور پاکستان میں راجہ غضنفر علی خاں صاحب کر رہے ہیں۔ دونوں حکومتوں کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس مقصد کی تکمیل پرانے نوکر شاہی طریقے سے نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کے لئے کانگریس اور لیگی رہنماؤں کو عوام میں آنا پڑے گا اور جمہوریت نواز اور ترقی پسند عناصر کو ساتھ لے کر کام کرنا پڑے گا۔ یہی ایک ایسا طریقہ ہے جس سے ہم موجودہ بحران سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ تبادلہ آبادی ہماری مسائل کا صحیح حل نہیں ہے۔ اس سے نفرت اور کشیدگی کے شعلے کو مزید ہوا ملتی ہے۔ دونوں حکومتیں معاشی اور اقتصادی اعتبار سے کمزور ہوتی ہیں اور سامراجی رجواڑوں، جاگیرداری اور دوسرے رجعت پسندوں کو من مانی کرنے کا موقع ملتا ہے

اس وقت ہماری قومی آزادی کو شدید ترین خطرہ درپیش ہے۔ ہم پاکستان کے ادیب اور شاعر اعلان کرتے ہیں کہ ہم اپنے عوام کی تہذیب اور آزادی کا تحفظ اپنے قلم زبان اور جان تک سے کریں گے۔ ایک ایک شہر میں گھوم کر کانفرنسوں، جلسوں، جلوسوں اور مشاعروں کے ذریعے قومی اتحاد کی فضا پیدا کریں گے۔ اور اسی طرح حکومتوں میں جمہوری رجحانات کو فروغ دیں گے۔ ہم ملک کی تمام

سیاسی جماعتوں اور ادبی حلقوں سے تعاون کی اپیل کرتے ہیں

ہم پاکستان کے ادیب اور شاعر ہندوستان کے ان شاعروں، ادیبوں، اور فن کاروں کی مساعی کو تحسین اور محبت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ جو انھوں نے بمبئی، کلکتہ اور دہلی میں امن و اتحاد کے لئے شروع کر رکھی ہیں ہماری طرف سے انھیں اس تہذیب کا سلام پہنچے جسے فوجی طاقت اور فرقہ وارانہ دیوانگی تقسیم نہ کر سکی

۱۔ فیض احمد فیض
۲۔ حفیظ جالندھری
۳۔ صلاح الدین احمد
۴۔ طفیل احمد
۵۔ قیوم نظر
۶۔ ہاجرہ مسرور۔
۷۔ ممتاز مفتی
۸۔ شورش کاشمیری
۹۔ عبدالحمید
۱۰۔ احمد ندیم قاسمی
۱۱۔ خدیجہ مستور

۱۲۔ تابش صدیقی

۱۳۔ عائشہ صدیقہ

۱۴۔ فکر تونسوی

۱۵۔ احمد راہی

۱۶۔ ظہیر کاشمیری

۱۷۔ قتیل شفائی

۱۸۔ سیف

۱۹۔ جاوید اقبال

۲۰۔ عبدالحمید بھٹی

۲۱۔ شبیر محمد اختر

۲۲۔ حمید نسیم

۲۳۔ عبدالمتین عارف

۲۴۔ حمید اختر

۲۵۔ شبلی بی کام

۲۶۔ عبدالمجید عدم

۲۷۔ مرزا ادیب

۲۸۔ ابوسعید بزمی

۲۹۔ ایڈیٹر۔ روزنامہ طاقت

۳۰۔ ضیا جالندھری
۳۱۔ عبدالسلام خورشید
۳۲۔ ڈاکٹر سید عبداللہ
۳۳۔ سرفراز آرٹسٹ
۳۴۔ جی۔ این بٹ فلم آرٹسٹ
۳۵۔ عذرا کچلو
۳۶۔ ساحر لدھیانوی

(نیا زمانہ بمبئی مورخہ ۱۶ار نومبر ۱۹۴۷ء)

ترقی پسند ادیبوں کی جس کانفرنس کا ذکر پچھلے اعلان میں ہوا ہے یہ دسمبر کے مہینے میں لاہور میں منعقد ہوئی تھی۔ مولانا عبدالمجید سالک نے ادیبوں، شاعروں اور فن کاروں کی انجمن قائم کرنے کی ذمے داریوں کے بارے میں ایک بیش بہا خطبہ دیا۔ وہ فرماتے ہیں:۔

رفیقان قلم! یہ ایک پرانا شیوہ ہے کہ انجمنیں یا جماعتیں جس شخص کو اپنے کسی اجتماع کا صدر منتخب کرتی ہیں تو وہ اپنے خطبے کے پہلے ہی فقرے میں یہ کہہ کر ان کے انتخاب کی توہین کرتا ہے کہ میں تو اس اعزاز کے قابل نہ تھا، آپ حضرات نے زبردستی مجھے اس مسند پر بٹھا دیا۔ لیکن کم از کم میں آپ کے کارکنوں کی توہین کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ان کی داد دیتا ہوں کہ انھوں نے بڑی

عقل مندی سے کام لیا۔ بالکل صحیح انتخاب کیا۔ میں یقیناً اس اعزاز کا اہل تھا۔ اس لئے کہ عمر میں بھی شاید سب سے بڑا ہوں اور قلم کی گھس گھس میں بھی کم وبیش پینتیس سال گذر چکے ہیں۔ لیکن چونکہ جلیل القدر ادیبوں اور شاعروں کے اس وسیع اجتماع میں اپنے مقام کا اندازہ مجھ سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا۔ اس لئے اتنا عرض کرنے کی اجازت ضرور دیجئے کہ آپ میں بیسیوں ایسے حضرات موجود ہیں جو اپنے علم وفضل کے اعتبار سے اس اعزاز کا استحقاق مجھ سے ہزار درجے زیادہ رکھتے تھے

رفیقو! اب ان بحثوں کو چھیڑنا بے وقت کی شہنائی ہے کہ ترقی پسند ادیب کیمونسٹ ہوتے ہیں۔ یا نہیں؟ مذہب کے مطابق ان کا نظریہ کیا ہے۔ وہ دہریے ہیں یا خدا پرست ان کی عریاں نویسی جنسی بھوک یا بدوضعی کا نتیجہ ہوتی ہے یا کوئی بلند مقصد ان کے پیش نظر ہوتا ہے۔ ان تمام بحثوں کے تار پود پوری طرح بکھیرے جا چکے ہیں۔ ادب کے مطابق صرف ایک ہی نظریہ صحیح ہے کہ ادب زندگی کے لئے نہیں۔ ادب کو زندگی کے حقائق کا آئینہ بنائے۔ زندگی کو بہتر اور بلند کرنے کا آلہ بنائیے۔ اس کے بعد پڑھنے والوں کی پسند کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ تاثر یا عدم تاثر پہ پہرے نہیں بٹھلائے جا سکتے

جو ادب بلند معیار ہو گا وہ باقی رہ جائے گا اور نتائج پیدا کرے گا جو ناقص اور سقیم ہو گا وہ خود بخود گردش روزگار میں پس کر فنا ہو جائے گا۔ میرے نزدیک ترقی پسند مصنفین کے نتائج افکار اپنی افادی حیثیت اور بقاء کی صلاحیت کا ثبوت دے چکے ہیں اور اس سلسلے میں اختلافی بحثیں کرنا حماقت نہیں تو تضیع اوقات ضرور ہے

رفیقان علم، ہندوستان کی سرزمین پر دو ایسے ہنگامے برپا ہوئے ہیں جنھوں نے انسانی ضمیر کی بنیادوں تک کو ہلا دیا ہے۔ ایک بنگال کا قحط دوسرے حالیہ مصیبت مختلف روایات کے مطابق بنگال میں ۲۵ ـ ۳۰ لاکھ انسان محض بھوک سے ہلاک ہو گئے۔ کڑیل جوان ہڈیوں کا پنجر بن کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ مائیں اپنے بچوں کو اپنی سوکھی چھاتیوں سے لپٹا کر مر گئیں نوجوان عورتوں نے مٹھی بھر چاول کی خاطر اپنی عصمتیں بیچ ڈالیں اور سب کچھ اس وقت ہوا جب بنگال کے شہروں میں کھانے پینے کی چیزوں کی افراط تھی، ہوٹل اور ریسٹوران اور بازار گوناگوں نعمتوں سے لبریز تھے۔ اور سرمایہ داری کا شیطان اپنی عیارانہ مسرت کے نشے میں سرشار ہو کر ناچ رہا تھا جب دنیا نے لاکھوں انسانوں کی اس تباہی کو دیکھا تو اسے حقیقت

صاف نظر آگئی کہ سرمایہ دارانہ نظام نے آدم کی اس اولاد کو اتنا نامرد بنا دیا ہے کہ وہ بھوک سے صرف مرجانا جانتے ہیں اور ذخیرہ داروں اور دولت مندوں اور دولت مندوں سے اناج چھین کر کھانا نہیں جانتے۔ حالانکہ انھیں معلوم تھا کہ یہ آفت محض سرمایہ دار حکومت، منافع پرست تاجر اور بد دیانت افسروں کی ملی بھگت سے پیدا ہوتی ہے۔ جنھوں نے اپنی تجوریوں کو بھرنے کے لئے چاول کے نرخ اتنے بڑھا دیے کہ یہ جنس بنگال کے دیہات میں بے نشان ہو کر رہ گئی، اور غریب کسی قیمت پر بھی اپنا پیٹ پالنے کے قابل نہ رہا۔ یہ حیرت انگیز معما کسی کی سمجھ میں نہ آئے گا کہ بنگال کو بھوک کی موت سامنے نظر آ رہی ہے۔ لیکن اس نے پولیس کی گولی کی موت سے ڈر کر اپنا ہاتھ روک رکھا اور اناج پر زبردستی قبضہ نہ کیا۔ نفسیات غلامی کی اس بحث کو چھوڑ دو، لیکن لاکھوں بنگالیوں نے اپنی جانیں دے کر سرمایہ داری اور استبداد کی لعنتوں کے خلاف جو مواد پیدا کر دیا وہ برسوں کے پروپیگنڈے سے بھی فراہم نہ ہو سکتا تھا، اور انسانی دل و دماغ پر وہ اثرات مرتب نہ ہو سکتے تھے جو اس قحط نے چند ہفتوں کے اندر پیدا کر دیے۔

دوسرا ہنگامہ وہ ہے جو چند مہینوں سے پنجاب میں

برپا ہے۔ تاریخ عالم اس مثال سے عاجز ہے کہ آٹھ دس ہفتوں کے اندر چالیس لاکھ انسان ایک علاقے سے اور ساٹھ لاکھ دوسرے علاقے سے نقل مکانی کر گئے، اور اس جبری تبادلۂ آبادی میں لاکھوں بے گناہ قتل ہو گئے، کروڑوں کی املاک آتش زنی سے تباہ کر دی گئی۔ بے شمار عورتیں اٹھا لی گئیں۔ وہ معلوم نہیں کس حال میں ہیں۔ ان میں سے کتنی خودکشی کر گئیں۔ کتنی بھاگنے کی کوشش میں جانیں دے چکیں، اور کتنی راضی برضا ہو کر بیٹھ گئیں۔ درد مندوں نے چیخ پکار کی مخلص انسانوں نے کہا کہ پاکستان کا قیام ہونے میں کوئی خرابی نہیں بلکہ اس کا قیام ضروری ہے۔ اس لئے ہر قوم کو اپنی کلچر کے مطابق زندہ رہنے اور ترقی و خوش حالی حاصل کرنے کا حق ہونا چاہیے، لیکن انقطاع اور علیحدگی امن کے ساتھ بھی ہو سکتی تھی۔ درندوں کی طرح ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے کے لئے لپکنا ہرگز انسانیت کا تقاضا نہیں تھا۔ انگریزوں، رجواڑوں، نواب زادوں .... غرض تمام رجعت پسند جماعتوں نے جمہوریت کے خلاف زبردست محاذ قائم کیا۔ یہ تمام اسی ناپاک اتحاد کے کرشمے ہیں۔ لاکھوں بے گناہوں کا خون، سرمایہ داری اور فاشزم کے انہی شیاطین کے سر پر ہے جنہوں نے بیداری جمہور میں اپنے اقتدار کی موت دیکھ کر ایک آخری جدوجہد کے لئے کمر باندھ رکھی ہے اور ان کے آلۂ کار

اور نمک خوار یعنی بے ایمان وزرا بددیانت اور رشوت خور افسر اور اہل کار حق نمک ادا کرنے میں دن رات ایک کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ناجائز رشوت ستانی اور لوٹ مار سے اپنے گھر کو بھر رہے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ جس دن ان دیکھی اور بوجھی طاقت نے مشرقی پنجاب اور مغربی پنجاب میں دولت مند مسلمان اور غیر مسلموں کو پل بھر میں مال داروں سے نادار بنا دیا تو ان لٹیرے سرمایہ داروں کو بھی اسی طرح نادار بنا سکتی ہے اور بنا کر رہے گی، کیونکہ تمام طبقے اپنی کشتی کو اس قدر لبالب بھرتے چلے جا رہے ہیں کہ اب یہ ڈوبے بغیر نہ رہے گی

انگریزوں، راجوں، رئیس زادوں، فرقہ پرستوں اور رجعت پسند طاقتوں ...... کے اندیشے بالکل صحیح ہیں۔

تقسیم ہند اور حکومت خود اختیاری کے قیام کے بعد سوراج اور پاکستان کی تحریکیں ختم ہو چکی ہیں، نہ کانگریس باقی رہی نہ مسلم لیگ کے لئے کوئی بڑا کام باقی رہ گیا۔ ہندوستان میں مسلمان* اور پاکستان میں ہندو اور سکھ بہت قلیل رہ گئے ہیں۔ اب نہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو لڑایا جا سکتا ہے نہ نیشلسٹ اور یونینسٹ محاذ قائم کئے جا سکتے ہیں۔ اب تو ہندوستان اور پاکستان دونوں کے اندر کوئی کشمکش ہوگی تو نہ وہ مذہبی

---

* قلیل تعداد میں نہیں بلکہ اب بھی چار ساڑھے چار
کروڑ [illegible]

ہوگی نہ فرقہ وار ہوگی بلکہ خاص طبقاتی آویزش ہوگی جس
میں سرمایہ دار اور نادار ٹکرائیں گے اور اس آویزش کا فیصلہ
ہماری قسمت کا آخری فیصلہ ہوگا

رفیقو! پنجاب میں تباہی و تخریب اور انہدام کا جو ہنگامہ ہوا
بعض لوگ اسے انقلاب کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ انقلاب نہیں ہے۔ البتہ
انقلاب کا پیش خیمہ ضرور ہے۔ خیالات اور عقائد میں انقلاب آچکا
ہے۔ وہ عصبی ہیجان اور اینٹھن جو سماجی نظام میں انقلاب کی
پیش رو ہوتی ہے صاف صاف رونما ہو چکی ہے۔ پنجاب کے
بڑے بڑے زمینداروں اور سرمایہ داروں کی تباہی کے بعد سرمایہ
اور دولت کی ناکارگی اور محنت مزدوری کی صلاحیت ہر شخص
پر واضح ہو چکی ہے۔ ہر شخص محسوس کر چکا ہے کہ انفرادی دولت
ایک لمحے میں نابود ہو سکتی ہے لیکن مزدور کے بازو کی قیمت کاریگر
کی کاریگری ذی علم انسان کا علم کوئی چھین نہیں سکتا اور آخر وہی
معاش کا ضامن اور کفیل ہو سکتا ہے۔ انقلاب اس حالت کو
کہتے ہیں جب انسانی معاشرت کی پرانی مجلسی اور اقتصادی
بنیادیں فرسودہ ہو کر گر جائیں اور ان کی جگہ ایک صالح نظام
کی اساس استوار ہونے کی گنجائش پیدا ہو جائے جس میں کسی
شخص کو کسی کے حق سے نہ کم ملے نہ زیادہ بلکہ پورا حق حاصل

ہو جائے۔ اور یاد رکھیے کہ وہ مبارک وقت قریب آگیا۔ آفتاب تازہ ابھی بطن گیتی سے پیدا تو نہیں ہوا۔ لیکن ستاروں کی تنک تابی اس کے طلوع کا پتہ ضرور دے رہی ہے، لیکن رفیقان علم! اس بات کو کبھی فراموش نہ کیجئے کہ فاشی سرمایہ دار اور غرض پرست طبقات آسانی سے میدان چھوڑ جائیں گے .... عوام کے انقلاب کو جنگ میں ایک دفعہ اور ابتلا و آزمائش کی بھٹی میں سے گذرنا پڑے گا۔ آپ حضرات پر بہت بڑا فرض عائد ہوتا ہے کہ عوام کو طلوع ہونے والے آفتاب کے استقبال کے لئے تیار کریں۔ قحط بنگال اور ہنگامہ پنجاب زندگی اور اس کے مختلف پہلو بے کراں کے مواج سمندر میں ہیں جن میں ہمارے ادیبوں، انشا پردازوں اور شاعروں کے لئے فکر و خیال کے کبھی ختم نہ ہونے والے ذخیرے پوشیدہ ہیں۔ سیاسی کش مکش کا خاتمہ ہو گیا۔ فرقہ پرستی کا دور ختم ہو چکا پاکستان قائم ہے اور اس میں خوش قسمتی ہے وہ ملت آباد ہے جو اپنے مذہب اور کلچر کے اعتبار سے غیر سرمایہ پرست اور جمہوریت پسند واقع ہوئی ہے۔ اگرچہ یہاں بھی فاشیت اور سرمایہ داری ایک مرتبہ مذہب کے نام کو استعمال کریں گی۔ لیکن ملت اب بیدار ہو چکی ہے وہ حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور حضرت ابوبکر

وحضرت عمر کی تعلیم سے واقف ہے۔ اب اس ملت میں سلاطین وامراء اور سرمایہ داروں کی دال نہیں گل سکتی۔ یہ ملت نہ صرف آپ کے نتائج افکار کی قدر کرے گی بلکہ آپ کو نئے نئے موضوعات مہیا کرے گی

رفیقو! میں مسلمان ہوں اور میرا ایمان ہے کہ اقتصادی ومعاشرتی مساوات کے لئے زندقہ والحاد ضروری نہیں بلکہ اس مقصد کے لئے خدا پرستی اور بلند ترین اخلاقی اقدار کی ضرورت ہے اسلام ایک صحت مند سماج قائم کرنے میں دنیا کے تمام مذاہب سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہے مصیبت صرف یہ ہوئی کہ پہلے چند ہی سال گذر جانے کے بعد یہ دین سلاطین وامراء کے چنگل میں ایسا گرفتار ہوا کہ اس کی وہ خوبیاں جو اس کے مقدس بانی کے پیش نظر تھیں اب تک عملی دائرے میں پوری طرح اجاگر نہ ہو سکیں۔ حالانکہ مساوات جمہور اور کفالت جمہور اسلام کی معاشرت اور اقتصاد کے بنیادی پتھر تھے تاہم اس ملت کی ترکیب میں ایسی اہلیت بدرجہ اتم موجود ہے کہ وہ سیاسی معاشرتی، اور اقتصادی جمہوریت و مساوات کے بلند ترین تصورات کو بآسانی اختیار کر سکتی ہے۔

عزیزو! فضا تیار ہو چکی ہے۔ ملت صالح ہے۔ اسباب

مہیا ہیں۔ آپ حضرت قلم کے دھنی ہیں۔ اپنے موجودہ سکون و جمود کو ترک کیجئے اور معاشرت کو آیندہ انقلاب کی تیاری میں وہ امداد دیجئے جو ایک آزاد خود مختار قوم کے ادیبوں اور شاعروں کے شایان شان ہو۔ اگر آپ کمر ہمت باندھ لیں تو اس برِاعظم میں از سر نو ایسے حالات پیدا کر دینا کچھ بھی مشکل نہیں کہ حفیظ جالندھری کی گلیوں اور ساحر لدھیانوی کے بازاروں میں آزادانہ گھوم سکیں۔ اسی طرح کرشن چندر اور راجندر بیدی دوبارہ لاہور کے ادبی حلقوں کو آباد کر سکیں۔ اور ہندوستان اور پاکستان کے عوام کو اتنی طاقت و توفیق ہو جائے کہ وہ اپنے فاشی دشمنوں کی مہلک سازشوں کو ناکام بنا کر زندگی کو حقیقی ترقی و خوش حالی کا گہوارہ بنا دیں۔ اب میں آپ کو فاضل مقالہ نگاروں کے خیالات سے استفادہ کرنے کے لئے مزید انتظار کی زحمت نہیں دینا چاہتا اور اس سمع خراشی کے لئے معافی کا خواستگار ہوں

(پیام حیدر آباد دکن ۱۵ دسمبر ۱۹۴۸ء)

پاکستان کی برائی کے چرچے ہندوستان میں اکثر ہوتے رہتے ہیں۔ دراصل بدی کا چرچا نیکی کے مقابلے میں بہت جلد عام ہو جاتا ہے۔ غلطی کرنے والے چند لوگ ہوتے ہیں۔ مگر وہ غلطی بہت سوں کے حصے میں آجاتی ہے۔ یعنی اس کی نسبت زیادہ دکھائی دینے

لگتی ہے ۔ پنڈت سندر لال نے واقعات اور حقائق کی اچھی طرح پڑتال کرنے کے بعد غلطی کرنے والوں کی جو نسبت مبتلائی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانیت اس درجہ بدنام نہیں ہے جتنا کہ ظاہر کیا جاتا ہے ۔ پنڈت جی لکھتے ہیں :-

لیکن اس تصویر کا دوسرا رُخ بھی ہے ۔ جب ہم لاہور کی گلیوں میں گذر رہے تھے ۔ قریب قریب ہر گلی میں بیسیوں آدمی ہمارے اردگرد جمع ہو جاتے تھے ۔ بظاہر وہ سب مسلمان تھے ۔ ان میں مرد عورتیں ، بچے ، بوڑھے ہر طبقے کے لوگ شامل ہوتے تھے ۔ وہ ہم سے دل کھول کر لاہور میں جو کچھ ہوا اس کے متعلق بات چیت کرتے تھے ۔ کچھ دن پہلے ہم سے لاہور یونیورسٹی کے ایک نیک نہاد مسلم پروفیسر نے کہا تھا کہ شہر کے قریب چالیس فی صدی اشخاص واقعات گذشتہ پر متاسف ہیں اور وہ ایک دفعہ پھر اپنے ہندو بھائیوں کے ساتھ رہنا چاہتے تھے ۔ ہم نے جو شہر میں گشت کیا تو ہمیں اندازہ ہوا کہ اس قسم کے خیال کے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی ۔ یہی حالت ہم کو مشرقی اور مغربی پنجاب کے دوسرے حصوں میں بھی نظر آئی اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ پاکستان میں مسلمانوں کی کثیر تعداد اور ہندوستان میں ہندوؤں اور سکھوں کی کثیر تعداد اس

فرقہ وارانہ جھگڑے کو پسند نہیں کرتی ہے۔ اور اپنے دوسرے فرقوں کے بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ امن کی زندگی بسر کرنا چاہتی ہے۔ مجھ کو اس بات کا یقین ہے کہ جن لوگوں نے قتل و غارت اور آتشزدگی میں حصہ لیا ہے وہ کسی طرح آبادی کے ایک فی صدی سے زیادہ نہ ہوں گے۔ یعنی ایک لاکھ میں ایک ہزار سے زیادہ نہ ہوں گے۔ لیکن یہ تعداد تمام لوگوں کے امن کو ختم کرنے اور پوری آبادی کو لاشوں اور کھنڈروں میں منتقل کرنے کے لئے بالکل کافی ہے یہی حالت مواضعات کی تھی، لاہور میں خنجر زنی کے واقعات کرنے والوں کی تعداد میرے اندازے میں زیادہ سے زیادہ دو سو کے درمیان ہوگی یہی بات امرتسر کے بارے میں کہی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ دس بیس فی صدی آبادی کے وہ لوگ بھی تھے جو دوسرے فرقے کے اپنے افراد پر مظالم کی داستانیں سنتے سنتے اپنے فرقے کے مجرموں سے ہمدردی رکھتے تھے لیکن جیسا کہ ایسے مواقع پر عام طور سے ہوتا ہے زیادہ تعداد ان لوگوں کی تھی جو نہ منظم تھے اور نہ ان چیزوں میں حصہ لیتے تھے، اور نہ چیخ پکار کرتے تھے

ایک دوسری اہم بات یہ ہے کہ جب یہ چند ہزار اشخاص

ان مجرمانہ افعال میں مصروف تھے ۔ تو اس وقت بھی مشرقی اور مغربی پنجاب میں قریب قریب ہر مقام پر ہزارہا اشخاص ساتھ ہی ساتھ بھلائی اور بہادری کے کاموں میں لگے ہوئے تھے ایسے واقعات کہ مسلمانوں نے ہندوا ور سکھ بھائیوں اور بہنوں کی جان ، عزت ، آبرو کو خود مسلمانوں کی دست برد سے بچایا ہو، سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں شمار کرائے جا سکتے ہیں ۔ یہ قصے ہم نے خود ان لوگوں کی زبانی سنے جو اس طرح سے بچے تھے ۔ مثلاً چکوال میں بہت سے پناہ گزیں اس پاس کے مواضعات سے ہمارے گرد جمع ہو گئے ۔ انھوں نے اصرار کیا کہ ان مواضعات میں جو کچھ ہوا ہے اس کو ضبط تحریر میں لایا جائے میں نے اس کی تعمیل کی ۔ خلاصہ ہر ایک کے بیان کا یہی تھا کہ کچھ آدمی قتل کئے گئے ، کچھ مکانات جلائے گئے ۔ سامان لوٹا گیا ۔ کچھ عورتیں بھگائی گئیں ۔ اور باقی ماندہ اقلیت کے افراد گاؤں سے بھاگ گئے ۔ لیکن قریب قریب ہر گاؤں کے لوگوں سے یہ بھی سننے میں آیا کہ وہاں کے کسی نیک دل مسلمان نے اپنے ہندو یا سکھ ہمسائے کی جان و مال عزت اور آبرو خود مسلمان عوام کا مقابلہ کر کے ان کی دست برد سے بچائی یہ قصے ہمارے سوالات یا جرح کا نتیجہ نہ تھے ۔ بلکہ لوگوں نے خود بخود بیان

کیے۔ اسی قسم کے نیک کاموں کی داستانیں مسلم پناہ گزینوں نے ہندو اور سکھوں کے بارے میں مشرقی پنجاب میں ہم سے بیان کیں

لاہور میں ہمارا ایک نہایت شریف دل دوست ڈاکٹر گوربخش رائے ہندو بھگائی ہوئی عورتوں کو شہر اور مواضعات میں مسلمانوں کے گھروں سے نکالنے کا کام کر رہا تھا۔ انھوں نے ہمیں بتایا اور ہم نے خود بھی دیکھا کہ بھگائی ہوئی عورتوں کا پتہ زیادہ تر مسلمان مرد اور عورتوں ہی سے چلتا تھا جو بتلاتے تھے کہ ایک بدنصیب عورت فلاں میاں کے گھر میں مقید ہے یہ اطلاع محض انسانی ہمدردی کی بنا پر لوگ ان کو دیتے تھے بعض دفعہ تو اطلاع دینے والے کثیر مسافت طے کر کے اطلاع دینے آتے تھے اور وجہ یہ تھی کہ وہ بدنصیب عورتوں کے مصائب کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اس سے متاثر ہوتے تھے۔ اور ان کا پیچھا چھڑانے کا اُن کو فکر ہوتا تھا۔ یہی نہیں ہوا بلکہ عورتیں ایسے مقامات سے زیادہ تر کسی مرد یا مسلم عورت ہی کی امداد سے نکالی جاتی تھیں۔ بھگائی ہوئی عورتوں کو نکالنے میں ہم کو ایسی عورتیں بھی ملیں جو اس لئے مسلم گھرانے کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔

تھیں کہ اس قسم کی دو عورتیں لاہور پناہ گزین کیمپ لائی گئیں لیکن انھوں نے واپس جانے پر اصرار کیا۔ جب اُن سے دریافت کیا گیا تو انھوں نے بتلایا کہ ان کو اندیشہ ہے کہ ان کے سابق ہندو عزیز ... اُن کو واپس نہ لیں گے۔ اگر وہ واپس لینے پر رضامند بھی ہو گئے تو بعد میں ان کو قتل کر دیں گے۔ عورتوں کے اس بیان نے ہمارے بہت سے ہندو دوستوں کی آنکھیں کھول دیں

ڈاکٹر گوربخش سنگھ اپنی ذات سے فرقہ وارانہ جذبات سے بالاتر ہیں۔ جب ان کو ایک افسر نے ایک بڑی فہرست اغوا کردہ مسلم عورتوں کی دی جن کو ہندو اور سکھ امرتسر اور مضافات میں بھگا لے گئے تھے تو وہ فوراً وہاں جانے پر اور عورتوں کو نکالنے اور ان کو اُن کے عزیزوں کو واپس کرنے پر تیار ہو گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کو اس کام کا بہت فکر تھا۔ مجھے وہ بلند پایہ الفاظ جو اس وقت ان کی زبان سے نکلے یاد ہیں۔ وہ کہنے لگے "ہندو عورتوں کے مسلمانوں کے ہاتھوں بھگانے کے واقعات سن کر مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے لیکن مسلم عورتوں کے ہندوؤں سکھوں کے ہاتھوں بھگائے جانے کے واقعات سن کر مجھے سخت تکلیف کے علاوہ حد درجے

کی شرم بھی دامن گیر ہوتی ہے۔ مجھے ایسے بہت سے بے نفس اور بہادر مردوں اور بعض عورتوں سے ملنے کا اتفاق ہوا جو پنجاب میں نہایت عمدہ کام کر رہے ہیں

خوش قسمتی سے پاکستان گورنمنٹ اور ہندوستان گورنمنٹ دونوں اس امر کو محسوس کرنے لگے ہیں۔ نواب زادہ لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان اور راجہ غضنفر علی خاں وزیر پناہ گزیں، دونوں نے مجھے یقین دلایا ہے کہ ان کی گورنمنٹ کی اب طے شدہ پالیسی ہے کہ وہ ان تمام ہندوؤں کو جو پاکستان میں اپنے گھروں میں رہنے پر رضامند ہوں گے ان کو اُن کے گھروں میں رکھیں گے اور اس بات کی ضمانت دیں گے کہ ان کی پوری حفاظت کی جائے گی اور اُن کے ساتھ برابر کا برتاؤ کیا جائے گا۔ اسی طرح پر وہ ہندوؤں کی حفاظت اور امداد کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اس معاملے میں ان کی نیک نیتی پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ تجربے سے اور . . . . . .

خود اپنے مفاد کے خیال سے اس نتیجے پر پہنچے ہیں۔ اس بارے میں راجہ غضنفر علی خاں کی کوششیں قابل تعریف ہیں۔ حال ہی میں انھوں نے اپنے ہندو دوست اور شریک کار لالہ اوتار نرائن کی امداد سے ڈجرجہلم میں مشرقی پنجاب کی حکومت

کی طرف سے پناہ گزینوں کی امداد کے لئے تعینات ہیں، نو ہزار ہندوؤں کو جنہوں نے جہلم چھوڑنے کا تصفیہ کر لیا تھا، اس امر پر آمادہ کر لیا ہے کہ وہ اپنے جدی مکانوں میں ہی رہیں گے تین اسپیشل ٹرینیں جو ہندوستان جانے والی تھیں اُن کی ضمانت ہی سے منسوخ کر دی گئیں۔ مسٹر قربان علی انسپکٹر جنرل پولیس مغربی پنجاب امن و امان قائم کرنے کے لئے ہر امکانی کوششیں کر رہے ہیں۔ ... .

. . . .

. . . .

. . . . . . ۔اس بقر عید سے کچھ دن پہلے میں نے انسپکٹر جنرل پولیس سے شکایت کی کہ ہزارہا ہندوؤں کو جبراً مسلمان کر لیا گیا ہے ۔ان سب کو اندیشہ ہے کہ بقر عید کے دن اُن کے مسلم ہمسایہ ان کو گائے کی قربانی کے لئے مجبور کریں گے ۔انسپکٹر جنرل پولیس موصوف نے مجھے یقین دلایا کہ پاکستان گورنمنٹ کی یہ طے شدہ پالیسی ہے کہ وہ جبریہ تبدیلی مذہب کو تسلیم نہیں کر سکتی ۔ اسی وقت صاحب موصوف نے اپنے اسسٹنٹ کو حکم لکھوا دیا جو صوبے کے تمام سپرنٹنڈنٹ ہائے پولیس کے نام تھا۔ اور جس کا مفہوم یہ تھا کہ تمام ہندوؤں اور ان تمام نام نہاد مسلمانوں کی جو دراصل ہندو ہیں۔ اس معاملے

میں پوری امکانی حفاظت کی جائے۔ حکم پورے طور پر میری منشا کے مطابق تھا اور بذریعہ لاسلکی تمام افسران کے پاس بھیج دیا گیا۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ اس حکم کی پورے طور پر تعمیل ہوئی اور بقرعید تمام صوبے میں خیریت سے گذر گئی۔ لیکن ابھی تک گورنمنٹ کو مغربی پنجاب میں پورا اقتدار حاصل نہیں ہے اور معاملات پورے طور پر ان کے قابو میں نہیں ہیں ان کو ان طاقتوں کا مقابلہ کرنے میں بڑی مشکلوں کا سامنا تھا۔ جو غالباً ابتدا میں خود انھیں کی پیدا کردہ تھیں۔ انسپکٹر جنرل پولیس نے مجھے بتایا کہ چند ہفتے قبل جب انھوں نے اس عہدہ کا چارج لیا تھا تو بمشکل . . . . لوگ ان کے احکام کی تعمیل کرتے تھے. لیکن اب قریب . . . . ان کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ تعمیل کرنے والوں کی نسبت بڑھتی جا رہی ہے۔ مغربی پنجاب کی گورنمنٹ نہ تو پورے طور پر مضبوط ہے اور نہ پورے پیمانے کے ہی قابل ہے۔ لیکن بالخصوص امن امان قائم کرنے میں اس کی نیت نیک ہے اور اس کی قوت اور قابلیت رفتہ رفتہ بڑھ رہی ہے

(قومی آواز لکھنؤ مورخہ ۲۰ نومبر ۱۹۴۷ء)

پنڈت سندر لال نے لاہور میں ایک موقع پر انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا:۔

مجھے خوشی ہے کہ مشرقی پنجاب کی گورنمنٹ امن و امان قائم کرنے میں پوری کوشش کر رہی ہے اس کی کوششوں سے کئی شہروں میں مثلاً لاہور میں حالت بہتر ہو گئی ہے۔ چکوال میں ہندو اور سکھ باقاعدگی سے کاروبار کر رہے ہیں۔ لاہور میں کئی شریف مسلمانوں نے ہندوؤں کو پناہ دی، ایک مسلمان نے توگز محمد صاحب کو تقدیس سے سنبھال کر رکھا اور ایک بوڑھے گرنتھی کو اب تک پناہ دے رہا ہے۔ کئی مسلمان فساد کے آغاز سے اب تک بعض ہندوؤں کو پناہ دے رہے ہیں (تیج دہلی ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

پنجاب کے واقعات سے اگر یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیاسی اختلافات ہمسایوں کو ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنا دیتے ہیں تو دوسری طرف بے شمار ثبوت اس بات کے ملتے ہیں کہ اس خونی فضا میں اچھے دلوں پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا ہے، شیخ عبدالمجید سندھی اخبار نویسوں کو فضا بہتر بنانے کا مشورہ دیتے ہوئے دو واقعے نقل کرتے ہیں:-

"ایک دوست نے ایک قصہ سنایا۔ اُس نے یہ واقعہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ کراچی کی ایک سڑک پر ایک پنجابی مسلمان اور ایک سکھ ملے تو وہ بغل گیر ہوئے۔ زار و قطار روتے تھے۔ دوسرا واقعہ سنایا کہ لاہور کے روزانہ "انقلاب" میں

درج ہے؛ انقلاب لکھتا ہے کہ تقسیم پنجاب سے پیشتر ہندو اور مسلم اخبارات کے اڈیٹر فرقہ وارانہ معاملات پر ایک دوسرے کے خلاف نکتہ چینی کیا کرتے تھے۔ لیکن ان کے آپس کے تعلقات بہت دوستانہ تھے۔ وہ آپس میں ملتے تھے تو حقیقی بھائیوں اور دوستوں کی طرح پارٹیوں میں اکھٹے ہوتے تو ایک دوسرے کے ساتھ دلچسپ مذاق کئے جاتے اور ایک دوسرے کے مذاق پر کوئی برا نہ مانتا بلکہ سب خوش ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی پنجاب کے مسلم ایڈیٹر اور پوربی پنجاب کے ہندو اخبار نویس یہ چاہتے ہیں کہ اگر زیادہ نہیں تو مہینہ میں کم از کم ایک بار انھیں آپس میں ملنے کا موقع مل جائے اور ایک دوسرے کے ساتھ مذاق کر سکیں۔

اس کے بعد انقلاب ایک دلچسپ واقعہ کا ذکر کرتا ہے۔ پروانشل مسلم لیگ کے لئے صدر نے ۲۷ نومبر کو ایک پریس کانفرنس منعقد کی اس میں ٹریبون کے مسٹر بالی اور ویر بھارت کے مسٹر ویریندر اچانک چلے آئے۔ ہر ایک ان سے بغلگیر ہونے اور ان کی اور دوسرے دوستوں کی خیر و عافیت دریافت کرنے کے لئے بیتاب تھا۔ کانفرنس میں ایک نئی زندگی سی آ گئی۔ اس وقت محسوس کیا گیا کہ ظالم سیاست نے دوستوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہے لیکن اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مشرقی اور مغربی پنجاب آپس میں مل گئے ہیں مسٹر بالی نے کہا کہ

میں نے سالک اور شفیع کو چٹھیاں لکھی تھیں ۔ ان میں تجویز پیش کی تھی کہ اخبار نویس لاہور دہلی شملہ یا جالندھر میں کم از کم ایک مہینہ میں ایک بار مل لیا کریں اگر یہ نہ ہو تو واہگہ کی نہر کے آر پار ہی بیٹھ لیا کریں ۔"

انقلاب نے اس پر لکھا ہے کہ خدا کرے ہندوستان اور پاکستان آپس میں مل جائیں اور ہم ایک دوسرے کے ساتھ آزادانہ طور پر مل سکیں ہم لڑنا اور لڑانا بھی جانتے ہیں اور ملنا ملانا بھی

شیخ عبدالمجید لکھتے ہیں کہ اس سے مجھے ایک اور قصہ یاد آگیا۔ ڈیلی گزٹ اور ڈان کے ایڈیٹروں کی ایک دعوت پر پاکستان کے اخبار نویسوں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس میں معلوم ہوا کہ اگرچہ اخبار نویس آپس میں نوک جھونک جاری رکھتے ہیں۔ لیکن جہاں تک پیشہ کا تعلق ہے بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو سب کے لئے مشترکہ ہیں ایڈیٹر کے قلم میں طاقت ہے ۔ خدا کرے وہ پوربی اور پچھمی پنجاب ہندوستان اور پاکستان کو اگر ایک کرنے میں کامیاب نہ ہوں تو متحد کرنے میں ضرور کامیاب ہو جائیں ۔

(تیج دہلی - ۲۲ دسمبر ۱۹۴۸ء)

ایک اور واقعہ سنئے :-

تلوک چند محروم صاحب نے اخبارات کو جو اطلاع دی ہے اس

سے معلوم ہوتا ہے کہ ضلع میانوالی کی تحصیل عیسیٰ خیل میں جب فسادات
شروع ہوئے تو وہاں کے ہندوؤں نے صوفی اللہ داد خاں سے
امداد چاہی۔ موصوف نے نہایت فراخدلی سے تقریباً ایکسو
مرد عورتوں اور بچوں کو اپنے یہاں پناہ دی اور ان کے کھانے
پینے کا سامان مہیا کیا جب تک ہند سرکار کی طرف سے عیسیٰ خیل کے
ہندوؤں کو نکالنے کا بندوبست نہ ہوا، صوفی صاحب ہر طرح
ان کی حوصلہ افزائی کرتے رہے، چند اور فراخ دل روشن خیال
مسلمان بھی اس کارخیر میں ان کے ممد رہے جن میں مسٹر غلام محمد ہاشمی
اور خان خالق داد خاں ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر کے نام قابل ذکر ہیں، عیسیٰ
خیل سے جو بھی غیر مسلم دہلی آئے اُن کی زبان پر صوفی اللہ داد کا نام
تھا، اِس جذبے سے متاثر ہو کر تلوک چند محروم صاحب نے
صوفی صاحب کے بارے میں اظہار شکر کے طور پر ایک نظم اخبارات
میں شائع کرائی ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

گھر رہے حشر تک ترا آباد ۔ جس میں اُن کو پناہ دی تو نے
جرات بے پناہ سے بخشی ۔ مرنے والوں کو زندگی تو نے

ہندوستان کی طرح پاکستان میں بھی عید اور دسہرہ کے مشترکہ
جلسے منعقد کیے گئے

۸- مہاتما گاندھی کا برت اور اُن کی شہادت

اس سلسلہ کا اگلا باب "اب کیا ہو؟" مکمل ہو چکا تھا کہ ۱۲ جنوری ۱۹۴۸ء کی شام کی عبادت میں گاندھی جی نے اچانک اعلان کیا کہ فرقہ پرستی کو دور کرنے کے لئے وہ کل سے غیر معین عرصہ کے لئے برت رکھ رہے ہیں۔ یہ برت اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک ملک میں سچا اتحاد قائم نہیں ہو جاتا یا وہ اپنی جان دیدیں گے۔ جیسا کہ آپ نے پچھلے اوراق میں ملاحظہ فرمایا، ہندوستان اور پاکستان میں امن کے لئے کوششیں تو جاری تھیں لیکن ان کی رفتار سے گاندھی جی مطمئن نہیں تھے وہ لوگوں کے دل و دماغ میں ایک ایسا انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے جس سے اُن کے دل صاف ہو جائیں اور پائدار بنیادوں پر امن قائم ہو۔ آج کی تقریر میں گاندھی جی نے فرمایا:-

جب سے وہ دہلی آئے، یہاں قتل و غارت کا بازار گرم ہو رہا تھا حکومت نے اس کو ختم کرنے کے لئے فوج استعمال کی اور اگرچہ فوج فسادات کو کچلنے میں کامیاب ہو گئی لیکن وہ لوگوں کے دلوں کو نہیں بدل سکتی گاندھی جی نے کہا کہ آج ہندوؤں اور سکھوں کے چھرے، بم اور گولی سے کسی مسلمان کی جان محفوظ نہیں ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اور کوئی سچا دیش بھگت اس صورت حال کو خاموشی کے ساتھ دیکھ کر نظرانداز

نہیں کر سکتا

پاکستان میں غیر مسلموں کی حالت نواب شاہ کراچی اور سندھ کے دوسرے علاقوں میں اقلیتوں پر حملوں کا ذکر کرتے ہوئے گاندھی جی نے کہا کہ پاکستان اقلیتوں کی حفاظت کے لئے اتنی کوشش نہیں کر رہا جتنی کہ ہند کر رہا ہے۔ اس راستہ پر چل کر پاکستان کی موت لازمی ہے اور اگر ہندوستان نے پاکستان کی پیروی کی تو اس سے زیادہ تباہ کن بات نہیں ہو سکتی۔

گاندھی جی نے کہا کہ اپنی اندرونی آواز کے مطابق انھیں بہت پہلے سے اس برت کا احساس ہو رہا تھا لیکن وہ اس کا مقابلہ کر رہے تھے۔ لیکن پچھلے تین دن کے واقعات نے انھیں فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا۔

ایک اور چیز نے ان کو یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کیا وہ کانگریس مینوں کی وہ اخلاقی پستی ہے جس کا اندھرا لیڈر کونڈا وینکٹا پاٹیا نے ذکر کیا ہے کانگریس مینوں کی یہ اخلاقی پستی اسمبلیوں اور کونسلوں کے ممبروں کی رشوت خواری اور کانگریسی حکومتوں کی بدعنوانیوں کا ان کے اس فیصلہ پر گہرا اثر پڑا ہے۔" (نیا دور دہلی مورخہ ۱۴ر جنوری)

مہاتما گاندھی کے اس اعلان سے تمام ملک میں زبردست ہل چل اور تشویش پیدا ہو گئی۔ برلا ہاؤس میں جہاں گاندھی جی ٹھہرے ہوئے ہیں سکون اور خاموشی چھائی ہوئی ہے" نیا دور کا نامہ نگار جب رات میں برلا ہاؤس گیا تو اس نے دیکھا کہ بتیاں بجھی ہوئی ہیں، پنڈت جواہر لال پریشانی کے عالم میں ٹہل رہے ہیں۔ اس نامہ نگار نے دوسرے دن

صبح برت شروع ہونے کا آنکھوں دیکھا حال اس طرح لکھا ہے :-

مہاتما جی کا مرن برت جس کا انھوں نے کل کی پرارتھنا سبھا میں اعلان کیا تھا آج صبح گیارہ بجے برلا ہاؤس میں شروع ہو گیا۔

برت سے پہلے گاندھی جی نے اپنی روزمرہ کی معمولی غذا کھائی جو پاؤ سیر بکری کے دودھ معمولی مقدار میں سیب کے عرق، تھوڑی سی ابلی ہوئی سبزی اور "کھکرہ" ایک ٹکیہ پر مشتمل تھی

گاندھی جی حسب معمول خوش وخرم نظر آتے تھے اور جب وہ اپنے کمرے سے نکل کر دالان میں دھوپ لینے کی جگہ جانے لگے تو انھوں نے مسکراتے ہوئے ان کیمرہ مینوں کو فوٹو دینے سے انکار کر دیا جو درجنوں کی تعداد میں ان کی تصویریں لینے کے لئے وہاں جمع ہو گئے تھے

اس حقیقت کے باوجود کہ گاندھی جی اپنی زندگی کے ایک سب سے اہم فیصلے پر عمل شروع کرنے والے تھے ان کے روزمرہ کے اوقات میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ وہ حسب معمول صبح کے تین بجے بیدار ہوئے اور اپنے کمرہ میں پرارتھنا کی جس میں ان کے کیمپ کے لوگ شریک ہوئے

پرارتھنا سے پہلے ان کا پسندیدہ گجراتی بھجن گایا گیا جس کی دھن ان کے اپنے دماغ کی اس وقت کی حالت کے مطابق تھی۔ اس گجراتی بھجن کا مفہوم تھا " بھگوان کے راستے پر بہادر چلتے ہیں بزدل

اور کارگر نہیں چلتے۔"

گاندھی جی نے ملک سے فرقہ وارانہ فسادات کو ختم کرنے کے لئے جو برت کیا ہے اور جس سختی کے ساتھ وہ اس پر عمل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس کا اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ جب ایک مسلمان خاتون نے جس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے گاندھی جی سے اس "خطرناک ترین فیصلہ پر عمل نہ کرنے کی اور ملک والوں کو اپنے اطوار بدلنے کے لئے کچھ اور وقت دینے کی التجا کی تو گاندھی جی نے کہا "یہ رونے کا وقت نہیں ہے" اگر میں نے واقعی خدائی آواز پر یہ برت رکھنے کا فیصلہ کیا ہے تو تم یقینی طور پر اس کا پھل دیکھوگی۔"

برت سے پہلے گاندھی جی کا صبح کا کھانا ساڑھے نو بجے سے . . . . جاری رہا۔ اس دوران میں انھوں نے سردار ولبھ بھائی پٹیل سے بہت اہم بات چیت کی۔

یہ بات چیت ۴۵ منٹ تک جاری رہی۔ اس کے بعد انھوں نے مولانا آزاد اور بعض مقامی مسلمان لیڈروں سے بات چیت کی۔

گیارہ بجے کھانا ختم کرنے کے بعد گاندھی جی نے لان میں اسی جگہ اپنی خاص پرارتھنا کی۔ یہ پرارتھنا جو ان کے برت شروع ہونے کا اظہار کرتی تھی ۱۵ منٹ جاری رہی۔ اس میں لیڈروں، مسلمانوں اور سکھوں کے ایک چھوٹے سے اجتماع نے شرکت کی۔

پرارتھنا بدھ منتر سے شروع ہوئی جس میں کہا گیا ہے کہ میں خدا کی پیدا کی ہوئی ہر چیز کے سامنے سر جھکاتا ہوں۔ اس کے بعد قرآن کی تلاوت اور بھگوت گیتا کے اشلوک پڑھے گئے۔ اس کے بعد ۵ منٹ تک مکمل خاموشی رہی۔ خاموشی ختم ہونے کے بعد اپنیشد کی مشہور نظم کے حصے پڑھے گئے اس کے بعد گاندھی جی کا پسندیدہ گجراتی بھجن گایا گیا۔ جو ان کے برت کے موقعوں پر اکثر گایا جا چکا ہے۔ بھجن میں کہا گیا ہے کہ در اصل میں وشنو اوہ ہے جو دوسرے کی مصیبت کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ یہ خاص پرارتھنا ایک عیسائی گانے پر ختم ہوئی۔ یہ گانا مسیح کے سولی چڑھنے کے واقعہ سے متعلق ہے پرارتھنا ختم ہونے کا منظر بڑا رقت انگیز تھا۔

صبح سویرے ہی سے برلا ہاؤس میں ہر قسم کے سیاسی اور دوسرے خیالات کے لیڈروں کا تانتا بندھ گیا تھا۔ ہر شخص مغموم تھا اور سب کے چہروں سے گہری تشویش کا اظہار ہو رہا تھا۔ ان لیڈروں میں مولانا آزاد۔ سردار پٹیل۔ راجکماری امرت کور مسٹر جے رام داس دولت رام۔ ڈاکٹر جیوراج مہتہ اور مسٹر حسن شہید سہروردی شامل تھے۔

ان لیڈروں میں سے ایک نے اس بات پر سخت تشویش ظاہر کی کہ گاندھی جی نے ۷۹ سال کی عمر میں غیر معینہ مدت کے لئے برت رکھنے کا اتنا مصمم ارادہ کر لیا ہے!

انھوں نے کہا کہ جب گاندھی جی نے چند ماہ قبل کلکتہ میں برت شروع کیا تھا اُس وقت بعض حالات ایسے تھے جن کو پرامید نظروں سے دیکھا جا سکتا تھا لیکن اس وقت صورت حال بالکل مختلف معلوم ہوتی ہے اب تو صرف ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ گاندھی جی اس برت کو کامیاب ہوتا دیکھیں

(نیا دور۔ دہلی ۱۵ ارجنوری ۱۹۴۸ء)

برت رکھنے کے بعد گاندھی جی نے جو پہلی تقریر کی وہ تاریخی اہمیت رکھتی ہے مہاتما جی نے فرمایا:-

وہ لوگوں کو اس بات پر تعجب نہ کرنا چاہئے کہ وہ حسب معمول چل کر پرارتھنا سبھا تک پہنچ گئے ہیں۔ برت کے پہلے چوبیس گھنٹوں میں کسی کو کمزوری نہیں ہوتی بلکہ کھانے کے بعد پہلے چوبیس گھنٹے صحت کے لئے مفید ہوتے ہیں اگلا دن ان کے لئے مشکل ہو سکتا ہے اور ان کے لئے چل کر پرارتھنا سبھا تک آنا مشکل ہے لیکن اگر وہ پرارتھنا سبھا آنے کے لئے اصرار کرتے ہیں تو وہ یہاں آ سکتے ہیں اور لڑکیاں ان کی عدم موجودگی کے باوجود حسب معمول پرارتھنا کریں گی

مہاتما گاندھی سے ایک سوال کیا گیا کہ وہ اس برت کے لئے کس کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں

انھوں نے کہا کہ وہ کسی بھی شخص یا فرقہ کو ذمہ دار نہیں ٹھیراتے لیکن ان کو یقین ہے کہ اگر ہندو اور سکھ مسلمانوں کو دہلی سے نکالنے پر تلے ہوئے ہیں تو وہ ہندوستان اور خود اپنے مذہب کے ساتھ غداری کریں گے

بعض لوگوں نے ان پر طنز کیا ہے کہ انھیں صرف مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی ہے اور انھوں نے یہ برت ان کی وجہ سے رکھا ہے ان کا یہ خیال صحیح ہے وہ اپنی تمام زندگی میں اقلیتوں اور ضرورت مندوں کے حامی رہے ہیں جیسا کہ ہر شخص کو رہنا چاہیئے پاکستان کی وجہ سے ہندیونین کے مسلمان اپنے فخر اور خود اعتمادی کے جذبات کھو بیٹھے ہیں انھیں اس حقیقت کے تصور سے تکلیف ہوتی ہے اگر کسی ملک میں عوام کا ایسا طبقہ موجود ہے جو خود اعتمادی زائل کر چکا ہے تو اس سے خود وہ ملک کمزور پڑ جاتا ہے۔ ان کا یہ برت اس اعتبار سے خود مسلمانوں کے بھی خلاف ہے۔ اس کی وجہ سے وہ اپنے ہندو اور سکھ بھائیوں کے ساتھ کھڑے ہو سکیں گے۔ برت کے نتیجہ کے طور پر مسلمان دوستوں کو ہندو اور سکھ دوستوں سے کچھ کم کام کرنا نہیں پڑے گا

ان کو پنڈت نہرو اور میری تعریف کرنے اور سردار پٹیل پر الزام لگانے کی عادت ہو گئی ہے۔ بعض سردار پٹیل کے اس مطلب پر طنز کرتے ہیں کہ مسلم لیگی دوست نہیں بن سکتے ہیں۔ انھیں اس

جلد کی وجہ سے سردار پٹیل پر کوئی الزام نہیں لگانا چاہئے۔ بہت سے ہندوان کے اس نظریئے کے حامی ہیں۔ وہ اپنے مسلم لیگی دوستوں سے جو توقع رکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ سردار کے اس قول کو غلط ثابت کر دکھائیں بیانات سے نہیں بلکہ اپنے رویہ سے انہیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگرچہ پنڈت جی سردار پٹیل جیسے طور طریقے نہیں رکھتے لیکن ان کو ایک اچھا ساتھی سمجھتے ہیں اگر سردار مسلمانوں کے دشمن ہوتے تو پنڈت جی انھیں علیحدہ کر دیتے سردار ابھی تک خود ان کے (گاندھی جی) کے دوست ہیں۔ اگرچہ وہ اب ان کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتے وزارت کے بارے میں بھی یہ کہدینا چاہیئے کہ ہر وزیر کے ہر کام کے لئے پوری وزارت ذمہ دار ہے وہ چاہتے ہیں کہ لوگوں کے دل پوری طرح صاف ہو جائیں اگر ایسا ہو گیا تو آپس کا اعتماد اور محبت بڑھ جائے گی۔ وہ سب یونین کے ہیں اور یونین پر ان کا حق ہے وہ کسی بات پر فاقہ نہیں توڑ سکتے۔ انہیں اپنے دلوں سے شیطان کو نکال کر خدا کو جگہ دینی ہوگی ۔۔

ہندوؤں اور سکھوں کا کیا فرض ہے انھوں نے ابھی گرودیو کا پسندیدہ بھجن سنا۔ "اگر کوئی تمہاری آواز کا جواب نہیں تو اکیلے چلو" میں اس کو پسند کرتا ہوں اور نواکھالی میں ان کے پیدل سفر میں یہ بھجن روز گایا جاتا تھا۔ وہ اپنے آخری سانس تک یہ دہراتے رہیں گے کہ ہندوؤں اور سکھوں کو اتنا دلیر ہونا چاہیئے کہ وہ یہ کہہ سکیں کہ پاکستان

میں کچھ ہی کیوں نہ ہوا ہو وہ یونین میں ایک مسلمان کے خلاف بھی
انگلی تک نہیں اٹھائیں گے وہ کبھی بزدلی کے کام نہیں کریں گے
خواہ انھیں کتنا ہی اشتعال کیوں نہ دلایا جائے

اگر دہلی حقیقی معنوں میں پرامن ہوگیا تو وہ برت توڑ دیں گے
دہلی ہندوستان کی راجدھانی ہے۔ دہلی کی تباہی اور خاتمہ کو
ہند اور پاکستان کی تباہی تصور کریں گے کہ وہ چاہتے ہیں کہ دہلی
میں تمام مسلمان محفوظ ہوجائیں انہیں اس بات کی پروا نہیں کہ
حقیقی امن کے قیام میں کتنا عرصہ لگ جائے گا۔ اس میں ایک
دن لگے یا ایک مہینہ اس کی کوئی پرواہ نہیں کسی شخص کو کوئی
ایسا کام نہیں کرنا چاہئے اور نہ کوئی ایسی بات کہنی چاہئے جس
کا مقصد برت ختم کر دینے کی ترغیب دینا ہو۔ مقصد ان کی زندگی
کو بچانا نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ہندوستان
اور اس کی عزت کو بچایا جائے۔ وہ اس وقت خوشی اور فخر محسوس
کریں گے جب وہ دیکھیں گے کہ اب ہندوستان کا مرتبہ
کم نہیں رہا اور وہ اس طرح ذلیل نہیں رہا جیسا کہ حال کے ان واقعات
کی وجہ سے ہوگیا تھا جن کا وہ! عادہ نہیں کرنا چاہتے

(نیادور۔ دہلی ۱۵ر جنوری ۴۸ء)

برت کے پانچویں دن دہلی کی جو کیفیت تھی اس کا نقشہ نیادور
کے نامہ نگار نے اس طرح کھینچا ہے:۔

" ہمارا نامہ نگار لکھتا ہے کہ آج دہلی میں جتنے جلوس نکلے جتنے جلسے اور مظاہرے ہوئے شاید دہلی کے تاریخی شہر نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے

گاندھی جی کے برت کے چوتھے دن دہلی نے ان لوگوں کو روشنی کی مشعل دکھائی جو یہ کہہ رہے تھے کہ دہلی میں شرنارتھیوں کے مسئلہ کی وجہ سے کلکتہ کی یاد تازہ نہیں کی جا سکتی

دہلی نے ان تمام مایوس خیال انسانوں کے جذبات اور اندیشوں کو غلط ثابت کر کے ۱۴ اگست کا اتحاد پرور منظر دکھایا۔ دہلی والوں نے آج جس بے پناہ جوش خروش کا مظاہرہ کیا اس کی کسی زندہ قوم ہی سے توقع کی جا سکتی ہے۔ جس طرح گاندھی جی کی حالت لمحہ بلمحہ نازک ہوتی جا رہی ہے اس سے زیادہ بہتر رفتار کے ساتھ لوگوں کے دلوں میں گاندھی جی کو بچانے کا جذبہ بڑھتا جا رہا ہے

لوگوں کے چہروں پر یقینی طور پر افسردگی تھی اور ہر شخص کے چہرہ سے برت جھلک رہا تھا لیکن اس افسردگی کے ساتھ ساتھ ان کے چہروں سے ایک ایسے عزم کا اظہار ہو رہا تھا کہ وہ دہلی میں امن قائم کر کے امن کے دیوتا کی جان بچا کر ہی رہیں گے

کئی مسلمان جن کی آنکھوں میں آنسو تھے لرزتے ہوئے لہجہ میں گاندھی جی کی صحت کا حال پوچھ رہے تھے

عوام کے اس عزم کو دیکھ کر ہر مایوس دل میں زندگی کی

ایک لہر دوڑنے لگی تھی اور انھیں یقین ہونے لگا تھا کہ اب گاندھی جی کی جان ضرور بچائی جا سکے گی

صبح سویرے ہی سے پربھات پھیریاں جن میں عورتوں نے نمایاں حصہ لیا نکلنی شروع ہوئیں اور انھوں نے شہر کے تمام حصوں کے چکر لگائے۔ شہر کے ہر کونے سے جلوس نکالے گئے اور امن کے جلسے ہوئے۔ ان جلسوں میں مزدور، تاجر، طالب علم، کانگریسی، سوشلسٹ، کمیونسٹ، جمعیتہ علماء، احراری، سرحد کے خدائی خدمت گار مردوں اور عورتوں نے یکساں طور پر حصہ لیا اور میں پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر یہی جذبہ اور یہی عزم برقرار رکھا گیا تو امن پسندوں کا فرقہ پرستی اور فساد کے دیوپر غالب آجانا یقینی ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ دہلی میں پھر امن بحال نہ ہو جائے

اب دیکھنا صرف یہ ہے کہ آیا عوام ان سات شرائط کو بھی تسلیم کر لیتے ہیں جن کو مہاتما جی نے اپنا برت توڑنے کے لئے ضروری قرار دیا ہے اور ان شرائط کی منظوری ہی پر مہاتما جی کی زندگی کا دار و مدار ہے

لیکن آج کے جوش و خروش اور عوام کے جذبات کو دیکھنے کے بعد یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ عوام ان شرائط پر عمل کریں گے اور گاندھی جی کو اپنا برت توڑنے کا موقع دیں گے

آج کے مظاہروں میں جو چیز خاص طور پر محسوس کی گئی وہ رجعت پسند عناصر کی مکمل خاموشی تھی

کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ وہ آج کے بے پناہ عوامی جوش کے سامنے نہیں ٹھیر سکتے۔ لیکن خیال ہے کہ جس وقت عوام کے موجودہ جوش میں کمی واقع ہوگی وہ اپنی شرمناک اور ذلیل سرگرمیاں پھر شروع کردیں گے

ترقی پسند لوگوں کی یہ عادت ہو چکی ہے کہ اتنے عظیم الشان مظاہروں کے بعد وہ خاموشی اور سکون اختیار کر لیتے ہیں اور اگر اس بار پھر ایسا ہی ہوا تو رجعت پسندوں کی دلی مراد بر آئے گی اور وہ ایک بار پھر ترقی پسندوں پر غالب آنے کی کوشش کریں گے۔ ایسا ہرگز نہ ہونے دیا جائے گا اور عوام پر ایک بہت بڑی ذمہ داری کا بوجھ آپڑا ہے اور اگر کل حالات نے برا رخ اختیار کر لیا تو ان کو ہمیشہ کے لئے مورد الزام قرار دیا جائے گا۔ انہیں امن اور جمہوریت کا سنتری بننا پڑے گا اور انہیں متحد ہو کر ان لوگوں کے خلاف سخت کارروائی کرنی چاہئے جو امن کے جلسوں میں انتشار پیدا کرانے کی کوشش کریں

اس سلسلہ میں مقامی حکومت پر بھی ایک بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ آج جس شخص کی جان خطرہ میں ہے وہ گاندھی ہے"

(نیا دور ۱۸ جنوری ۴۸ء)

مولانا ابوالکلام معاملے کے سب پہلوؤں کو خوب سمجھتے ہیں گاندھی جی کے برت سے لوگوں کے دلوں میں تبدیلی تو ہو چکی تھی لیکن گاندھی جی کو اس کا یقین کس طرح دلایا جائے کہ یہ تبدیلی ہو چکی ہے اور آپ برت کھولدیں! چنانچہ یہی بات مولانا نے گاندھی جی کے سامنے رکھی اور ان سے درخواست کی کہ وہ ایسی ٹھوس تجویزیں بتلائیں جن پر عمل کرنے سے گاندھی جی کو دلوں کی تبدیلی کا یقین ہو جاتے اور وہ اپنا برت کھول سکیں۔ گاندھی جی نے یہ سات شرائط رکھیں

(۱) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا سالانہ عرس جس کی تاریخیں بہت جلد پڑنے والی ہیں حسب معمول ہو سکے اور مسلمان کسی قسم کے خوف کے بغیر اس میں شریک ہو سکیں

(۲) ان تمام مسجدوں کو جن کو حال کے فسادات کے بعد مندروں یا رہائشی مکانات میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ دوبارہ مسجدوں میں بدل دیا جائے اور یہ کام اس علاقہ کے غیر مسلم کریں

(۳) قرول باغ سبزی منڈی اور پہاڑ گنج کے علاقوں میں جہاں کی آبادی کی غالب، اکثریت مسلمانوں کی تھی مسلمان آزادی کے ساتھ اور کسی قسم کے خوف کے بغیر گھوم پھر سکیں

(۴) ہندو ان مسلمانوں کے دہلی واپس آنے پر اعتراض نہ کریں جن کو مجبور ہو کر پاکستان جانا پڑا ہے اور وہ جب چاہیں دہلی واپس آ کر رہ سکیں

(۵) مسلمان کسی قسم کا خطرہ محسوس کئے بغیر ریلوں میں سفر کر سکیں

(۶) مسلمانوں کا کوئی اقتصادی بائیکاٹ نہ کیا جائے

(۷) ان علاقوں میں جن کو "مسلم زون" قرار دیا گیا ہے غیر مسلموں کے بسائے جانے کا سوال خود مسلمانوں کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے

مولانا یہ سات شرائط لے کر خوشی خوشی برلا ہاؤس سے نکلے اور آزاد پارک میں ہندو، مسلمان، سکھ سبھی جاتیوں کے ایک عظیم الشان جلسے کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"یہ سات شرائط گاندھی جی نے ان کی درخواست پر دوپہر کے سوا دو بجے ان کے سامنے رکھی ہیں۔ برت رکھنے کے بارے میں مہاتما جی کے فیصلہ سے انھیں بڑا تعجب ہوا۔ انھیں پہلے سے اس کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا اور اس سلسلہ میں گاندھی جی نے اپنے بھروسہ کے دوستوں سے بھی مشورہ نہیں کیا۔ جب میں نے منگل کی صبح کو ان کا برت شروع ہونے سے تھوڑی ہی دیر پہلے ان سے ملاقات کی تو میں جانتا تھا کہ اب گاندھی جی کو اپنا فیصلہ بدلنے پر آمادہ کرنے کی کوششیں لاحاصل ہیں۔ یہ ایک ناممکن کام تھا کیونکہ وہ قطعی فیصلہ کر چکے تھے

مولانا آزاد نے کہا اس کے بعد صرف ایک چیز باقی رہ جاتی تھی اور وہ یہ کہ ان کے مشن کو پورا کیا جائے اور اس طرح ان کے برت کو جلد از جلد ختم کرایا جائے۔ گاندھی جی نے یہ برت

لوگوں کے دلوں کو بدلنے کے لئے شروع کیا ہے لیکن یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ دلوں میں یہ تبدیلی کب واقع ہو گی اس لئے انھوں نے مہاتما جی سے درخواست کی تھی کہ وہ ان کے سامنے بعض ایسی ٹھوس شرائط پیش کریں جن کو پورا کرنے کے بعد ان کو اپنا برت توڑنے پر رضامند کیا جا سکے۔ اس پر گاندھی جی نے ان کے سامنے یہ شرائط پیش کیں

گاندھی جی نے کہا کہ ان شرائط کے بارے میں جو یقین دلایا جائے وہ ایسے ذمہ دار لوگوں کی جانب سے ہونا چاہئے جو ان سات شرائط پر عمل کرائے جانے کی ضمانت دے سکیں۔ ان سے جھوٹے وعدے ہرگز نہ کئے جائیں

سچائی کے اس دیوتا کے سامنے ہمیں سچے وعدے ہی کرنے چاہئیں۔ ہم ان کی جان بچانے کے لئے بھی جھوٹی باتیں گھڑ نہیں سکتے۔"

(نیا دور دہلی ۱۷ر جنوری ۱۹۴۸ء)

جلسہ ختم ہونے کے بعد مولانا اور بابو راجندر پرشاد نے تمام فرقوں کے ذمے دار لوگوں کو جمع کیا ان سات شرائط پر بات چیت کی بالآخر یہ طے پایا کہ ایک عہد نامہ لے کر دوسرے دن صبح گاندھی جی کی خدمت میں چلیں اور اُن سے درخواست کریں کہ ہم عہد نامے پر دستخط کرنے والے ان شرائط کو پورا کرنے کی ذمہ داری لیتے ہیں۔ ۱۸ر جنوری ۱۹۴۸ء کو یہ لوگ

گاندھی جی کی خدمت میں پہنچے اور انھیں اس بات پر راضی کرلیا کہ وہ اپنا برت کھولدیں۔ ذیل میں ان لوگوں کا عہدنامہ اس کے بعد "الجمعیۃ" کے نامہ نگار کا آنکھوں دیکھا حال درج ہے

"ہم یہ اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ یہ ہماری دلی خواہش ہے کہ ہندو مسلمان اور سکھ اور دوسرے فرقوں کے لوگ پھر ایک بار دہلی میں بھائیوں کی طرح کامل آشتی سے رہیں اور ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کی جان و مال اور ایمان کی حفاظت کریں گے اور جو واقعات دہلی میں ہوچکے ہیں ان کو پھر نہ ہونے دیں گے

ہم گاندھی جی کو یقین دلاتے ہیں کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار مبارک پر گذشتہ سالوں کی طرح اس سال لازماً عرس ہوگا

مسلمان سبزمنڈی، قرولباغ، پہاڑ گنج اور دوسرے علاقوں میں پہلے کی طرح چل پھر سکیں گے

مسلمانوں کی متروکہ مساجد جواب ہندوؤں اور سکھوں کے قبضہ میں ہیں واگذار کردی جائیں گی۔ وہ علاقے جو مسلمانوں کے لئے مخصوص کئے جاچکے ہیں ان پر بھی زبردستی قبضہ کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی

دہلی کے مسلمان جو یہاں سے ہجرت کرگئے ہیں اگر آنا چاہیں تو ہم معترض نہ ہوں گے مسلمان پہلے کی طرح اپنا کاروبار جاری رکھ

سکیں گے

ہم یقین دلاتے ہیں کہ ہم یہ سب کام اپنی ذاتی کوششوں سے کریں گے نہ کہ پولیس اور فوج کی مدد سے

ہم مہاتماجی سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہم پر بھروسہ کریں اور برت توڑ دیں اور پہلے کی طرح ہماری قیادت کریں۔

دستخط کنندگان

ڈاکٹر راجندر پرشاد۔ مسٹر جیرام داس دولت رام۔ مسٹر شنکر راؤ دیو۔ مسٹر جوتھ رام گڈوانی۔ مسٹر ہر چند کھنہ۔ مسٹر خورشید احمد خاں چیف کمشنر دہلی۔ مسٹر ایم۔ ایس رندھاوا ڈپٹی کمشنر۔ لالہ دیش بندھو گپتا۔ مسٹر گردھاری لال پوری۔ ڈپٹی اسپیکر سرحدی اسمبلی مسٹر شنکر لال گوسوامی گنیش دت۔ چودھری کرشن گوپال دت۔ دیوان چمن لال سردار ہرنام سنگھ۔ گیانی گرمکھ سنگھ مسافر۔ مولانا حبیب الرحمٰن مسٹر رگھونندن سرن۔ سردار سنت سنگھ ودیارتھی۔ لالہ ہری چند۔ دیوان بھنجو رام گاندھی۔ ڈاکٹر لہنہ سنگھ۔ ڈاکٹر ایل۔ سی۔ جین۔ مسٹر آر۔ کے کوہلی۔ مسٹر رادھارمن۔ ڈاکٹر یدویر سنگھ۔ مسٹر برہم پرکاش لالہ اونکار ناتھ۔ مسٹر گردھاری لال سلوان۔ سردار ترلوچن سنگھ مسٹر یگیہ پرا دیش۔ مسٹر ایشر داس خیرا۔ مسٹر گنگا سرن۔ مسٹر مہتہ پورن چند سردار ستونت سنگھ۔ ڈاکٹر کشوری لال۔ سی۔ ایم شرما۔ ڈاکٹر سوجت سنگھ۔ مسٹر کنہیا سنگھ۔ ایل جگن ناتھ۔ مسٹر پھول چند جین۔ مسٹر رام لال

مسٹر رام چرن اگروال۔ مسٹر مکندلال جوہری۔ مسٹر نانک چند ملک۔ مسٹر رام پیارے لال۔ مسٹر کندن لال شرما۔ مسٹر طوطا سنگھ۔ پنڈت سندر لال۔ سردار جواہر سنگھ۔ مسٹر روی راج کوہلی۔ حکیم منسارام۔ مولانا حفظ الرحمٰن مسٹر محمد ظفر۔ مسٹر ہلال احمد زبیری۔ مسٹر سلطان یار خاں۔ سید عزیز حسن بقائی۔ میر مشتاق احمد۔ حکیم خلیل الرحمٰن۔ ایس۔ ایم عبداللہ۔ حافظ محمد یا بادا ہرنام سنگھ۔ ایم حنیف

جس وقت گاندھی جی نے اپنا برت توڑا برلا ہاؤس چہل پہل اور بے مثال سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا تھا اس چھوٹے سے کمرے میں جس میں گاندھی جی مقیم ہیں کابینہ کے وزرا اور ہر فرقے کے لیڈر موجود تھے۔ ان کے علاوہ پریس کے نمائندے اور فوٹوگرافر بھی موجود تھے گاندھی جی ایک تکیہ سے ٹیکے ہوئے بیٹھے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے سنترے کے رس کا ایک گلاس گاندھی جی کو پیش کیا جس کو گلوکوز سے میٹھا کیا گیا تھا۔ جس وقت گاندھی جی نے رس پی کر برت توڑا تو حاضرین نے زور سے گاندھی جی کی جے کا نعرہ لگایا اور پنڈت جواہر لال نہرو کے ہونٹوں پر مسرت کھیل گئی۔ آپ اس تمام دوران میں حد درجہ متفکر نظر آتے تھے اور دیکھنے والا بخوبی اندازہ کرسکتا تھا کہ آپ کے چہرہ سے مایوسی ٹپکتی تھی۔ گاندھی جی کے برت توڑتے ہی وہ مایوسی اور پنڈت جی کے چہرے کی اداسی مسرت اور شادمانی سے بدل گئی اور آپ بے اختیار مسکرا اٹھے

گاندھی جی کے پاس ڈاکٹر راجندر پرشاد بیٹھے ہوئے تھے، آپ کی انتھک کوششوں نے ہی مختلف فرقوں کے باہمی ربط اور میل جول کا یقین دلانے والوں نے اپنے آپ کو امن و شانتی پیدا کرنے اور فرقہ وارانہ امن قائم رکھنے کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ ان لیڈروں نے گاندھی جی کو یہ یقین دلا دیا ہے کہ دہلی کے حالات کے وہ ذمہ دار ہیں

ان لیڈروں نے یہ بھی کہا کہ وہ حالات پر ہر وقت نظر رکھیں گے اور اب گاندھی جی آزاد ہیں کہ وہ اس یقین کے ساتھ جہاں چاہیں جا سکتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ہمیں جہاں تک معلوم ہوا۔ گاندھی جی نے کہا کہ لیڈر صرف دہلی کے امن کے ذمہ دار ہی نہیں ہیں بلکہ گاندھی جی کا یہ کہنا تھا کہ سارے ہندوستان کے امن کی ذمہ داری ان لیڈروں پر عائد ہوتی ہے اور انھیں یہ یقین دلانا چاہیئے کہ وہ تمام ملک میں فرقہ وارانہ امن و اتحاد قائم کریں گے

مثال کے طور پر حال ہی میں الہ آباد میں جو فرقہ وارانہ فساد ہوا ہے اور جس میں اقلیت کے فرقہ کا نقصان ہوا ہے اس کی ذمہ داری بھی حکومت ہند اور ان لیڈروں پر عائد ہوتی ہے

گاندھی جی نے فرمایا کہ عہد نامہ پر راشٹریہ سیوک سنگھ اور ہندو مہاسبھا کے نمائندوں نے بھی دستخط کئے ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا

کہ دہلی کے علاوہ دوسرے حصوں کے امن سے ہم غیر متعلق ہو جائیں
آپ نے اس امر کو نہایت وضاحت سے پیش کیا کہ اگر ملک کے
دوسرے حصوں میں فرقہ وارانہ فساد ہوا اور اقلیت کا فرقہ
اپنے آپ کو محفوظ خیال نہ کر سکے تو ہم ان حالات اور واقعات
سے غیر جانب دار نہیں رہ سکتے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان
تمام واقعات کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہونا
چاہیئے۔ گاندھی جی نے فرمایا کہ دہلی ہندوستان کا قلب ہے
اور دہلی کے واقعات کا اثر تمام ہندوستان پر پڑتا ہے۔ اگر ہم
تمام ملک کے ہندو مسلمان اور سکھوں کو اس امر کا یقین نہیں دلا سکے
کہ وہ بھائی بھائی ہیں اور انہیں آپس میں میل جول اور اتحاد سے رہنا
چاہیئے تو ہماری تمام کوششیں بیکار رہیں اور ہندوستان کی تباہی
یقینی ہے۔ اتنا کہنے کے بعد گاندھی جی خاموش ہو گئے گاندھی
جی نے جو کچھ فرمایا تھا اس کو بہ آواز بلند دہرایا گیا

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد گاندھی جی نے ان کو مخاطب
کرتے ہوئے پھر فرمایا کہ آپ کو اپنے دلوں کا پورا جائزہ لینا چاہیئے
اور یہ دیکھنا چاہیئے کہ کوئی غلط قدم تو آپ نہیں اٹھا رہے تاکہ بعد کو
آپ کو پچھتانا نہ پڑے۔ گاندھی جی نے فرمایا کہ اس وقت اس امر
کی ضرورت ہے کہ نہایت جرأت اور دلیری سے کام لے کر
اپنے صحیح خیالات کا اظہار کر دیا جائے اور وہی زبان پر آسکے

دلوں میں ہے آپ کو اپنے عہدنامہ کی پیچیدگیوں کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے کیونکہ دہلی میں جو کچھ کیا گیا ہے یہی بقیہ ہندوستان میں ہونے کی ضرورت ہے یعنی جس طرح امن وامان کا دہلی میں یقین دلایا گیا ہے اسی طرح تمام ہندوستان میں امن کا قائم ہونا ضروری ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ اس مقصد کو ایک دن میں حاصل کیا جاسکتا ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ابھی تک وہ شیطان کے ساتھی بنے ہوئے تھے اب انھوں نے خدا شناسی کا عہد کیا ہے جس کو انھیں پورا کرنا ہے گاندھی جی نے فرمایا :-

جو کچھ میں نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے اگر آپ اس کو دل سے قبول نہیں کرتے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اس کا انجام دینا آپ کی طاقت سے باہر ہوگا تو آپ کو اس کا صاف صاف اعلان کردینا چاہیئے

گاندھی جی نے اس امر پر نہایت زور دیا کہ اس سے زیادہ غلط بات اور نہیں ہوسکتی کہ ہندوستان صرف ہندوؤں اور سکھوں کا ہے اور پاکستان صرف مسلمانوں کا ہے ۔ میں تمام شرنارتھیوں کو اچھی طرح بتا دینا چاہتا ہوں کہ دہلی میں، حالات درست ہونے کے معنی یہ ہوں گے کہ پاکستان میں حالات درست ہو جائیں اگر ہم نے یہ محسوس کیا کہ مجھے دھوکا دیا گیا ہے یا میں نے برت

توڑنے میں دھوکا کھایا تو مجھے دوسرا برت رکھنے میں ذرا بھی پس و پیش نہ ہو گا۔ اس کے بعد آپ نے ان مسلمانوں کو بلایا جو اکثر آپ سے ملتے تھے اور ان سے دریافت کیا کہ کیا وہ مطمئن ہیں اور کیا برت توڑ سکتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے کہا کہ یہ شک کرنا کہ مسلمان ہندوستان کو اپنا وطن خیال نہیں کرتے سب سے بڑی غلطی ہے۔ مسلمان ہندوستان کو اپنا وطن تصور کرتے ہیں اور ان کو یہیں رہنا ہے۔ گاندھی جی نے ایک کتاب کا حوالہ دیا جو آپ کو پٹنہ میں پیش کی گئی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ مسلمان کو قرآن یہ تعلیم دیتا ہے کہ کافر یعنی ہندو بہت خطرناک ہیں اور ان کو مٹا دینا نہایت ضروری ہے۔ آپ نے کہا کہ بعض لوگ ہندوؤں کو بتوں کا پوجنے والا خیال کرتے ہیں حالانکہ ہندو پتھروں کو نہیں پوجتے بلکہ اس خدا کو پوجتے ہیں جو دلوں کے اندر ہے اور جس کے ساتھ مادہ کا ایک ذرہ بھی شامل نہیں ہے

اس کے بعد گاندھی جی نے حاضرین سے استصواب کیا کہ آپ خلوص دل سے اس عہد نامے کو قبول کرتے ہیں تو مجھے آزاد کیجئے کہ میں پاکستان یا جہاں چاہے جا سکوں۔ میری غیر حاضری میں پاکستان کے ان لوگوں کا آپ کو خیر مقدم کرنا چاہئے جو اپنے گھروں کو واپس آنا چاہتے ہیں۔ جو مسلمان دہلی سے چلے

گئے ہیں وہ خوش نہیں ہیں کہ ان کے اچھے کاریگر یہاں سے چلے گئے
جو صنعت کہ نسلوں سے ایک فرقہ میں چلی آرہی ہو اور جس میں وہ فرقہ
ماہر ہوگیا ہو اس کو حاصل کرلینا ایک دن کا کام نہیں ہے۔ اس کے بعد
گاندھی جی نے دوبارہ حاضرین سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے دلوں کا
جائزہ لیں اور مجھے دھوکہ دینے کی کوشش نہ کریں

اس کے بعد مولانا آزاد نے فرمایا کہ اسلام کے متعلق اس کتاب
میں جس کا تذکرہ گاندھی جی نے فرمایا سخت غلط بیانی سے کام لیا
گیا ہے۔ آپ نے قرآن پاک کی آیت شریف کی تلاوت فرمائی
جس میں بتایا گیا ہے کہ تمام انسان بھائی بھائی ہیں۔ خواہ ان کا مذہب
کچھ بھی ہو۔ گاندھی جی نے جس کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ اس میں
جو کچھ کہا گیا ہے یہ اسلام کی تعلیمات کے قطعاً منافی ہے اور
اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کتاب سے صرف
یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان میں یہ ایک دیوانگی پیدا ہوگئی تھی۔

مولانا آزاد کے بعد مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ مسلمانوں
پر یہ الزام کہ ہندوستان کو وہ اپنا وطن خیال نہیں کرتے قطعاً بے بنیاد
ہے۔ مسلمانوں نے گزشتہ تیس سال میں قومیت کی جو خدمت کی ہے
ان پر یہ الزام قطعاً اس کے خلاف ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مسلمانوں
سے وفاداری کا مطالبہ کرنا قومیت کی توہین ہے

آپ نے فرمایا کہ دہلی میں فسادات کے دوران میں ایک موقع

پر ہمارے کانگریسی دوستوں نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ چونکہ دہلی میں ہماری حفاظت کا مناسب بندوبست نہیں ہو سکتا ہے اس لئے دہلی کے باہر ہمارے تحفظ کا انتظام کر دیا جائے۔ لیکن ہم نے اس پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اس کو ترجیح دی تھی کہ بغیر پولیس اور فوج کی امداد کے ہم دہلی میں ہی رہ کر کام کریں

آپ نے فرمایا کہ جمعیۃ کے مسلمان ہمیشہ مولانا آزاد اور کانگریس کے پیرو رہے ہیں۔ اور جو لوگ پاکستان چلے گئے ہیں وہ جان کے خوف سے چلے گئے ہیں لیکن وہ پھر ہندوستان واپس آنا چاہتے ہیں اور اگر ہندوستان پر حملہ کیا جائے تو وہ اس کی حفاظت میں اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہانے کو تیار رہیں۔ جو لوگ ایسا نہیں کر سکتے میں نے ان کو اکثر یہی مشورہ دیا ہے کہ وہ ہندوستان چھوڑ کر چلے جائیں

آپ نے دہلی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ گاندھی جی کے برت کے نتیجہ میں حالات تیزی سے بدل رہے ہیں اور فرقہ وارانہ امن و اتحاد کی فضا پیدا ہونا شروع ہو گئی ہے چونکہ حکومت کی طرف سے بھی یقین دلایا گیا ہے اس لئے میں ڈاکٹر راجندر پرشاد کی اس اپیل کی تائید کرتا ہوں کہ گاندھی جی بھی اپنا برت توڑ دیں جب مسٹر سی گنیش دت ہندو مہا سبھا اور راشٹریہ سیوک سنگھ

کی طرف سے اپیل دُہرا چکے تو زاہد حسین صاحب نے گاندھی جی سے چند الفاظ کہے

میں یہاں آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ یہ عرض کردوں کہ پاکستان کے لوگ آپ کے بارے میں کس قدر گہری تشویش رکھتے ہیں اور روزانہ بے شمار لوگ آپ کے متعلق مجھ سے دریافت کرتے ہیں یہ ان کی دلی خواہش ہے کہ جلد ایسے حالات پیدا ہوں جن سے آپ برت توڑ سکیں اگر میں اس سلسلہ میں کچھ کر سکتا ہوں اور نیز پاکستان کے لوگ کچھ کر سکتے ہیں تو ہم اس کے لئے تیار ہیں

زاہد حسین صاحب کے بعد مسٹر خورشید احمد اور مسٹر رندھاوا نے مقامی حکومت کی طرف سے یقین دلایا کہ عہد نامہ میں جو شرائط مذکور ہیں ان پر پوری طرح عمل درآمد کیا جائے گا

فرقہ وارانہ اتحاد کے معاملہ میں ہند کے دارالخلافہ کی جو شاندار روایات رہی ہیں ان کو پھر سے قائم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے گا۔

سردار ہربنس سنگھ نے سکھوں کی طرف سے اپنے پیش روؤں کی تائید کی اس کے بعد گاندھی جی نے برت توڑنے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ یہ رسم پرارتھنا کے دوران میں ادا کی گئی، جینیوں، مسلمانوں اور پارسیوں کی مذہبی کتب سے آیات پڑھی گئیں

ان کے بعد یہ منتر پڑھا گیا

"مجھ کو کذب سے صداقت ظلمت سے روشنی فنا

سے بقا کی راہ دکھا"

ایک ہندوستانی حمد اور عیسائیوں کی حمد پڑھی گئی

مولانا صاحب نے پھلوں کے رس کا گلاس پیش کیا اور مہاتما

جی نے اسے نوش فرمالیا

(الجمعیۃ۔ دہلی۔ ۱۹ر جنوری ۱۹۴۸ء)

جب سے یہ فسادات شروع ہوئے مہاتما جی کی کوششوں کو دیکھ کر مسلمان اُن کی طرف کھنچے جا رہے تھے لیکن ان کے برت سے مسلمانوں کی آنکھیں کھل گئیں اور گاندھی جی سچائی کے پیامبر کی صورت میں نظر آنے لگے۔ ذیل میں ہندوستان کے مشہور مسلم لیگی رہنماؤں اور گاندھی جی کا وہ مکالمہ درج کرتا ہوں جس سے گاندھی جی کی شخصیت کی ایک جھلک سامنے آتی ہے:۔

۲۸ر جنوری تھی، ٹھیک ۶ بجے شام کا وقت تھا۔ نواب محمد اسمٰعیل خاں بیگم اعزاز رسول اور سید سراج حسین بیرسٹر کے ہمراہ راقم تحریر برلا ہاؤس نئی دہلی میں مہاتما گاندھی سے ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا۔ پرارتھنا کا جلسہ اسی وقت ختم ہوا تھا، ہمیں چند منٹ انتظار کے کمرے میں گذارنا پڑے اس کے بعد گاندھی جی کے پاس پہنچا دیے گئے گاندھی جی سفید مسند پر جلوہ افروز تھے۔ تھوڑی دور پر دو سکریٹری

بیٹھے کچھ لکھ رہے تھے

نواب اسمٰعیل خاں صاحب نے گفتگو شروع کرتے ہوئے گاندھی جی کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا:- ہم لوگوں کی حاضری کا مقصد یہ ہے کہ اپنی خدمات آپ کو پیش کر دیں۔ ہم اس کے لئے حاضر ہوئے ہیں کہ پاکستان آپ کے ہمراہ یا آپ سے پہلے چلے جائیں۔ گاندھی جی نے اس جملہ پر خوشنودی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد کہا

انتخار مجھ سے مل کر گئے تھے۔ ان کے جواب کا انتظار کر رہا ہوں وہاں کی حکومت یا کم از کم مسلم لیگ مجھے دعوت دے تب میں وہاں جاؤں گا

نواب صاحب نے گاندھی جی سے ان کا پروگرام دریافت کیا۔ گاندھی جی نے فرمایا:-

میں تو دو ہی تین دن میں وردھا جانے والا تھا۔ مگر مولانا حفظ الرحمٰن اور احمد سعید صاحب آج آئے تھے اور انھوں نے کہا کہ دہلی کی حالت ابھی ایسی نہیں کہ آپ یہاں سے چلے جائیں ہندو مہا سبھا نے بھی میری امن کی کوششوں کے خلاف ریزولیوشن پاس کر دیا۔ خیر۔ ہندو مہا سبھا تو ہمیشہ سے میرے خلاف رہی۔ سو اب میں ۱۴ فروری تک وردھا جانے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ میں جب دہلی آیا تھا تو میں نے کہا تھا کہ کروں گا یا مروں گا۔ سو میں اب تک تو مرا نہیں اور جب تک خدا کی مرضی

ہے وہ مجھے دے سکے گا۔"

اتنی گفتگو کے بعد نواب صاحب نے میری طرف اشارہ کرکے فرمایا "یہ مولانا عبدالباری صاحب کے لڑکے ہیں۔" گاندھی جی بولے "ہاں ان کی صورت میں مولانا کی شباہت تھی اور میں ان کو دیکھ رہا تھا۔ باری صاحب تو میرے بڑے دوست تھے۔

میں بولا "آپ سے صرف ایک بات پوچھنے اور ایک ہی بات کا شکریہ ادا کرنے آیا ہوں۔" مہاتما جی بولے "کہئے" میں نے عرض کیا "یہ آپ سے کس نے بتایا کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی کا عرس کل کی تاریخ میں تھا اور آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ اتنے بڑے بزرگ تھے۔" گاندھی جی نے فرمایا۔

میں تو ان سب باتوں کو مانتا ہوں جب میں دہلی آیا تو مجھ کو بتایا گیا کہ مہرولی میں ہر سال عرس ہوتا ہے اور اب کی مرتبہ نہ ہو سکے گا تو میں نے کہا یہ تو بڑی بُری بات ہے جب میں نے برت رکھا تو خورشید اور رندھاوا سے میں نے کہا اگر فوج یا پولیس سے انتظام سے عرس ہو تو یہ کوئی بات نہیں۔ اس میں تو ہندو مسلمان سکھ سب کو شریک ہونا چاہئے۔ کاکی صاحب کے متعلق تو مجھ کو آپ کے والد صاحب نے بتا دیا تھا۔ باری صاحب کے ساتھ میں اجمیر شریف گیا تھا، وہاں چھوٹانی میاں بھی تھے۔ پھر میں نے قوالی بھی سنی۔ باری صاحب جب روضہ کے پاس پہنچے تو انھوں نے مجھ سے کہا آپ اندر جائیے

میں اندر نہیں جا سکتا ہوں ۔ سو میں اندر گیا اور وہ باہر کھڑے رہے
سو یہ ایک راز تھا کہ وہ اندر کیوں نہیں گئے جو انھوں نے بعد کو
مجھ کو بتایا مگر میں آپ کو اس وقت نہیں بتاؤں گا۔" میں آج پھر دہلی
گیا وہاں میں قوالی میں بیٹھا اور سکھ بھائیوں نے بڑے مزے سے کاکی
صاحب کی شان میں گیت گائے "

قوالی کے تذکرے پر نواب صاحب نے دریافت کیا آپ کو قوالی کا
شوق کب سے ہے؟" گاندھی جی نے فرمایا۔

میں جب چھوٹا سا تھا تو میرے گھر کے پاس ایک شخص ڈھولک پر
گیت گاتا تھا اور پھر قوالی میں بہت بار سن چکا ہوں "

نواب صاحب نے کہا "آپ کو اجمیر شریف میں کیا گانا سنایا
گیا تھا تو گاندھی جی کہنے لگے "

" مجھے یاد ہے کہ گیت رنگ دے چندریا، بھی وہاں گایا گیا تھا
اور چھوٹا نی میاں کو یہ بہت پسند آیا تھا "

ان باتوں کے بعد بیگم اعزاز رسول صاحبہ اُن سے کہنے لگیں آپ
کا اب پاکستان جانا ضروری ہے ۔ وہاں سے خیر سگالی کے جواب
ملے بغیر ہندو مسلم اتحاد کیسے رہے گا

گاندھی جی نے فرمایا :۔

" جب تک حکومت نہ بلائے میں وہاں کیسے جا سکتا ہوں "
میں بیچ میں دخل دیتے ہوئے بولا ۔ یہ بات میری سمجھ میں نہ آئی

آپ تو حکومتوں کی بھی پروا نہیں کرتے کیا انگریزوں نے ملک کو آزاد کرانے کے لئے آپ کو دعوت دی تھی؟ پھر آپ کیوں انتظار کر رہے ہیں کہ پاکستان آپ کو بلائے؟ ممکن ہے کہ اکیلے مسٹر جناح یہ نہ چاہتے ہوں کہ آپ کو بلایا جائے مگر پاکستان کے سب باشندے آپ کے جانے سے خوش ہوں گے اور آپ ان کو صحیح راستہ دکھائیں گے

گاندھی جی نے فرمایا :-

"میں ایک تجربہ کار آدمی ہوں جن حکومتوں کی مرضی کے خلاف میں نے کام کے، ان سے میں لڑنا چاہتا تھا

پاکستان سے تو میں میل کرنا چاہتا ہوں - ان کی مرضی کے خلاف کیسے جاؤں "

میں نے عرض کیا "آپ نے اپنے برت کے دوسرے دن جن خیالات کا اظہار پاکستان کے متعلق کیا تھا - ہر شخص کی خواہش ہے کہ پاکستان اور ہندوستان ویسا ہی ہو جائے

گاندھی جی نے فرمایا:-

ہم کو کسی سے نفرت نہ کرنا چاہئے - میں تو آپ سے کہتا ہوں کہ آپ لوگ پاکستان سے خفا نہ ہوجئے اور کوشش کیجئے کہ وہ لوگ بھی اچھے ہو جائیں - پوچھئے تو کشمیر اور حیدرآباد کوئی لڑنے کی باتیں ہیں - ہم دو تو آپس میں یہ باتیں طے کرتا ہیں "

نواب صاحب نے کہا آپ کے برت کے زمانے میں میں نے افتخار اور نون کو تار دیکر بلایا تھا۔ اگر آپ پسند کریں تو پاکستان کے کچھ غیر سرکاری لوگوں کو دہلی میں بلایا جائے اور ان سے طے کیا جائے کہ پاکستان میں امن کی مہم کس طرح شروع ہو۔ گاندھی جی نے کہا :-

"بہت اچھی بات ہے۔ آپ ضرور ان لوگوں کو بلائیے"

گاندھی جی نہایت ہشاش بشاش تھے اور بڑی دلچسپی سے باتیں کر رہے تھے۔ نواب اسمٰعیل خاں صاحب کو جلدی تھی۔ اس لئے ان سے رخصت ہوئے۔ چلتے وقت گاندھی جی نے فرمایا :-

"مجھے آپ سب کو دیکھ کر بہت خوشی ہے۔ آپ لوگ میرا بہت کام کر سکتے ہیں۔ آپ اتحاد رکھنے کے لئے کوشش کرتے رہئے"

ہم لوگ رخصت ہوئے اور راستے میں یہ باتیں کرتے آئے کہ گاندھی جی کے چہرے پر کتنی بشاشت اور تازگی ہے اور ان کی عمر کا اثر ان پر کتنا کم ہے۔

"دوسرے دن صبح میں لکھنؤ واپس آگیا اور مندرجہ ذیل خط میں نے لیاقت علیخاں اور پاکستان کے دوسرے لیڈروں کو بھیجا

"میں آج دہلی سے آیا ہوں اور اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ کر آیا ہوں کہ گاندھی جی کی کوششوں سے مسلمان اطمینان اور حفاظت کی گمشدہ فضا دوبارہ محسوس کر رہے ہیں۔ دہلی کی حالت دیکھنے کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ مکمل امن و فراغت صرف حکومت کی طاقت سے

نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے عوام میں خیر سگالی کے جذبات پیدا ہونے ضروری ہیں۔ وقت کا سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ گاندھی جی کی ان کوششوں کا جواب پاکستان سے بھی ملے گا ندھی جی خود پاکستان جانے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ وہاں کی حکومت یا کم از کم مسلم لیگ انھیں دعوت دے۔ اگر گاندھی جی پاکستان جائیں گے تو اس سے نہ صرف یہ فائدہ ہوگا کہ وہاں کے غیر مسلموں کو اطمینان پیدا ہوگا اور ہجرت کا وہ سلسلہ ختم ہوگا جس کو آپ لوگ بھی ناپسند کرتے ہیں بلکہ پاکستان کے متعلق ان غلط فہمیوں کی بھی تردید ہو جائے گی جو مختلف اخبارات پھیلاتے ہیں اور ہند کے مسلمان بھی یہ محسوس کریں گے کہ ان کے پاکستانی بھائی اس شخص کا خیر مقدم کرنے کو تیار ہیں جس نے بلاشبہ ہند کے ہزاروں مسلمانوں کی اس نازک دور میں جان بچائی ہے میرا یہ عریضہ ہرگز کسی سیاسی مقصد سے نہیں اور نہ مجھ کو کوئی حق ہے کہ میں آپ کے یہاں کی سیاست میں دخل دوں مگر میں اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں کہ آپ سے گاندھی جی کو وہاں بلانے کی استدعا کروں۔ آپ اس سلسلہ میں وہاں کی لیگ اور حکومت کو متاثر کرنے کی جو کوشش کریں گے۔ اس کے ہم بہت متشکر ہوں گے۔"

کیا معلوم تھا کہ امن وانسانیت کے پیامی اور عہد حاضر کے سب سے بڑے آدمی سے یہ ملاقات آخری ملاقات ہوگی۔

اس وقت بھی نگاہوں کے سامنے وہ ہنس مکھ چہرا ہے وہ معصوم

انداز ہے جس کو میں نے تین دن پہلے دیکھا تھا اور اب کبھی دیکھ نہ پاؤں گا۔
خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو گاندھی جی کے ساتھ رہے اور ان کی خدمت کرتے رہے۔ ان کی وفات ان کے دوستوں سے زیادہ نقصان دہ ان کے مخالفین کے لئے ہے۔ کاش ان کی بلند قربانیاں ان کے مخالفین کی بھی آنکھیں کھول دیں اور وہ کام جو ان کی زندگی میں پورا نہ ہو سکا۔ ان کے بعد مکمل ہو جائے۔ (جمال میاں فرنگی محل)

(انجام۔ دہلی۔ ۷ فروری ۱۹۴۸ء)

مولانا جمال میاں نے اس ملاقات کو آخری ملاقات کہا ہے۔ ہاں مہاتما جی کی آخری کہانی بڑی دلخراش ہے۔ عہدنامہ کے مطابق امن کا کام پھرتی سے ہو رہا تھا۔ مسلمانوں کی مسجدیں واپس ہونے لگی تھیں۔ مسلمان آزادی کے ساتھ گھوم پھر رہے تھے، پاکستان سے واپسی کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا بختیار کاکیؒ کا عرس گاندھی جی اپنے اہتمام میں کرائے دو تین دن ہوئے تھے، عرس کے موقع پر گاندھی جی مزار پر گئے تھے، وہاں فاتحہ پڑھی قرآن شریف سنا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر مہاتما جی کے مخالف راشٹریہ سیوک سنگھ والوں کا غصہ اور بڑھا۔ پہلے تو انھوں نے شام کی عبادت میں بم پھینک کر گاندھی جی کو ختم کرنے کی کوشش کی جب اس میں ناکام رہے تو ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کی شام کو اس سنگھ کا ایک ممبر ملزم ناتھورام گاڈسے زیرسینہ پستول چھپائے عبادت گاہ میں پہنچا اور اس امن کے دیوتا کو ابدی نیند سلا دیا۔ اس شہادت کا آنکھوں دیکھا حال برلا ہاؤس کے مالی نے اس

طرح بیان کیا ہے :-

اس روز باپو اپنی پوتی مانو اور آدا کے ہمراہ اپنے کمرے سے آرہے تھے آہستہ آہستہ وہ پرارتھنا گراؤنڈ کی سیڑھیوں پر چڑھے۔ انھوں نے لوگوں کو ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا۔ لوگوں نے دونوں طرف ہو کر راستہ ہٹایا۔ دونوں لڑکیاں باپو کے پیچھے تھیں۔ باپو آگے بڑھے تھے کہ دائیں طرف سے کسی نے انھیں نمسکار کیا اور کہا —آپ پانچ منٹ دیر سے آئے ہیں۔ باپو نے کہا کھشما کرنا مجھے دیر ہو گئی ہے اس کے بعد باپو نے دو قدم ہی اٹھائے تھے کہ بائیں طرف سے قریباً ۵ گز کے فاصلے پر سے ایک نوجوان آگے بڑھا۔ میں اپنا کام چھوڑ کر گاندھی جی کی طرف ہجوم کے پیچھے سے کھڑا تھا۔ میرے ہاتھ میں ابھی نک اپنی کھرپی تھی۔ پھرتی اور جان بوجھ کر اس نوجوان نے دو تین قدم اٹھائے اور دوسرے قدم پر اپنی جیب سے کوئی چیز نکالی۔ میں نے دیکھنے کے لئے اپنی گردن موڑی۔ اب یہ شخص باپو کے سامنے تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھائے۔ اس کی پستول ان کی چھاتی کے قریب تھی اور اس نے گولی چلا دی۔ نیلا سا دھواں اٹھا اور پستول کی گولیوں کی آواز آئی

چنڈال نے باپو کو ہلاک کر دیا تھا۔ میں ہجوم کو چیر کر آگے بڑھا اور حملہ آور کو دبوچ لیا۔ میرے ہاتھ غصے اور درد سے

کانپ رہے تھے۔ حملہ آور نے اپنے آپ کو چھڑانے کے لئے بے تحاشہ جدوجہد کی

باپو میری آنکھوں کے سامنے گر پڑے اُن کی آنکھیں کھلی ہیں اور دونوں جڑے ہوئے ہاتھ ان کی چھاتی پر تھے۔ دونوں لڑکیاں غمگیں پڑی ہوئی تھیں اور باپو ایک کی گود میں تھے۔ پولیس کے آدمی اور دوسرے لوگ حملہ آور پر ٹوٹ پڑے۔ بڑی مشکل سے انہوں نے مجھے الگ کیا۔ میں نے دیکھا کہ باپو جی کے پاس کوئی اور نہیں تھا میں وہاں گیا۔ اُن کا سر اپنی گود میں رکھا اور اُٹھانے کی کوشش کی۔ انھوں نے تین بار ہچکی لی۔ بعد میں انھیں کمرے کے اندر لیجایا گیا

۲۴ گھنٹے تک میں نہ تو کچھ کھا سکا اور نہ پی سکا نہ سو سکا۔ اب بھی میں اکثر رات کو چونک اُٹھتا ہوں اور مجھے وہ شخص نظر آتا ہے جس نے آگے بڑھ کر باپو کو قتل کیا مجھے باپو کا گرتا ہوا شریر اب بھی نظر آتا ہے۔ کیا میں اُسے کبھی فراموش کر سکوں گا؟

(تیج دہلی۔ ۶ فروری ۱۹۴۸ء)

ہندوستان پر کیا موقوف ہے، دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا جہاں اس عظیم المرتبت ہستی کا ماتم نہ منایا گیا ہو، اتحادی اقوام ہندوستان، پاکستان کے جھنڈے سرنگوں کیے گئے ملک ملک سے تعزیت کے پیغام آئے۔ ہندوستان میں

دو ہفتوں تک (جب تک مہاتما جی کے پھول الہ آباد کے سنگم میں بہائے نہیں گئے) سرکاری طور پر بھی ماتم منایا گیا۔ ذیل میں تعزیت کے چند پیغامات کا خلاصہ درج کرتا ہوں

امریکہ پریزیڈنٹ ٹرومین

گاندھی جی ایک بہت بڑے قوم پرست تھے لیکن وہ بین الاقوامی اہمیت کے لیڈر بھی تھے۔ بطور اپدیشک اور لیڈر کے ان کا اثر نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیا کے طول و عرض میں پھیل گیا اور ان کی موت سے تمام امن پسند لوگوں کو صدمہ پہنچا ہے ایک اور لیڈر اتحاد اور امن کی خاطر قربان ہو گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایشیا کے لوگ ان کی المناک موت سے سبق حاصل کر کے اور زیادہ پختہ ارادے سے اس نصب العین کے حصول کی کوشش کریں گے جس کے لئے گاندھی جی نے اپنی جان قربان کر دی۔

البرٹ آئن سٹائن۔ مشہور سائنسدان

ہر اس شخص کو جو نسل انسان کے لئے ایک بہتر مستقبل چاہتا ہے گاندھی جی کی افسوسناک موت پر صدمہ پہنچے گا۔ گاندھی جی اپنے اہنسا کے عقیدے پر خود ہی قربان ہو گئے۔ وہ اس لئے مارے گئے چونکہ ملک میں بدامنی اور شورش کے دنوں میں انھوں نے اپنی مسلح حفاظت کروانے سے انکار کر دیا ان کا یہ پختہ یقین تھا کہ طاقت کا استعمال بذات خود گناہ ہے لہذا وہ لوگ جو اس اصول کی

تکمیل چاہتے ہیں انھیں طاقت کے استعمال سے احتراز کرنا چاہئے
دل و دماغ میں یہ دشواش لے کر انھوں نے ایک عظیم قوم کو
آزاد کرایا
انھوں نے یہ ثابت کر دیا کہ نہ صرف سیاسی چالبازی
کے شاطرانہ کھیل سے بلکہ اخلاقی طور پر اعلیٰ طرز عمل سے عوام
کا اعتماد حاصل کیا جاسکتا ہے
مہاتما گاندھی کی عالمگیر مقبولیت اس بات کی مظہر ہے کہ لوگ
اپنے تحت شعور میں یہ اعتراف کرتے ہیں کہ اس اخلاقی گراوٹ
کے دور میں گاندھی جی ہی ایک ایسے رہنما تھے جنھوں نے دائرہ
سیاست میں قوموں اور انسانوں کے درمیان بہتر معیار رشتہ پیدا کرنے
کے لئے جدوجہد کی ہمیں بھی اس معیار کو حاصل کرنے کے لئے ہر
ممکن کوشش کرنی چاہئے۔ ہمیں یہ مشکل سبق سیکھنا چاہئے کہ انسانوں
کا مستقبل اسی حالت میں مستحکم ہو سکتا ہے جبکہ بین الاقوامی تعلقات
سے متعلقہ فیصلے بھی قانون اور انصاف پر مبنی ہوں اور جیسا کہ
اب تک ہوتا رہا ہے اپنے آپ راست بازی بنی ہوئی کسی طاقت
کے ہاتھ میں نہ ہوں

کنسیڈرا۔ مسٹر میکنزی کنگ وزیر اعظم۔

یہ خاص طور پر صدمہ پہنچانے والی بات ہے کہ ایک ایسی
شخصیت جس نے اپنی تمام زندگی تشدد کو ختم کرنے پر لگا دی۔

خود تشدد کا شکار ہوئی۔ مجھے امید ہے کہ عدم تشدد کے اصولوں کو (جن کا گاندھی جی نے پرچار کیا) گاندھی جی کے قتل سے اور زیادہ تقویت ملے گی

برطانیہ ۔ ہز میجسٹی دی کنگ

مجھے اور ملکہ کو مسٹر گاندھی کی موت کی خبر سن کر سخت صدمہ پہنچا۔ کیا آپ برائے مہربانی ہندوستان کے عوام کو اس ناقابل تلافی نقصان پر جو انھیں ہی نہیں بلکہ تمام نسل انسان کو ہوا ہے ہماری طرف سے صدق دلانہ ہمدردی کا پیغام پہنچا دیں گے؟

وزیر اعظم مسٹر اٹیلی۔

میں حکومت برطانیہ کی طرف سے اس المناک سانحہ پر آپ کو اور آپ کے رفیقوں کو گہرے رنج کے جذبات بھیجتا ہوں اس بے مثال شخصیت کی موت کی خبر کو نہ صرف ہندوستان میں بلکہ دنیا کے تمام حصوں میں رنج کے ساتھ سنا جائے گا ہم سب اس ملک میں اس انسانیت کے خادم کی موت پر بے حد رنجیدہ ہیں

ڈاوننگ سٹریٹ سے بیان

مہاتما گاندھی کی المناک موت کی خبر سے ملک معظم کی حکومت کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ گاندھی جی سے زیادہ ہندوستان

کی تاریخ میں کسی اور لیڈر نے پارٹ ادا نہیں کیا۔ زندگی بھر وہ
امن کے لئے کوشاں رہے اور تشدد کی مذمت کرتے رہے۔ ان
کی موت پر دنیا کے ہر ملک میں زندگی کے ہر شعبہ میں ان گنت
لوگوں کو رنج ہوگا۔ ان کی اخلاقی اور روحانی رہنمائی بدامنی
اور انتشار کے اس دور میں ذہنی قوت کا ذریعہ رہی ہے اور برطانیہ
ہندوستان کے اس نقصان عظیم میں شریک ہے

آئرلینڈ کے پریزیڈنٹ

آئرلینڈ کے باشندے دیگر تمام ممالک کے آزادی پسند
لوگوں کے ساتھ مل کر اس شخص کی موت پر سوگ مناتے ہیں۔
جس کی نیکی اور خدمتِ وطن میں وقف قربانی بھرے زندگی سب
کے لئے دعوت عمل تھی۔ خدا کرے کہ ہندوستان اور تمام
دنیا میں وہ فراخ دلی باہمی برادرانہ تعلقات اور امن پیدا ہوں
جن کے لئے گاندھی جی دل سے خواہاں و کوشاں تھے

ہالینڈ ڈاکٹر بیل وزیراعظم

انسانوں کی بھلائی کے لئے جو گاندھی جی نے منہمک کوششیں
اور قربانیاں کیں ان کی مثال نہیں ملتی

جینوا مسٹر ایڈورڈ فیلان۔ ڈائرکٹر جنرل بین الاقوامی لیبر آفس جنیوا۔

اس سانحہ کی خبر سن کر جو ہندوستان میں ہوا مجھے سخت
صدمہ پہنچا۔ مہاتما گاندھی کی موت سے جو ہندوستان کو ناقابل

تلافی نقصان ہوا ہے براے مہربانی اس پر میری صدق دلانہ ہمدردی
کا پیغام قبول کیجئے
فرانس وزیر اعظم شومین۔
مہاتما گاندھی کی ذات کو عقیدت پیش کرتے وقت فرانس کی
اسمبلی ایک دوست ایک دلیش بھگت اور سب سے بڑھ کر ایک
ایسے مفکر کی عزت افزائی کرتی ہے جس نے دنیا پر یہ ثابت کر دیا
کہ محبت نفرت سے زیادہ طاقتور ہے
جارج برنارڈ شا
بہت نیک ہونا بھی پرخطر ہے۔ سچی بات کہنے اور اس پر عمل
کرنے سے گاندھی جی نے کبھی دریغ نہیں کیا
اٹلی۔
پوپ پائس بارھواں۔ گاندھی جی ایک مہا پرش تھے جو کروڑں
ہندوستانیوں کے روحانی لیڈر تھے اور جنہوں نے ہمیشہ امن
کے لئے جدوجہد کی
کاؤنٹ سفورزا۔ اٹلی کے وزیر بیرونی معاملات
آپ کے اس نقصان میں جو کہ تمام نسل انسان کا نقصان ہے
تمام اٹلی گہرے رنج میں شریک ہے
روس
متحدہ ریاستہائے سوویٹ روس۔ ایم انڈرویئی گرومائیکو سوویٹ

ڈیلیگیٹ

ہندوستان کے ایک قابل قدر رہنما کے طور پر مسٹر گاندھی بلاشبہ ہندوستان کی تاریخ پر گہرے اثرات چھوڑ گئے ہیں مسٹر گاندھی کا نام ہمیشہ اس جدوجہد کے ساتھ وابستہ رہیگا جو ہندوستان کے لوگوں نے قومی آزادی حاصل کرنے کے لئے اتنے لمبے عرصے تک کی

پولینڈ

وزیر خارجہ پولینڈ

مہاتما گاندھی کی موت پر ہماری انتہائی صدق دلانہ ہمدردی قبول کیجئے۔ ظلم کے خلاف جمہوریت کے حصول کے لئے کی گئی کشمکش کے دوران میں انھوں نے اپنی ذات میں اعلیٰ صفات پیدا کیں اور تمام دنیا نے ان کا اعتراف کیا

ایبے سینا

شہنشاہ ہیلے سیلاسی

ہم نے مہاتما گاندھی کی اندوہناک موت کی خبر کو انتہائی رنج کے ساتھ سنا۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیا اس مہاپرش اور دنیا کے رہنما کی موت پر اظہار افسوس کرے گی

جنوبی افریقہ

وزیر اعظم فیلڈ مارشل سمٹس

جنوبی افریقہ

وزیر اعظم فیلڈ مارشل سمٹس

مہاتما گاندھی کے قتل کی خبر کو میں نے انتہائی گہرے رنج سے سنا اور مجھے امید ہے کہ دنیا کے سب لوگ اس غم میں شریک ہونگے

مہاتما گاندھی میرے ہم عصر لیڈروں میں سے ایک تھے۔ ہماری ۳۰ سال کی واقفیت کے دوران میں میرے دل میں ان کی عقیدت اور زیادہ بڑھ گئی۔ اگرچہ خیالات و طریق کار میں ہمارا کتنا ہی اختلاف کیوں نہ تھا۔ ایک عظیم شخصیت ہم سے جدا ہو گئی ہے۔ اور ہم ہندوستان کے ساتھ اس ناقابل تلافی نقصان میں شریک ہیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اس سے ہندوستان کی آتما سے فرقہ داری کے جذبات نکل جائیں۔ اور ہندوستان کے مصیبت زدہ عوام کو وہ چین نصیب ہو جس کے لئے گاندھی جی اپنی زندگی قربان کرنے کے لئے تیار تھے اور بالآخر کر بھی دی

گاندھی جی اپنے پیچھے بے مثال شہرت چھوڑ گئے ہیں۔ گاندھی جی انسانوں کے قابل قدر رہنما تھے

یونان

ایم رسالدانذ۔ ڈپٹی پرائم منسٹر اور وزیر بیرونی معاملات

میں نے مہاتما گاندھی کی بے وقت موت کی خبر کو انتہائی رنج سے سنا ان کی موت سے تمام نسل انسان کو اتنا ہی نقصان ہوا ہے جتنا کہ ہندوستان کو۔ یونان کے لوگوں نے ہمیشہ گاندھی جی کی عظمت کی قدر کی اور تعریف کی۔

یوکرائن

ایم واسلی تاراسینکو نے فرمایا

مسٹر گاندھی نے اپنے پیروؤں پر یہ بات واضح کر دی کہ اندرونی کشمکش لوگوں کے لئے فائدہ مند نہیں. بلکہ اس سے ان لوگوں کو فائدہ پہونچے گا جو ہندوستان پر غلبہ قائم رکھنا چاہتے ہیں

مجھے امید ہے اور یقین بھی ہے کہ گاندھی جی کی موت کے باوجود ہندوستان میں مستحکم گورنمنٹ قائم کرنے اور خود مختاری پیدا کرنے کا کام معرض التوا میں نہیں پڑیگا

آسٹریلیا

وزیر اعظم

آسٹریلیا کی حکومت اور عوام نے مہا تما گاندھی کی موت کی افسوس ناک خبر کو انتہائی دہشت اور گہرے رنج سے سنا. گاندھی جی کو آسٹریلیا میں آنے والی نسلیں بہت عرصہ تک انسانیت اور امن کے شیدائی کے طور پر یاد کریں گی. ہم ہندوستان کی حکومت اور عوام سے گہری ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں *

ہندوستان کے لوگوں کی طرف سے تعزیت کے پیغام کہاں تک لکھوں. حکومت ہند نے تعزیت کا جو ریزولیوشن منظور کیا ہے اسے تمام ہندوستانیوں کے دلوں کی ترجمانی سمجھیے. ریزولیوشن یہ ہے

"دنیا اور ہندوستان پر دفعتاً ایک المناک حادثہ کا سایہ چھا گیا ہے، ہندوستان کی

---

*. مجھے افسوس ہے کہ کاتب کی غلطی سے بعض اہم ممالک اور پاک ناظروں کے پیغامات رہ گئے ہیں.

کو ۵ بجے شام ایک قاتل نے اس زندگی کا خاتمہ کر دیا جس کی دنیا کو ابھی ضرورت تھی۔ اور جس پر نصف صدی تک ہندوستان کی قسمت کا دارومدار رہا تھا۔ راشٹر پتا مہاتما گاندھی عوام کے محبوب۔ عدم تشدد کے پجاری۔ امن کے شہزادے آزادی کے بے خوف سپاہی۔ مظلوم اور پسماندہ لوگوں کے سرپرست پرارتھنا میں جاتے ہوئے سورگباش ہو گئے۔ جہاں ہر شام ان کے ہم وطن ان کا بھاشن سننے جمع ہوا کرتے تھے۔ غروب آفتاب قوم کی مصیبت پر آنسو بہا رہا تھا

ان کا آخری نمایاں کارنامہ ہندوستان کی جنتا میں فرقہ وارانہ مصالحت اور امن کے لئے جان کی بازی لگانا تھا۔ اتوار ۱۸ جنوری کو انھوں نے لوگوں کے سنجیدہ عہد پر اپنا برت ترک کر دیا۔ اور ہندوستان نے اطمینان کا سانس لیا۔

یہ مجسمہ اور غیر متزلزل خدمت کی زندگی ایسی موت میں ختم ہوئی جس نے اپنی زندگی کے مقصد کو مکمل کر دیا۔ اب یہ ہندوستان کی سرکار اور جنتا پر موقوف ہے کہ اپنے عہد کی قول و فعل سے تکمیل کریں

ہندوستان کا عظیم ترین اور نیک ترین پرش چل بسا۔ دنیا ماتم کے آنسو بہا رہی ہے۔ اور اس مہاتما کو خراج عقیدت پیش کر رہی ہے

اگرچہ ہند سرکار غم میں مبتلا ہے لیکن وہ اب بھی فخریہ اپنے اس عظیم رہنما کی جو کروڑوں انسانوں کی روحانی رہنمائی کر رہا تھا اور جس نے انھیں کمال کوشش اور سچے عمل کی تعلیم دی تھی وہی قدر عزت کرتی ہے۔ موت کے وقت زندگی کی طرح وہ سنجیدہ مسکرا رہا تھا۔ اور ہر فرد بشر کے لئے اس کے دل میں محبت پنہاں تھی۔ وہ

اہنسا اور سچائی کا دیوتا تھا۔ اس کی زندگی انصاف اور حوصلہ کی مسلسل جدوجہد تھی

ہند سرکار مہاتما گاندھی کو احترام سے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اپنے عزم کا اعلان کرتی ہے کہ وہ اس کے پیغام کو عملی جامہ پہنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرے گی۔ اس کے لئے فرض اولین یہ ہے اور وہی فرض ہندوستانیوں سے حوصلہ تخلیق اور اعتقاد کا مطالبہ کرتا ہے۔ نیز سچائی اور برداشت کی قربانی چاہتا ہے۔ اس قومی ماتم کے وقت بھی ہند سرکار جنتا کو اپنے فرض سے آگاہ کرنا چاہتی ہے تاکہ وہ مستقبل کا باعزم اور غیر متزلزل مقابلہ کریں۔ انھیں ہند سرکار کی بدی اور تشدد کے خلاف جدوجہد میں مدد کرنی چاہئے۔ جس نے ہندوستان کے ایک قیمتی خزانے کو لوٹ لیا ہے۔ لیکن اس فعل نے اس ہستی کی شان کو اور دوبالا کر دیا ہے جس سے ہندوستان اور دنیا ہمیشہ روشنی حاصل کرتی رہے گی۔ یہ مہا ہستی اب بھی ہماری رہنمائی اور حفاظت کرے گی جس طرح وہ زندگی میں کرتی رہی۔ اس عالیشان ہستی میں تہذیب ہند کا پیغام پنہاں تھا ہمیں گاندھی جی اور ہندوستان سے صدق دلی کا اظہار کرنا چاہئے۔ اور ہمیں ہر ممکن سعی کرنی چاہئے تاکہ ہم اس ہندوستان کو دیکھ پائیں جو اس کے خواب میں تھا

شہادت کے تیسرے دن جامعہ ملیہ میں تعزیت کا جلسہ ہوا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے مہاتما جی سے متعلق پانچ واقعوں کا ذکر اس انداز سے کیا کہ ہر دفعہ حاضرین کے آنسو نکل آتے تھے۔ رقت کی وجہ سے وہ ان واقعات کو دوسرے جلوں میں ادا کرتے تھے۔ لیکن

لوگ سب کچھ سمجھ لیتے تھے ۔ وہ باتیں یہ ہیں (۱) تحریک ترک موالات کے زمانے میں علی برادران کے ہمراہ گاندھی جی علی گڑھ یونیورسٹی میں گئے تو وہاں فرمایا تھا کہ ہندوستان کو اگر پانچ نفر مل جائیں تو اس کا بیڑا پار ہو سکتا ہے ۔ (۲) ۱۹۲۵ء میں جب جامعہ ملیہ کے چلنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو گاندھی جی نے کسی گم نام شخص سے ہیں ہزار روپیہ دلوایا (۳) آپ نے اپنے پوتے رسک لال کو جامعہ میں پڑھنے کے لئے اس لئے بھیجا تھا کہ اسلام کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کر سکے ۔ جب رسک لال کا انتقال جامعہ میں ہوا اور گاندھی جی تشریف لائے تو بیساختہ فرمایا "اب تو میرا حق جامعہ پر زیادہ ہو گیا ہے" (۴) دہلی میں فسادات شروع ہونے پر ۹ ستمبر کو گاندھی جی جب دہلی پہونچے تو اس کے دوسرے دن کسی کے کہے بغیر دوڑے دوڑے جامعہ میں آئے کہ یہاں کے لوگوں پر کوئی بپتا تو نہیں پڑی ہے ! (۵) شہادت سے دو دن پہلے جب ڈاکٹر صاحب نے جامعہ ملیہ میں شام کی پرارتھنا کے لئے درخواست کی تو گاندھی جی نے یکم فروری کی تاریخ مقرر کر دی تھی مگر صورت یہ ہوئی کہ ہم اس تاریخ کو تعزیت کا جلسہ کر رہے تھے

اس جلسہ میں میں نے بھی حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا :-

حضرات ، مہاتما جی نے اپنی تقریروں میں کئی دفعہ یہ بات کہی ہے کہ جب انھوں نے ہوش سنبھالا تو کئی سوالات ان کے دل میں بار بار آتے تھے ۔ اور وہ چبھن اور خلش پیدا کرتے تھے ۔ لیکن وہ ان خیالات پر دلیری سے ڈٹے رہے اور وہ وقت تھا جب وہ اخبارات پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے ۔ نہ کتابوں کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا تھا ۔ بالآخر زندگی کی حقیقتوں کے بارے میں وہ ایک خاص نتیجہ پر پہونچے اور سکون قلب کے ساتھ ان کو

کوششوں میں لگے رہے۔ یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔ بچپن سے میرے دل
میں بھی خدا و رسول، مذہب، نیکی اور بدی کے بارے میں طرح طرح کے
سوالات پیدا ہوئے۔ میں نے اپنے اردگرد جو ماحول دیکھا اس میں اس چیز
سے مجھے بے انتہا تکلیف پہونچتی تھی۔ کہ کوئی شخص محض اس لئے اچھا ہے کہ وہ
مسلمان کے گھر پیدا ہوا ہے اور نام مسلمانوں کا سا ہے۔ فلاں شخص اس لئے
خراب ہے کہ وہ ہندو یا کسی اور مذہب کا پیرو ہے اور اس کا نام مسلمانوں کا
سا نہیں ہے۔ ان سوالات کی موجودگی میں خدا و رسول مذہب اور انسانیت
کے بارے میں بے انتہا سوالات پیدا ہو جاتے تھے۔ اور یہ سوالات در سوالات
کا سلسلہ اتنا تکلیف دہ ہو جاتا تھا کہ میں اپنے آپ کو پاگل محسوس کرنے
لگتا تھا، اس کا مظاہرہ میرے دوستوں نے دیکھا ہے۔ ایک طرف گاندھی
جی کی خلوص عملی زندگی اور ان کے پاک و صاف خیالات تھے، دوسری طرف
فرقہ پرستی کا زہر اپنے عروج پر پہونچا ہوا تھا۔ اس سے سوالات کو اور یقین
کا درجہ ملا۔ بالآخر ایک دن مولانا ابوالکلام کا ترجمان القرآن میرے ہاتھ
لگ گیا۔ اور میں جوں جوں "صراط مستقیم" کی تفسیر پڑھنے لگا مجھے ایسا معلوم
ہوا کہ میرے سوالات کا جواب بہت حد تک ملتا جا رہا ہے۔ بات کو پوری
طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے میرا سینہ جو بھنچا جا رہا تھا ایسا معلوم ہوا کہ وہ
کھلتا جا رہا ہے۔ اور میں اطمینان کے سانس لے رہا ہوں۔ جب اس فضا
میں میں نے اپنے آپ کو پایا تو مجھے گاندھی جی بڑے پیارے معلوم دینے
لگے۔ تب میں سمجھا کہ انسان اور انسانیت کتنے قدر کی چیز ہے میرا دل بار

بار یہ کہنے کو چاہتا ہے کہ دنیا میں نیکی اور بدی کے نام پر محاذ تو ہونے چاہئیں لیکن نام نہاد مذہبی گروہ بندی کے نام پر محاذ قائم ہونا میری سمجھ میں نہیں آتا ہے مجھے خوشی ہے کہ صحیح مذہب اسی کا نام ہے اور میں مذہبی آدمی ہوں۔ خدائے تعالیٰ نے ایسے مذہب کا ایک نام بھی مقرر کر دیا ہے۔ جسے اسلام کہتے ہیں۔ مگر افسوس کہ ہمارے اعمال کی وجہ سے یہ نام بہت بدنام ہوا ہے۔ میں گاندھی جی کو ان نیک خدا پرست لوگوں میں شمار کرتا ہوں جو دین کی اصل باتوں پر قائم رہتے ہیں۔ اب تک کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج کے جلسے میں جو مہاتما جی کی زندگی پر روشنی ڈالنے کے لئے منعقد ہوا ہے مجھے اپنے متعلق صفائی پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ تو دوستو یہ ایک بنیادی سوال ہے کہ مذہب کے بارے میں ہمارا ذہن کس حد تک صاف ہے۔ جب تک ہمارا ذہن صاف نہ ہو گا گاندھی جی کی زندگی پر روشنی ڈالنا کہ ہندوستان کی آزادی، ہندو مسلم اتحاد، چھوت چھات اور اپنے ملک کی چیزوں کا استعمال یہ سب کام گاندھی جی کو بہت پیارے تھے۔ بیکار ہے اس لئے کہ جب تک دلوں میں روک رہے گی۔ عقیدے میں کمزوری اور کام بے جان رہیں گے

جب آدمی کے دل میں کشمکش پیدا ہوتی ہے تو فضا میں جو جراثیم پہلے سے موجود ہوتے ہیں دل انھیں قبول کر لیتا ہے۔ فرقہ پرستی کے زہر کے جراثیم اس حد تک پھیل گئے ہیں کہ ان اثرات کو قبول نہ کرنے کے لئے پہلے ہمیں صحت مند رہنے کی ضرورت ہے۔ گاندھی جی کی اس شہادت کے موقع پہ پہلے ہم خود

کو صحت مند بنانے کی کوشش کریں تب تو آپ کی زندگی کے مظاہر یعنی
ہندوستان کی آزادی، ہندو مسلم اتحاد، چھوت چھات کا دور کرنا، دیہات
سدھار کی اپنے ملک کی چیزوں کا استعمال یہ سب کام پروان چڑھ
سکتے ہیں ورنہ ہماری کوششوں میں کوئی جان پیدا نہیں ہو گی۔ پہلے اپنے
سینے کے اگنی کو ٹھیک کیجیے۔ تب روشنی پھیلائیے ورنہ ڈر ہے کہ ہماری
روشنی دکھاوے کی ہو کر رہ جائے

جلسہ ختم ہونے کے بعد جامعہ کے چند اساتذہ نمایندوں کی صورت میں گاندھی
جی کے فرزند دیوداس جی کے پاس پرسے کے لئے گئے اور یہ تحریر پیش کی

پیارے بھائی دیوداس

باپو جی کی شہادت سے آپ کو اور خاندان کے سب لوگوں کو جو رنج پہنچا اس
کی تھاہ کون پا سکتا ہے۔ اس وقت تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ پیروں تلے سے زمین
نکل گئی، آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا، تن من میں سکت نہیں رہی، سارا جیون
ٹوٹ کر اور بکھر کر رہ گیا۔ مگر خدائے تعالیٰ میں جس نے باپو جی کا سا انسان پیدا
کیا بڑی طاقت ہے۔ امید ہے کہ رنج کے پہلے گذر جانے کے بعد وہ آپ کو
اور ہم سب کو صبر دے گا۔ روشنی اور طاقت دے گا۔ بکھرا ہوا جیون پھر
سمٹے گا۔ اور نئے جوش کے ساتھ اس کام کو پورا کرنے میں لگ جائے گا۔ جو
اس ورشہید نے شروع کیا تھا۔ آپ باپو کے بیٹوں میں سب سے چھوٹے
ہیں۔ مگر پھر بھی ان کے کام کا بہت سا بوجھ اور خاندان کا سارا بوجھ آپ ہی
کو اٹھانا ہے۔ ہاں خاندان کے اور سب لوگ، جن میں ہم بھی شامل ہیں پوری

طرح آپ کا ہاتھ بٹائیں گے

خاندان میں ہم بھی شامل ہیں۔ اس بات کو کوئی اور نہ جانے آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ یوں تو باپو جی کا خاندان سارا دیش تھا بلکہ سارا سنسار تھا، وہ دنیا کے سب نیک انسانوں کے بھائی اور باپ کی طرح تھے۔ اسی لئے دنیا کے کونے کونے میں ان کا شوک منایا جا رہا ہے۔ مگر دیش کی بہت سی انجمنیں جن میں ایک چھوٹی سی جامعہ ملیہ بھی ہے۔ یہ ان ہی کی لگائی ہوئی پود ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ جامعہ کو علی گڑھ میں قائم کرنے میں اور پھر دہلی لانے میں ان کا کتنا بڑا حصہ تھا۔ اور کئی نازک موقعوں پر جب جامعہ مر رہی تھی اس کے زندہ رکھنے میں کس کس طرح حکیم اجمل خاں صاحب، ڈاکٹر انصاری صاحب اور عبدالمجید خواجہ صاحب کی مدد کی، مالی مدد کے علاوہ جامعہ کو باپو سے اتنا کچھ ملا جس کا حساب نہیں ہو سکتا۔ اگر جامعہ کے لوگوں میں تیاگ کی اور تپسیا کی کچھ روح تھی اور ہے تو ان کے دم سے۔ اس کے بنانے میں اس کو راہ پر لگانے میں اور ہر موڑ پر راستہ بتانے میں ان کا ہاتھ رہا ہے۔ وہ جامعہ کو اپنا گھر کہا کرتے تھے۔ اور جامعہ والوں کو اپنے بچے سمجھتے تھے۔ انھوں نے آپ کو جامعہ ملیہ پڑھانے کے لئے بھیجا تھا۔ اور اپنے پوتے رسک مرحوم کو پڑھنے کے لئے۔ وہ ہمیشہ کے لئے ہمارے اندر رہ گیا۔ آپ کچھ دن بعد کاموں کو سنبھالنے کے لئے چلے گئے مگر ہمارا آپ کا تعلق قائم ہے اور رہے گا اس لئے یہ امید ہے کہ آپ جامعہ کے بڑوں کو اپنے سگے بھائی بہن کر اور بچوں کو اپنے بچے جان کر خاندان کے کام میں

ہاتھ بٹانے کا اور جو ہم سے ہو سکتا ہے کرنے کا موقع دیں گے

آخر میں خدا کے تعالیٰ سے دعا ہے کہ باپو جی کو پرلوک میں بھی اتنی ہی اونچی جگہ دے جتنی اس دنیا میں دی ہے اور ان کی روح کو ہمارے اندر دیس کے اندر اور ساری جگت کے اندر باقی رکھے اور سب کو ان کے بتائے ہوئے رستے پر چلنے کی توفیق دے۔"

ارتھی کا جلوس، چتا کا منظر، دو ہفتوں کے اختتام پر الہ آباد کے سنگم میں پھولوں کا بہائے جانا ان سب کا حال کیا لکھوں۔ ان دنوں پاکستان میں جس طرح سوگ منایا گیا ہے اس کا حال سید مخدوم شاہ صاحب بنوری کنوینر سنٹرل ریلف کمیٹی مجلس احرار پاکستان نے نیا دور میں شائع کیا ہے۔ اس کے پڑھنے سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہندوستان نے اس جدائی کو کس طرح محسوس کیا ہو گا اور اس کی رسومات کی کیا کیفیت رہی ہو گی

· گاندھی جی کی موت کا پاکستان میں جو اثر ہوا ہے اور پاکستانی باشندوں نے جس طرح اس المناک خبر کو سنا اس کی مختصر روئداد ریڈیو کے ذریعہ ہندوستان میں پہونچ چکی ہے۔ لیکن اگر ہم اس حقیقت پر نظر ڈالیں کہ پاکستان میں کیا ہوا اور پاکستان اور قبائل کے لوگ کس طرح اس افسوسناک خبر سے متاثر ہوئے تو ہم کہیں گے کہ ہندوستان میں پاکستان کی خبروں کا بہت کم حصہ پہونچا ہے

ایک یوروپی فلسفی کے قول کے مطابق تاریخ کسی انسان کی عظمت کا فیصلہ کرنے کے لیے ہمیشہ اس کی موت کا انتظار کرتی ہے

گاندھی جی کی موت نے کل کے دشمنوں کو آج کا دوست بنا دیا۔ آج ساری دنیا کے ساتھ مملکت پاکستان کا پرچم بھی سرنگوں ہے۔ ساری مملکت میں سوگ ہے۔ لوگوں کے چہرے اشک آلود ہیں، ہر شہر اور ہر فرقہ میں تعزیتی اجتماعات ہو رہے ہیں، ہر ہوٹل، ہر مکان، ہر دوکان اور جہاں بھی سرکاری ریڈیو ہیں وہ سب گاندھی جی کی ارتھی کا آنکھوں دیکھا حال سنا رہے ہیں۔ اور لوگوں کی بھیڑ ہے جو اشکبار آنکھوں سے آواز پر ٹوٹی پڑتی ہے۔ ارتھی کے روز صبح کی خبروں میں پاکستان ریڈیو کے اناؤنسر نے جس غم ناک لہجہ میں لوگوں کو یہ وحشتناک خبر سنائی اس نے ہر شخص کو آبدیدہ کر دیا۔ پاکستان ریڈیو نے اپنا تمام وقت گاندھی جی کی یاد میں گذارا نوحے پڑھے گئے۔ تعزیتی جلسوں کا آنکھوں دیکھا حال اور ماتمی تقریریں براڈکاسٹ کی گئیں۔ اسی ریڈیو نے گاندھی جی کے احترام میں ان کا محبوب عبادتی بھجن پڑھا

رگھو پتی راگھو راجہ رام　　　پتت پاون سیتا رام
ایشور اللہ تیرے نام　　　سب کو سمتی دے بھگوان

اور ایک دوسرا بھجن :-

دیا کرو بھگوان　　　سب پر دیا کرو بھگوان

اپنی پوری شان کے ساتھ سنایا گیا۔ اس روز غالباً پہلی بار اس ریڈیو نے مسٹر کی بجائے گاندھی جی کو مہاتما گاندھی کے نام سے یاد کیا۔ پاکستان ریڈیو سے بار بار کہا گیا کہ گاندھی جی کے لئے آج عالم انسانیت اشکبار

سے ہے۔ وہ انصاف کے دیوملتے تھے۔ اور اپنی ذات میں برائیوں کی تردید کا مجسمہ تھے۔ اس روز غالباً تاریخ میں پہلی بار لیگ اور احرار کے لیڈر ایک ہی اسٹیج پر جمع ہوئے۔ گاندھی جی کے ماتمی جلسہ میں سب نے ایک ساتھ حصّہ لیا نواب ممدوٹ وزیر اعظم پنجاب اور آغا شورش کاشمیری احرار لیڈر ایک ہی ریزولیوشن پر بولے۔ خان ممدوٹ نے کہا کہ "ہندوستان کے سب سے بڑے محسن اور دنیا کے اس بڑے لیڈر کے لئے آج پوری انسانیت سوگوار ہے"۔ آغا شورش نے کہا "مہاتما بدھ کے بعد ہندوستان نے مہاتما گاندھی کو جنم دیا۔ انھوں نے ہندوستان کی صدیوں سے غلام قوم کو نئی فکر نئی زندگی، نیا رجحان اور نئی روح دی۔ نئے دل اور نئے دماغ ڈھالے ہندوستان کی فضا اور صدیوں کے غلامانہ افق پر آزادی کا سورج طلوع ہوا۔ اور پھر آج اس عظیم ہستی کو جس کا بھولا پن ستیہ اور اہنسا سے بنا تھا۔ اس قوم کے ایک "وحشی درندے" نے ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سلا دیا"۔ لاہور کے اس عظیم الشان اجتماع میں گاندھی جی کی موت پر گہرے رنج والم کا اظہار کیا گیا۔ قاتل کے فعل کو بزدلانہ اور شرمناک کارروائی سے تعبیر کرتے ہوئے ہندوستان کی حکومت۔ باشندوں اور گاندھی جی کے پسماندگان سے اس سانحہ عظیم میں گہری ہمدردی کا اظہار کیا گیا اسی طرح پاکستان میں منعقد ہونے والی سندھ کی سب سے پہلی اسمبلی کا اجلاس جب کراچی میں منعقد ہوا تو وزیر اعظم سندھ کی تحریک پر اسمبلی نے ماتمی ریزولیوشن پاس کیا۔ جس کے بعد سب ممبر تعظیم کے لئے کھڑے رہے پاکستان

کے عام باشندوں کے ساتھ ساتھ ملک کی باقاعدہ فوج نے بھی خراج عقیدت پیش کیا۔ ۱۳ فروری کو وزیر اعظم پاکستان کے حکم سے نمبر ۱۰۰ رونق افتوای بریگیڈ کی پریڈ کے موقعہ پر ساری فوج ہندوستان کے سب سے بڑے فرزند کی یاد میں دو منٹ تک خاموش کھڑی رہی۔ اس باقاعدہ رسم کے علاوہ بھی ہزاروں فوجی افسروں اور نیک دل سپاہیوں نے پاکستان کے عام شہریوں کے ساتھ فوجی ماتم کا یہ دن دکھ اور افسوس سے گذارا۔ لاہور۔ سارے مغربی پنجاب، سندھ اور صوبہ سرحد کے تمام بڑے بڑے شہروں میں ہڑتال رہی۔ جس کے لئے مغربی پنجاب کے وزیر اعظم نے اپیل کی تھی اور ہزاروں مسلمانوں نے آج روزہ رکھا تھا۔ اور اپنی مذہبی روایات کے مطابق گاندھی جی کے لئے خیرات دی۔ صوبہ مسلم لیگ پنجاب کے صدر میاں افتخار الدین صاحب ارتھی میں شمولیت کے لئے لاہور سے دہلی گئے اور لیگی جھنڈے بھی احترام کے لئے جھکے رہے۔ مجلس احرار اسلام پاکستان کے تمام جھنڈے بھی ساری مملکت میں تین دن تک سرنگوں رہے۔ احرار پاکستان نے اپنے ماتمی تار میں پنڈت جواہرلال نہرو۔ شری دیوداس گاندھی اور مولانا آزاد کو لکھا "ہم ملک اور قوم اور آدمیت کے اس عظیم واقعہ پر آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ مجلس احرار اسلام پاکستان کے صدر ماسٹر تاج الدین انصاری نے ایک ماتمی جلسہ میں کہا "گاندھی جی ہندو مسلم اتحاد کی جنگ میں شہید ہو گئے"۔

پاکستانی اخبارات نے بھی اس ماتم میں پورا حصہ لیا۔ ترقی پسند مصنفین

کے پبلک اجتماع میں گاندھی جی کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ اور ان کی یاد میں مقالات پڑھے گئے۔ اخبارات نے اپنے حاشیئے سیاہ کئے اور گاندھی جی کی زندگی اور موت پر دردناک مضامین لکھے۔ انھیں میں سے:۔

پاکستان ٹائمز نے کہا۔ "تاریخ میں کوئی ایسا آدمی نہیں ملتا جس نے اپنی زندگی دوسروں کی عزت بچانے کے لئے اپنوں کے خلاف لڑ کر نچھاور کی ہو۔"

روزنامہ انقلاب لاہور: "وہ ستیہ واہنسا اور ہندو مسلم اتحاد کے مظہر تھے"

سول ملٹری گزٹ: "ہندوستان اور پاکستان کے کروڑوں لوگوں کو آج سوچنا چاہئے کہ اس خوفناک حقیقت کا مطلب کیا ہے؟"

لیگی ترجمان روزنامہ نوائے وقت "گاندھی جی کی موت امن عالم کے لئے سب سے بڑا نقصان ہے۔ خدا ہندوستان اور پاکستان کے لوگوں کو یہ روز بد نہ دکھائے"

روزنامہ احسان: "گاندھی جی زندہ جاوید ہو گئے ہیں"

احرار ترجمان روزنامہ آزاد "دنیا سے صداقت کا آفتاب غروب ہو گیا وہ دنیا کے ان بڑے انسانوں میں سے ایک تھے جن کی عظمت کے آستانے تاریخ کی پیشانی جھکتی تھی۔"

روزنامہ زمیندار: "گاندھی جی کو ہلاک نہیں کیا گیا۔ ہندوستانی انسانیت نے موت کے دروازے پر دستک دی ہے"

جن لوگوں نے تاریخی بیانات دیئے ہیں ان میں . . . . . .

. . . . سرلیگی اور غیر لیگی چھوٹے اور بڑے نے حصّہ لیا اور

گاندھی جی کی خدمات کو سراہا

صوبہ سرحد میں جہاں کے قبائلی گاندھی جی کو "ملنگ بابا" کے نام سے یاد کرتے ہیں اور سرحد کے عام باشندوں پر اس کا خاص اثر ہوا ہے۔ سرحد کے لیگی وزیر اعظم، خان عبدالقیوم خاں وہاں کے لیگی رہنما پیر صاحب مانکی شریف صاحب نے اپنے تعزیتی پیغامات بھیجے۔ سارے ہی پاکستان کی طرح صوبہ سرحد میں بھی سب کاروبار اور سرکاری دفاتر بند رہے۔ پشاور کے ریڈیو اسٹیشن نے اپنا سارا اردو اور پشتو پروگرام گاندھی جی کے لئے وقف رکھا۔ جسے سرحد کے علاوہ "آزاد قبائل" اور افغانستان کے پشتو جاننے والے لوگوں نے بہت دکھ اور افسوس کے ساتھ سنا

گاندھی جی کے عزیز دوست سرخ پوش رہنما فخر افغاں خان عبدالغفار خاں نے جو آج وقت کی غلط بختیوں کا شکار ہیں اور جنہیں سرحدی گاندھی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے یہ دن نہایت افسوس اور دکھ کے ساتھ گزارا۔ سرحد کے کونے کونے سے لوگ بادشاہ خاں کے پاس تعزیت کے لئے آئے۔ تحریک کے مرکز سردار یاب میں آج تک گاندھی جی کی تعزیت کے لئے فخر افغاں بادشاہ خان کے پاس لوگ آتے ہیں۔ خود بادشاہ خان کو گاندھی جی کی موت سے سخت دکھ پہنچا ہے۔ اور وہ اس صدمہ سے اکثر مضمحل رہتے ہیں

سرحد کے تمام قبائلی لیڈروں نے گاندھی جی کی وفات کو بری طرح

محسوس کیا۔ فقیر ایپی صاحب اور حاجی صاحب اورک زئی نے روزہ رکھا اور مختلف علاقوں اور مسجدوں میں گاندھی جی کی زندگی پر تقاریر اور انکے لئے دعائیں کی گئیں۔ آزادیٔ ہند کے ساتھ جب ملک تقسیم ہوا تو دو ملکوں کے ساتھ ہی ایک تیسری قوم بھی عالم وجود میں آئی۔ جسے آج کل کی زبان میں پناہ گزین یا شرنارتھی کہتے ہیں۔ گاندھی جی کی موت سے ملک کے دونوں حصوں میں اس مہاجر قوم اور ان ہی لوگوں کی ایک گراں پایہ اور گمشدہ متاع ،، اغوا شدہ عورتوں پر بھی بجلی گری۔ ان شریف گھرانے کی بیٹیوں کو جو آج دونوں حصوں میں قوم کے "اوباش لٹیروں" کا کھلونا بنی ہوئی ہیں - دوبارہ واپسی کی بھاری امیدیں تھیں۔ جب انھوں نے گاندھی جی کی موت کا حال سنا تو ان دکھی دلوں کی آس ٹوٹ گئی، ہونٹ خشک اور چہرے مرجھا گئے۔ اور وہ لوگ جنھیں ہجرت کی آب و ہوا راس نہ آئی تھی زار و قطار روتے دیکھے گئے۔ پاکستان کی حکومت اور لوگوں نے جس خلوص اور دلی دکھ کے ساتھ اس حادثہ کو محسوس کیا ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو قوموں اور دونوں حکومتوں میں کبھی کوئی اختلاف ہی نہ تھا اگر آج اہل ملک اور برسر اقتدار طبقہ اس طرف توجہ کرے اس موقعہ سے فائدہ اٹھائے تو دونوں ملکوں کی مشکلات حل ہو سکتی ہیں۔ اور ان کے ساتھ ان کروڑوں دکھی پناہ گزینوں کے مسائل میں بھی آسانیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ جو آج دونوں طرف اپنے گوناگون مصائب کے باعث "واپس چلو" کا نعرہ سننے کے منتظر ہیں۔ (نیا دور۔ دہلی ۲ مارچ ۱۹۴۸ء

۳۰ فروری ۱۹۴۸ء کو الہ آباد کے سنگم میں آخری رسم منانے کے بعد ۱۴ فروری
کو پنڈت جواہرلال نہرو نے آل انڈیا ریڈیو سے جو تقریر کی ہے وہ گاندھی جی کے
سے ہمارے لئے ایک دعوت عمل ہے۔ پنڈت جی فرماتے ہیں۔

"دو ہفتے بیت گئے جب ہند اور دنیا کو اس المناک سانحہ کا علم ہوا۔
کے باعث ہندوستان صدیوں تک شرم و ندامت کے مارے اپنا
اونچا نہ کر سکے گا طویل رنج و الم کے دو ہفتے جن کے دوران عوام نے
وں کو ٹٹولا۔ خوابیدہ مگر بے پناہ جذبات کا سیلاب امڈ آیا بیشمار
سانوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار ابند ھ گئی۔ کیا ہی اچھا ہوتا
ر آنسو ہماری کمزوریوں کو چھپا سکتے۔ اور کوتاہیوں کی پردہ پوشی کر سکتے۔
کہ ہم اپنے تئیں اپنے آقا کے جس کے غم میں ہم غرق ہیں قدرے قابل ثابت
ر سکتے۔ دو ہفتہ جن ایام میں کرۂ ارض کے ہر گوشہ سے تعزیت اور عقیدت کی
صدائیں بلند ہوئیں، شاہوں اور تاجروں عظیم المرتبت ہستیوں اور عوام
نے مل کر ماتم منایا۔ ہر ایک نے خود بخود اسے اپنا رفیق۔ ساتھی اور اپنے
نقاضوں کا ترجمان پایا

جذبات کا سیلاب قدرتاً آہستہ آہستہ دھیما پڑ جائے گا۔ لیکن ہم اپنی
سابقہ حالت پر کبھی واپس نہیں آسکتے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ ہماری زندگیوں اور
دلوں کے ریشے ریشے اور تار تار میں سما گیا ہوا ہے

لوگ اس کی یادگار میں کانسی یا سنگ مرمر کے مجسموں اور ستونوں کے
نصب کرنے کا ذکر اذکار کرتے ہیں ہم اس طرح مذاق کرتے ہیں۔ اس ہستی

سے اور اس کے مشن و پیغام کا خون کرتے ہیں۔ ہم کونسا خراج عقیدت پیش کر سکتے ہیں جو اسے مرغوب تھا۔ اس نے ہمیں جینے اور مرنے کی راہ دکھلا دی۔ اور اگر ہم نے اس درس سے کچھ نہیں سیکھا تو بہتر ہوگا کہ ہم کوئی یادگاریں قائم نہ کریں۔ کیونکہ اس کی حقیقی یادگار یہی ہو سکتی ہے کہ ہم احترام سے اس کے نقش قدم پر چلیں۔ اور ہم اپنی زندگی اور موت میں اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی نہ کریں۔

وہ ہندو تھا اور ہندوستانی کئی نسلوں میں یکتا۔ اسے فخر تھا ہندو اور ہندوستانی ہونے میں۔ اسے ہندا عزیز تھا۔ کیونکہ ہندوستان قدیم زمانے سے غیر متغیر سچائی کا علمبردار تھا۔ گو وہ صحیح معنوں میں دھرم کا سروپ تھا۔ اور آزاد کردہ قوم کا پتا جی کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ لیکن اس کی روح قومی اور جغرافیائی حدود سے کہیں بالاتر اور مذہب کی قیود سے آزاد تھی۔ وہ بین الاقوامی تقاضوں کا داعی قرار دیا گیا۔ کیونکہ اس کا بنی نوع انسان کی یگانگت، مذاہب کی حقیقی یکسانیت اور نوع انسان کی لوازمات میں اعتقاد تھا۔ خصوصاً اس نے اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ لاکھوں غربا۔ مظلوم اور بے کسوں کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ تاریخ میں ایسی عالمگیر خراج عقیدت کی مثال عقیدت کا اظہار اس کی انتہائی مسرت کا موجب ہوتا۔ اس صدمہ کے دوسرے روز ہم تمام تلخی و کشیدگی جو ہم میں سرائت کر گئی تھیں اور گزشتہ چند ماہ کے تصادم و بیگانگی کو بے خودی کے عالم میں بھول گئے۔ گاندھی جی ہندوستان کی جنتا کے واحد محبوب قائد اور داعی کے درجے پر سابق کی طرح ممتاز نظر آنے

گے۔ جیسے کہ وہ ہندوستان کے حقیقی تجربے کرنے سے پیشتر زندہ قوم کے روح رواں تھے

انسان کے دل و دماغ پر ان کے ایسے زبردست اقتدار کا سبب آخر کیا تھا اس کا فیصلہ آنے والی نسلیں کریں گی۔ ہم انتہائی قربت کی وجہ سے ان کی غیر معمولی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ لیکن ہمیں اس امر کا احساس ضرور ہے کہ ان میں سچائی کا عنصر غالب اور نمایاں تھا۔ اس سچائی کے سبب وہ ہمیشہ ڈنکے کی چوٹ کہا کرتے تھے کہ بدی کے ذریعہ نیک مقاصد کا حصول بے معنی ہے۔ اگر بدی کے طریقے اختیار کئے جائیں تو نیک مقصد کے معنی ہی مفقود ہو جاتے ہیں۔ اس لئے جب بھی انھیں کسی غلطی کا احساس ہو جاتا تو وہ علی الاعلان اس کا اعتراف کرتے۔ انھوں نے اپنی کئی ایک غلطیوں کو ہمالیہ جتنی بڑی غلطیوں سے منسوب کیا۔ بدی پر جہاں بھی ان کی نظر پڑی انھوں نے نتائج سے بے نیاز ہو کر اس کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اس راستی کے باعث ان کی زندگی کا مقصد غریبوں اور بے کسوں کی خدمت تھا کیونکہ جہاں کہیں بھی امتیازی سلوک اور فرقوں میں ناہمواری کا دخل ہوا وہاں بدی۔ بے انصافی اور جھوٹ کا دور دورہ ہوتا ہے۔ اسی لئے وہ سیاسی اور سماجی مظلوموں کے محبوب اور نوع انسان کے محسن بن گئے۔ اسی روشنی نے ان کی ہر نشست گاہ کو مندر اور ہر نقش قدم کو زیارت گاہ بنا دیا۔ ہم ان کے فانی جسم سے محروم ہو گئے۔ نہ ہم انھیں دیکھ سکیں گے اور نہ ہی ان کی لطیف آواز سے لطف اندوز ہو سکیں گے۔ ان کے دانشمندانہ

مغرور بھی ختم ہو گئے۔ لیکن ان کی غیر فانی یاد اور ابدی پیغام کو کون چھین سکتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہم کس طرح ان پر کاربند ہو کر اپنی زندگیوں کو اس سانچے میں ڈھال سکتے ہیں؟

وہ ہندوستان میں اتحاد کے محور تھے۔ انھوں نے ہمیں دوسروں کے ساتھ نہ صرف رواداری کا ہی درس دیا بلکہ ہر ایک کو مشترکہ ذمہ داریوں میں بخوشی ساتھی اور رفیق بنانے کا سند لیس بھی۔ انھوں نے ذاتیات اور بدظنی سے بالاتر ہو کر دوسروں کی خوبیوں کو دیکھنے کا سبق بھی دیا۔ ان کی موت اور آخری چند ماہ اس لاثانی پیغام اور فرخدلانہ برداشت و اتحاد کے شاہد ہیں۔ ان کی سورگباشی سے قلیل عرصہ پیشتر ہم نے اپنے عہد کی ایفائی کا اقرار کیا تھا۔ ہمیں اس عہد پر قائم رہنا اور یاد رکھنا چاہیئے کہ یہاں کے تمام باشندے بلا لحاظ مذہب و ملت ہندوستانی ہیں۔ وہ ہمارے عظیم الشان ورثہ میں برابر کے شریک ہیں۔ ان کے حقوق و فرائض یکساں ہیں عظیم اقوام کی مانند ہماری قوم بھی لازماً مرکب ہے۔ تنگ نظری اور اس عظیم قوم کی حدود کو مختصر کرنے کی کوشش اس آخری درس سے غداری کے مترادف ہوگی اور اس کا انجام قوم کی تباہی اور آزادی سے محرومی کے سوا کچھ نہ ہوگا جس کے لئے وہ کوشاں رہے۔ اور بہت حد تک اس کے حصول میں کامیاب ہوئے

عوام کی خدمت بھی کوئی کم اہم نہیں۔ جن کی گزشتہ داستان مصائب والم کے افسانوں سے پر ہے۔ ان کی خدمت فرض اولین ہے۔ ان کی

اصلاح اور بہبودی کے مقابلہ میں دوسری کوئی بھی چیز ثانوی درجہ رکھتی ہے۔ صرف اخلاق اور انسانیت کی ہی بنا پر نہیں بلکہ عام سیاسی نکتہ نظر سے بھی عوام کا معیار بلند کرنے اور انھیں ترقی کے مواقع بہم پہنچانے اشد ضروری ہیں۔ کوئی بھی سماجی نظام جو انہیں ان موقعوں سے محروم کرتا ہے قابل نفریں ہے۔ اور اس کی تبدیلی لازمی ہے

گاندھی جی فانی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ مگر ان کی روحانی جوت ہمارے گرد و پیش جگمگا رہی ہے۔ اور اب ذمہ داریاں ہم پر عائد ہوتی ہیں۔ اور فوری ضرورت یہ ہے کہ اپنی بساط کے مطابق اس بارے سکدوش ہونے کی ہر ممکن مساعی عمل میں لائیں۔ ہمیں رابطہ واتحاد مستحکم کر کے اس خوفناک فرقہ وارانہ زہر کے اثرات کو زائل کرنا چاہئے۔ جس نے ہمارے عظیم ترین انسان کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ہمیں اس اژدھا کا گمراہ افراد کے خلاف عداوت اور انتقامانہ جذبات سے نہیں بلکہ بدی کے خلاف جنگ کرنے کے نقطہ سے قلع قمع کرنا چاہئے۔ صرف گاندھی جی کی موت سے اس شرارت کا فاتحہ نہیں پڑھا گیا اس سے بھی کہیں زیادہ شرمناک فعل وہ ہے جو بعض اشخاص نے ان کی موت پر ظاہر کیا مثلاً کئی طریقوں سے جشن منائے۔ اشخاص جو ایسے رذیل فعل کے مرتکب ہوئے ہیں کسی بھی صورت میں ہندوستانی کہلانے کا حق نہیں رکھتے۔

میں نے کہا کہ ہمارے لئے قوم کے اس نازک مرحلے پر اتحاد و رابطہ قائم رکھنا ازبس ضروری ہے۔ ہمیں حتی الوسع عوام میں متنازعہ امور پر تنقیح و تشریح سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اور اہم معاملوں پر متفقہ نکات پر زور دینا

چاہئے۔ میں پریس سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس اہم کام میں ہاتھ بٹائیں۔ شخصی یا
دیگر نکتہ چینیوں سے جو ملک میں تفرقات کو ہوا دیتی ہیں ہاتھ روک لیں میری
یہ اپیل خصوصاً کانگریس میں لاکھوں رفیقوں ساتھیوں سے ہے۔ جو بعض
اوقات مہاتما گاندھی کی نیم دل سے پیروی کرتے رہے ہیں

سردار پٹیل اور میرے درمیان نہایت اہم اختلافات کے متعلق اخباروں
میں پڑھکر نیز کانا پھوسیوں سے مجھے ناقابل بیان دکھ ہوا ہے۔ اس میں شک
نہیں کہ کئی برسوں سے بعض مسائل کے متعلق ہمارے درمیان مزاجی یا دیگر
اختلافات رہے ہیں۔ لیکن کم از کم ہندوستان کو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ
پبلک زندگی کے اہم ترین پہلوؤں پر قطعی سمجھوتے ان اختلافات پر غالب آتے
ہیں اور ہم نے ایک چوتھائی صدی تک متعدد عظیم مہمیں شانہ بشانہ سر کی ہیں
ہم دکھ سکھ میں شریک رہے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے کوئی ایسا
تنگ دل واقع ہو کہ قوم کی مصیبت کے وقت ماسوائے قوم کی بہبودی کے
کسی دوسرے خیال خام کا دل میں گذر ہو۔ میں سردار پٹیل کو نہ صرف قوم کی
خاطر زندگی بھر کی خدمات کے صلہ میں بلکہ ان کے کارہائے نمایاں پر جو انہوں
نے ہند سرکار میں میرے ساتھ شمولیت کے وقت سے سرانجام دئے ہیں احترام
اور خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ وہ امن و جنگ میں عوام کے نڈر جرنیل
رہے ہیں۔ جب کئی ایک کے عزم ڈگمگانے لگے تو وہ استقامت کے پیکر
ثابت ہوئے۔ وہ تنظیم کے درخشاں ستارے ہیں۔ مجھے فخر ہے کہ مجھے
ان کے ساتھ اتنے طویل عرصے کام کرنے کا موقع ملا۔ وقت کی رفتار کے ساتھ

ساتھ ان کے لئے میری محبت اور ان کی غیر معمولی خوبیوں کی قدر میں اضافہ ہوتا گیا۔

حال ہی میں پریس میں اس نوعیت کی غیر مصدقہ خبریں شائع ہوئی ہیں کہ میں نے رفیق و محبوب جے پرکاش نارائن کے بارے میں سخت الفاظ میں نکتہ چینی کی ہے جس سے عوام میں غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے۔ یہ خبریں نادرست ہیں میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کی سوشلسٹ پارٹی کی بعض پالیسیوں کے متعلق میرے اختلافات ہیں۔ اور بدیں وجہ مجھے افسوس بھی ہے اور میرا خیال ہے کہ واقعات کی رفتار یا جذبات کے زیر اثر انھوں نے نادرست بیان جاری کئے۔ یا کوئی کارروائی کی۔ لیکن مجھے جے پرکاش نارائن کی قابلیت اور راستبازی کے متعلق کوئی شبہ نہیں۔ میں ان کی دوست کی حیثیت سے قدر کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ وقت آئے گا جب وہ ہندوستان کی قسمت کی تشکیل میں نہایت اہم پارٹ ادا کریں گے۔ بدقسمتی سے طویل عرصہ سے سوشلسٹ پارٹی منفی کی پالیسی پر کاربند رہی ہے۔ اور انھوں نے ترجیحی وسیع مسائل کو نظر انداز کر دیا ہے

اس لئے میں پبلک زندگی میں رواداری اور تعاون کی اپیل کرتا ہوں تاکہ ہم متحد طور پر ہندوستانی قوم کو ترقی کی شاہراہ پر گامزن کر سکیں اسے عرش رفعت تک پہونچا سکیں۔ ہم مل جل کر صوبائی تنگ نظری اور فرقہ وارانہ زہر کو دور کرنے کی انتہائی کوشش کریں۔ میں منفی تصادم کو ترک کرنے اور تعمیرات کے لئے اجتماعی کوشش کرنے کی اپیل کرتا ہوں۔ میں ان اہم کاموں کی تکمیل کا آپ سے عہد و پیمان کرتا ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہ نسل

گاندھی جی کے خوابوں کی تعبیر دیکھنے کے قابل ہو سکے گی۔ اس طریق پر ہم انکی یاد کا احترام کریں گے اور موزوں یادگار قائم کریں گے۔" "جے ہند" (مرکزی اطلاعات)

میں آخر میں مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر "صدق" کے جذبات کو یہاں درج کرتا ہوں۔ مسلمانوں کی طرف سے مہاتما جی کے لئے خراج تحسین سمجھئے۔

اک خونچکاں کفن میں ہزاروں بناؤ ہیں پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

گاندھی جی رخصت ہو گئے، دنیا جنھیں مہاتما اور دیوتا سروپ اور خدا معلوم کن کن تعظیمی ناموں سے پکارتی تھی۔ اپنے ملک اپنی قوم سے دم کے دم میں ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ وہ کسی گورے کی سنگین سے نہیں کسی پاکستانی کی تلوار سے نہیں ایک ہندوستانی ننگ ہندوستان ہندوستانی ہی کی گولی سے ہلاک ہوئے۔ ایسی موت کو موت نہیں شہادت کہتے ہیں شہادت اصطلاحی نہیں شہادت جو حق پرستی کی راہ میں مظلوموں کی حمایت و نصرت کی راہ میں۔ داد خواہوں کی فریاد رسی کی راہ میں نصیب ہوتی ہے۔ سفاک قاتل کی گولی اس مشت خاک کے جسم پر نہیں چلی عین انسانیت کے سینے کو چھلنی کر گئی۔

گاندھی جی عقیدۃً بھی نیم مسلمان ضرور تھے۔ توحید کے پوری طرح قائل و معترف۔ محمد رسول اللہ صلعم کو ملک عرب ہی کا نہیں، ساری دنیا کا مصلح و معلم تسلیم کرنے والے، آپ کے نام اور کلام دونوں کی نہایت عزت کرنے والے، قرآن مجید کو ترجموں کی مدد سے باربار اور کثرت اور شوق سے پڑھنے والے اور اپنے عمل کے لحاظ سے تو اس وقت ساری زندہ آبادی میں ہندوستان کی زندہ آبادی میں ہندوستان کے ۴، ۴½ کروڑ مسلمانوں کے سب سے بڑے پشت پناہ، انکی اس

شہادت سے ہندوستان پر بہ حیثیت مجموعی جو کچھ گزرے گی وہ تو ہے ہی خود مسلمانوں کی یکہنا چاہئے کہ کمر توڑ گئے۔ مسلمانوں کو ان کی چھنی ہوئی اور لٹی ہوئی مسجدیں واپس دلا رہے تھے۔ اور ان کے اندر سے مورتیوں کو وہ ہٹوا رہے تھے۔ مسلمانوں کی جان، ایمان، عزت، مال سب کی حفاظت وہ اپنا دھرم سمجھے ہوئے تھے۔ بے گھر مسلمانوں کو پھر سے وہ گھروں میں آباد کرا رہے تھے۔ ہزار ہا لکھو کھا نیم جان مسلمانوں میں از سر نو جان وہی ڈال رہے تھے۔ جان اپنی مسلمانوں کی ہمدردی میں اور مسلمانوں ہی کی جانیں بچاتے ہوئے انھوں نے دیدی۔ اپنے کو قربان کر دیا۔ تاکہ مسلمان محفوظ رہیں

آج جب وہ اپنے خون بہتے ہوئے جسم اور فاقہ سے زار و نزار بدن کے ساتھ اپنے مالک و مولیٰ کے حضور میں حاضر ہوتے ہوں گے۔ تو عجب نہیں کہ فرشتوں نے بہ ادب بارگاہ قدس میں عرض کی ہو کہ دل کے اندر کے عقائد کا حال تو حضور والا ہی جانیں۔ اتنی شہادت ہم اور ہمارے ساتھ ناسوت کے بے شمار بندے بھی دے رہے ہیں کہ اس وقت آپ کی توحید کے پرستاروں اور آپ کے حبیب کی امت کا سینہ سپر سب سے بڑھ چڑھ کر یہی بندہ تھا اور جس جرم میں یہ قتل ہو کر آیا ہے وہ بجز مسلم دوستی کے اور کچھ نہ تھا

(پیام۔ حیدرآباد دکن ۔ ۱۱ر فروری ۱۹۴۸ء)

گاندھی جی کی شہادت پر شعرائے بھی اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ روش صدیقی کا ایک شعر ہے

بلا کے بارگہ کبریا رسا کی میں ۔ کسے خبر کہ مشیت نے کیا دیا تجھ کو

حاسق جونپوری کی یہ نظم جامعہ کے ایک جلسے میں قیصر صاحب نے پڑھی تھی حاضرین نے بہت پسند کی۔ نظم کا عنوان ہے "مکتی"

مکتی

جواب اس کا کون دے؟! جواب اس کا کون دے!!
کسے اب اتنا ہوش ہے!!
کہ ملک کس کے سوگ میں آج سیاہ پوش ہے!!
جواب اس کا کون دے؟
یہ کس کا خون بہہ گیا!!
یہ کون جاتے جاتے دل کا راز سب سے کہہ گیا؟
یہ کون قتل ہو گیا؟
فسانۂ حیات کون کہتے کہتے سو گیا؟!
جواب اس کا کون دے؟
کہ خود ہمارے ہاتھ اس لہو میں ہیں رنگے ہوئے
وہ زندگی کا راز داں
وہ بے بسوں کا پاسباں
وطن کا میر کارواں
نظر سے دور ہو گیا
وہ جام جو چھلک رہا تھا
حریت کے میکدے میں ——
دیر سے مہک رہا تھا
چور چور ہو گیا

۱؎ حضرت بختیار کاکیؒ کا عرس اس سال گاندھی جی نے اپنے اہتمام میں منایا تھا اور ۲۷ جنوری ۱۹۴۸ء کو گاندھی جی خود بھی مزار پر تشریف لے گئے تھے

نظر سے دور ہوگیا
وہ بوڑھا جسم، ہڈیوں کا ایک کانپتا بدن
تھا اسی میں اس قدر جوان لہو تھا موجزن
کہ جس کی بوند بوند میں بسی تھی الفت وطن
لہو وہ آج بہہ گیا
وہ بوڑھا جسم مرگیا
مگر وہ کام کر گیا
جو اپنے سامنے دیکھتے ہی نہ ہو سکا کر سکا
تمام عمر درس امن و آشتی دیا کیا
تمام عمر جو اسی امید پر جیا کیا
کہ ایک دن ضرور سارے تفرقے مٹائے گا
فساد کا یہ کھوکھلا طلسم ٹوٹ جائے گا
وہی بزرگ خانداں
وہی سہارا رہ تھا
ہم ہی سے آج چھٹ گیا
سہاگ مادر وطن کا اپنے ہاتھوں لٹ گیا
سپہر ہند کی اندھیری رات کا وہ ماہ تاب
قریب صبح چادر شفق میں منہ لپیٹ کر
لہو بھرے کفن میں اپنی خنکیاں سمیٹ کر
نظر سے دور ہوگیا
ہمیں کہیں نڈھال ہو کے بدلیوں میں کھو گیا
ستارے ماند پڑ گئے
ذرا جو تیز گام تھے وہ بدلیوں سے رک گئے
جمے ہوئے ہزار ہا برس کے سخت تلخ کے ڈھیر
پگھل کے نرم ہوگئے
ہوا کے سرد جھونکے رفتہ رفتہ گرم ہوگئے
وہ چاند جو غروب ہوگیا تھا بن کے آفتاب
دلوں کو اک نئی شعاع زندگی میں گوندھتا
بلند ہوتا جا رہا ہے مشرقی فضاؤں میں
پھر اتحاد کے پھریرے کھل گئے ہواؤں میں

غلط کہ میر کارواں
غلط کہ اپنا پاسباں
نظر سے دور ہو گئے
نظر سے دور ہوتے ہی دلوں میں بجھ کے لٹ گئے
ہماری روحوں کے شکستہ تاروں کو ملا گیا
وہ خون، وہ رقیق شے
سرود زندگی کی لے
وہ سرخ چشمۂ حسیں
نگار زندگی کو اس قدر حسیں بنا گیا
کہ

موت کا سیاہ دیو
اپنی نکبتوں کے بوجھ ہی میں دب کے رہ گیا
سیاہ دل میں جس قدر سفید خون تھا بہہ گیا
اداس بجھ رہے تھے جو دماغ جگمگا گئے
ہمارا نوجوان قافلہ پھر اٹھ کھڑا ہوا
بدیشی رخنہ اور نظام کہنہ سے لڑا ہوا

ڈٹا رہا ہو کے تازہ دم
قدم قدم، بہم بہم
شعاع زرنگار کے جلو میں چل کھڑا ہوا
نقیب وقت سے کہو!!
کہ انقلاب کے وہی پرانے نعرے پھر لگائے
جو راستوں سے ہٹ گئے ہیں ان کو راہ پھر دکھائے
یہاں تک یہاں تلک کہ کوئی باقی رہ نہ جائے
دلوں میں جن کے چور ہیں وہ اس کو خوب جان لیں
کہ رات اب نہ آئے گی
گھٹا نہ دن پہ چھائے گی
کہ جس کی آڑ سے کوئی کمند پھر لگا سکے جو سو رہے تھے جاگ اٹھے
وہ چاند جو غروب ہو گیا تھا بن گیا ہے آفتاب
دلوں کو اک نئی شعاع زندگی میں گوندھتا
بلند ہوتا جا رہا ہے مشرقی فضاؤں میں پھر اتحاد کے پھریرے کھل گئے ہواؤں میں

اب کیا ہو؟

پاکستان بننے سے پہلے میری کیا رائے تھی۔ وہ آپ جانتے ہیں میں نے کئی بار دوستوں کی محلبسوں میں یہ کہا ہے کہ اگر پاکستان کا مطالبہ جائز ہے تو یہ تحریک صرف ان لوگوں کو چلانی چاہیئے جو اکثریت کے صوبوں میں رہتے ہیں۔ لیکن یہ تحریک محض حق کی بنا پر ہونی چاہیئے نہ کہ دو قوموں کے نظریئے اور نفرت کی بنا پر چنانچہ کانگرس نے بار بار کہا ہے کہ جو صوبے یونین سے علیحدہ ہونا چاہیں انھیں ایسا کرنے کا حق ہوگا۔ کیبنٹ مشن نے بھی پہلے انتخاب کے بعد ہی یہ حق دیا تھا کہ صوبے چاہیں تو الگ ہو سکتے ہیں۔ مگر بد گمانی ہمارے دلوں پر اس درجہ چھائی ہوئی تھی کہ دو قوموں کے نظریے اور نفرت کے جذبے پر ہم تازیانے پر تازیانے لگاتے گئے۔ نتیجہ ہمارے سامنے ہے! جو مسلمان اقلیت کے صوبوں میں رہتے ہیں۔ ان کے متعلق مجھے کتنی حیرت ہوتی تھی کہ آخر پاکستان کی حمایت یہ کیوں کرتے ہیں!! پاکستان کا مطالبہ پاکستان والے جانیں! ہمیں تو ہندوستان کی حکومت کا باشندہ بن کر رہنا ہے۔ یہاں کے باشندوں سے مل جل کر ہی کام چلانا ہے ہمارے مسائل، ہمارے دکھ درد، سکھ چین مشترک ہیں۔ آخر ہم

کس کے لیے کوشش کر رہے ہیں۔ اپنے گھروں کو آگ لگا کر دوسروں کے گھروں میں پناہ لینا کہاں کی عقلمندی ہے! مگر محسن صاحب! سنتا کون تھا! ——— خیر جو کچھ بھی ہوا، ہوا، ماضی کے رونے سے مستقبل کیسے سنور سکتا ہے۔ سوال یہ ہے اب کیا ہو! کیا پاکستان پھر سے ہندوستان میں ملا دیا جائے۔ کچھ آوازیں سننے میں آتی ہیں۔ اب جبکہ پاکستان بن چکا ہے مکمل تجربہ کئے بغیر پھر سے ملا دینے کی کوشش کرنا ایک غلطی ہوگی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ پاکستان اور ہندوستان دونوں پھلیں پھولیں جیسا کہ سروجنی نائیڈو نے ایک موقع پر کہا:۔

پاکستان کے لئے ہمارے دل میں نیک دعاؤں کے سوا دوسری کوئی بات نہیں ہے۔ ہم خلوص دل سے یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان پھلے پھولے۔ لیکن میں یہ بھی کہنا چاہتی ہوں کہ دونوں نوآبادیاں نفرت اور بغض کینے سے نہیں بلکہ باہمی تعاون اور رواداری کے راستے کو اپنا کر ہی اس راستے پر بڑھ سکتی ہیں"

بے شک دونوں کی یہ کوششیں دو قوموں کے نظریے اور نفرت کی بنا پر ہرگز ہرگز نہ ہونی چاہیئے۔ ورنہ نتیجہ "معلوم شد" اب ہر جگہ کے لوگوں کی یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ دونوں ملکوں میں ایسی وزارتیں برسرِ اقتدار رہا کریں جو ہر قیمت پر دونوں میں دوستی محبت قائم

رکھیں اور فرقہ وارانہ زہر کے لئے کسی جگہ گنجائش نہ رہے۔ ہندوستان
میں کانگریس کی کوششیں جاری رہیں گی۔ ضرورت ہے کہ پاکستان میں
بھی اسی مقصد کی انجمن وجود میں آئے جس میں ہندو، مسلمان، سکھ
عیسائی سب شریک ہو سکیں۔ ان فسادات کے بعد ۱۴ اور ۱۵ نومبر ۱۹۴۷ء
کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے جو اہم تجاویز منظور کی ہیں اس سے کانگریس
کا بلند مطمح نظر ظاہر ہوتا ہے۔ ان میں سے چند تجاویز یہاں درج کرتا
ہوں :-

اقلیتوں کے حقوق کے بارے میں کانگریس کی تجویز کا خلاصہ
اس طرح ہے

.... "کانگریس کی نشو و نما ایک ایسے عقیدے کی بنیاد
پر ہوئی ہے جس کی رو سے ہر ہندوستانی خواہ وہ کسی مذہب کسی
قوم اور کسی فرقے کا فرد ہو شریک ہو سکتا ہے
کانگریس ہندوستان میں رہنے والی اقلیتوں کو یقین
دلانا چاہتی ہے کہ وہ برابر ان کے حقوق کی حفاظت (حسب سابق)
کرتی رہے گی اور اپنے تمام شہریوں کے حقوق کی بھی نہ صرف
حفاظت کرے گی بلکہ دوسروں کے حملہ اور مداخلت بیجا سے
بچائے گی
مرکزی حکومت نیز صوبجاتی حکومتیں اس بات کی پوری
کوشش کریں گی کہ وہ ایسی فضا پیدا کر دیں۔ جس میں تمام اقلیتیں

بحفاظت تمام رہ سکیں اور ملک کے تمام باشندوں کو ترقی کرنے کا پورا پورا موقع مل سکے۔"

ایک اور تجویز میں کانگریس نے فسادات اور تبادلۂ آبادی کے بارے میں اس طرح اظہار خیال کیا ہے :-

"کل ہند کانگریس کمیٹی بڑے پیمانے پر اس ترک وطن کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی ہے جس کی وجہ سے ہزاروں آدمی مصیبت میں مبتلا ہو گئے جس نے نہ صرف قومی سرمایہ کے نظم و نسق کو الٹ دیا ہے بلکہ جو کانگریس کے اُس نصب العین کے بالکل خلاف ہے جس پر وہ ابتدا سے چلتی آئی ہے۔ کمیٹی کی رائے ہے کہ اس ترک وطن کی ہمت افزائی نہ کی جائے، اور دونوں حکومتوں، ہندوستان، پاکستان میں اقلیتوں کے لئے ایسی فضا پیدا کر دی جائے جس میں وہ امن و سکون اور حفاظت کے ساتھ رہ سکیں۔ کمیٹی" کی رائے ہے کہ پاکستان کے ہندوؤں اور سکھوں کو ترک وطن کر کے ہندوستان میں بسنے پر اسی طرح ہندوستان کے مسلمانوں کو پاکستان میں ہجرت کر جانے پر مجبور کرنا غلط ہے۔........"

.........." اب ہر ممکن کوشش اس بات کی جائے کہ دونوں مملکتوں سے تخلیہ اور ترک وطن کرنے والے پوری طرح اپنے اصلی وطنوں اور اپنے گھروں کو بحفاظت واپس

آجائیں۔ اور امن و سکون سے رہیں۔ الّا یہ کہ وہ خود اپنی خواہش
سے وہاں رہنا چاہیں ایسی صورت میں منتقل ہونے میں سہولتیں
اور آسانیاں بہم پہنچائی جائیں، مرکزی حکومتِ ہند اور پاکستان
کا فرض ہے کہ وہ اسی بنیاد پر معاملہ کریں اور ایسی حالت
پیدا کردیں کہ تخلیہ کرنے والے اور گھر بار چھوڑنے والے بحفاظت
و باطمینان واپس جاسکیں

بہر حال ہند یونین میں جس پالیسی پر عمل کیا جائے گا وہ یہ ہے
کہ جو اقلیتیں اب بھی ہندوستان میں رہتی ہیں۔ ان کی حفاظت
کی جائے گی اور ان کی منتقلی کو طاقت سے ایسی فضا پیدا کرکے
جس سے منتقلی کا امکان ختم ہوجائے روکا جائے گا۔"

تیسری تجویز میں فرقہ وارانہ انجمنوں کے بارے میں کہا گیا۔
آل انڈیا کمیٹی کو یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ ہندو مہا سبھا
مسلم لیگ اور اکالی پارٹی جیسی فرقہ وارانہ انجمنیں مذہبی بنیاد
پر اپنے مفاد کو ترقی دینے کی کوشش کررہی ہیں جو قومی مفاد
کے خلاف ہے۔ قومی مفاد۔ مذہبی بنیاد پر مبنی نہیں ہونا چاہئے
بلکہ سیاسی جماعتی اور اخلاقی بنیاد پر مبنی ہونا چاہیئے"

چوتھی تجویز میں خانگی فوجوں کے بارے میں کہا گیا ہے:۔
آل انڈیا کمیٹی اس بات پر افسوس ظاہر کرتی ہے کہ کچھ انجمنوں
میں پرائیوٹ فوجیں بنانے کی خواہش بڑھتی جاتی ہے۔ ایسی

فوجوں کا وجود میں آنا ملک کی سلامتی اور دیس کی یکساں ترقی کے لئے خطرناک ہے۔ صرف حکومت کو ہی فوج یا پولیس یا ہوم گارڈز یا منظور شدہ مسلح والنٹیئر فورس رکھنی چاہیئے۔ مسلم نیشنل گارڈ، راشٹریہ سیوک سویم سنگھ، اکالی والنٹیئرس اور ایسی دوسری انجمنوں کی پرائیویٹ فوجوں کو وجود میں لانے کی کارروائیوں کو دیس کی آزادی کے لئے خطرناک سمجھنا چاہیئے اس لئے آل انڈیا کانگریس کمیٹی ایسی تمام انجمنوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ ایسی کارروائیوں کو بند کردیں۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی مرکزی اور صوبجاتی سرکاروں سے بھی اپیل کرتی ہے کہ وہ اس معاملے میں ضروری قدم اُٹھائے

پانچویں تجویز میں ریاستوں کے بارے میں کہا گیا:۔

اس واقعے کے پیش نظر کہ متعدد ریاستوں میں جنتا کی انجمنیں دیس کے آزاد ہونے کے بعد بجائے ترقی کرنے کے دبائی جارہی ہیں۔ اور مزید برآں اس واقعے کے پیش نظر کہ پنجاب راجپوتانہ اور سنٹرل انڈیا کے راجوں، نوابوں نے دیس کے مفاد کے خلاف رویہ اختیار کر رکھا ہے اور وہ ہندو مسلم آبادی کو غیر آئینی ذرائع سے ختم کرنے کی کوشش کررہے ہیں اس لئے یہ ضروری ہوگیا ہے کہ کانگریس ایک بار پھر ریاستوں کے بارے میں اپنی پالیسی واضح کردے ڈومینینوں میں ریاستوں کی شمولیت اور برطانوی

بالادستی ختم ہونے کا قانونی مطلب خواہ کچھ ہو مگر ہندوستان
کی آزادی کا اخلاقی نتیجہ بلاشبہ یہ ہے کہ ریاستوں میں پرجاراج
قائم ہونا چاہیئے ، اور راجوں، جاگیرداروں ، نوابوں کا وجود
جو جنتا کے مفاد کے خلاف ہے ختم ہونا چاہیئے ، کانگریس پرجا
راج ہی کی حمایت کرے گی ۔ اس قسم کے تمام مفاد کے لوگ خاص
کر راجے ، نوابوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کانگریس اس وقت
تک ان کی حمایت نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ جنتا کی آواز کو سب
سے بڑا قانون نہ مانیں ۔ اس قسم کی جمہوری حکومت میں کوئی ایسا
شخص جنتا کی مرضی کے خلاف نہیں چل سکتا خواہ وہ کتنا ہی طاقتور
کیوں نہ ہو ۔ اس کے لئے آل انڈیا کانگریس کمیٹی اُمید کرتی ہے
والیان ریاست زمانے کی رفتار کے پیش نظر اپنی پرجا سے تعاون
کریں گے اور جن والیان ریاست نے اس کے برعکس قدم اٹھایا
ہے وہ اپنا قدم واپس لیں گے اور اپنی ریاستوں میں پرجاراج
قائم کریں گے ،،

(تیج دہلی ۔ ۲۹ نومبر ۱۹۴۶ء)

وسط دسمبر ۱۹۴۷ء میں کراچی میں کل ہند مسلم لیگ کونسل کا جلسہ
ہوا ۔ جس میں مسلم لیگ کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا گیا ۔ اخبار
پیام حیدرآباد دکن سے کراچی کے اجلاس کی کار ئی کا متعلقہ حصہ
یہاں نقل کرتا ہوں :-

کل ہند مسلم لیگ کے مستقبل سے متعلق ریزولیوشن میں تصفیہ کیا گیا ہے کہ کل ہند مسلم لیگ کی تنظیم کی بجائے مسلم لیگ کے دو علیحدہ علیحدہ ادارے تشکیل دئے جائیں۔ ایک پاکستان کے لئے اور دوسرا انڈین یونین کے لئے اس ریزولیوشن میں جس کی کونسل کے پانچ ممبروں نے مخالفت کی اس امر پر زور دیا گیا کہ پاکستان کے حصول اور ہندوستان کے براعظم کی دو خود مختار مملکتوں میں تقسیم کے بعد صرف ایک ادارہ دونوں مملکتوں کے مسلمانوں کے لئے کافی نہیں ہوسکتا۔ ریزولیوشن مذکور میں مجوزہ دونوں مملکتوں کی کونسل کے لئے ممبروں کا تعین بھی کیا گیا۔ موجودہ کونسل نے پاکستان اور انڈیا یونین کی مسلم لیگی تنظیموں کے لئے دو کنوینر مقرر کئے ہیں، اور انھیں یہ ہدایت کی ہے کہ وہ قریبی تاریخوں ہی میں متعلقہ اداروں کا اجلاس طلب کریں

مسٹر لیاقت علی خاں اور مدراس کی صوبائی مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد اسمٰعیل علی الترتیب پاکستان اور انڈین یونین کی مسلم لیگ تنظیموں کے کنوینر مقرر ہوئے ہیں۔ پاکستان مسلم لیگ کا اجلاس کراچی ہی میں طلب کیا جا رہا ہے۔ انڈیا یونین کی مسلم لیگ کا پہلا اجلاس مدراس میں ہوگا کونسل نے پاکستان کے مسلمانوں اور دوسرے وفادار شہریوں سے اپیل کی ہے کہ وہ نئی مملکت پاکستان کی تعمیر میں اپنی تمام تر توانائیوں سے اشتراک

عمل کریں۔ جو اپنے تمام شہریوں کو مساویانہ حقوق دے گی تاکہ
وہ بعجلت ممکنہ دنیا کی اور قوموں میں اپنا شایانِ شان مقام
حاصل کر سکے۔ ایک اور رزرولیوشن کے ذریعے کل ہند مسلم لیگ
کونسل نے فرقہ داری فسادات کی مذمت کرتے ہوئے توقع ظاہر
کی ہے کہ دونوں مملکتیں اپنی فرقے واریوں کے کامل احساس کے
ساتھ باہمی گفت و شنید کے ذریعے اقلیتوں کے حقوق کا ایک
ایسا منشور ترتیب دیں گی جس کی بنار پر دونوں مملکتوں کی اقلیتوں
کو اپنی عزت ناموس اور اپنی جان و مال کی سلامتی کا یقین حاصل ہو جائے
گا۔ اس ریزولیوشن میں دونوں مملکتوں سے خواہش کی گئی ہے
کہ وہ ان معاہدوں کی تکمیل و ترتیب کی طرف متوجہ ہوں جو دونوں
قوموں کی ترقی اور آپس میں دوستانہ تعلقات کے قیام
کے لئے ضروری ہیں۔"

سیاسی اکھاڑے میں فرقہ وارانہ انجمنیں کتنی نقصان دہ ہوتی ہیں
اس کا نتیجہ ہم نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ امید ہے کہ مدراس کے جلسے میں
جب مسلم لیگی اکابر جمع ہوں گے تو اس میں مسلم لیگ کو ختم کرکے مسلمانوں کا کانگریس
میں شرکت کا مشورہ دیا جائے گا۔ جیساکہ یوپی مسلم لیگ کے صدر رضوان اللہ
صاحب نے مولانا آزاد سے ایک گفتگو میں اس خواہش کا اظہار کیا ہے،
ہندوستان کی طرح پاکستان میں بھی ایک غیر فرقہ وارانہ انجمن کی ضرورت
ہے تاکہ وہاں کی اقلیتیں اکثریت کے ساتھ مل کر کام کرنے لگیں۔ یہ بڑا اچھا

موقع تھا کہ مسلم لیگ کو تو پاکستانی مسلمانوں کے مذہبی اور تمدنی کاموں کے لئے مخصوص کر دیا جاتا اور پاکستان کے سب فرقوں کے لئے پاکستان نیشنل لیگ کی بنیاد ڈالی جاتی۔ اس سے اقلیت والی جماعتوں میں ٹھوس بنیادوں پر اعتماد پیدا ہونا شروع ہو جاتا۔ پنجاب کی تقسیم کے بعد پاکستانی علاقوں میں مسلمانوں کی اتنی بڑی اکثریت ہو گئی ہے کہ اب تو انہیں اقلیتوں کی طرف سے اندیشے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی موضوع پر مسٹر سہروردی نے ایک بیان میں کہا ہے:۔

"کل ہند مسلم لیگ کا جلسہ میرے اصرار سے طلب کیا گیا تھا جس کا مقصد لیگ کو دو حصوں میں تقسیم کر دینا تھا۔ جلسے میں واضح کر دیا گیا کہ دو حصوں کی لیگ کے مستقبل کا دار و مدار اس حصے کے ممبروں کے اختیار میں ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ پاکستان مسلم لیگ کے دروازے غیر مسلم کے لئے بھی کھول دئے جائیں گے۔ اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو یہ جمہوریت نہیں فسطائیت ہوگی۔ یہ ضرور ہے کہ کچھ لوگ مسلم لیگ کو اپنی موجودہ شکل میں باقی رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن کسی ایسی سیاسی جماعت کے لئے جو کسی ملک کی حکومت اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتی ہو یہ کیسے ممکن ہے کہ اپنے دستور میں کوئی ایسی دفعہ نہ رکھے جس سے اس ملک کا ایک فرقہ اس سیاسی جماعت میں شریک ہی نہ ہو سکے۔ وہ لوگ مسلمانوں کی سالمیت کے نام پر عوام کو دھوکا دے کر اپنے

اقتدار کو قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوں گے۔ اگر مسلم لیگ نے اپنے دروازے غیر مسلموں کے لئے نہ کھولے تو اس سے ایک یہ بھی اثر پڑے گا کہ ہندوستان میں ہندو مہا سبھا کو یہ موقع ملے گا کہ وہ بحیثیت ایک سیاسی جماعت کے حکومت پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرے

اس طرح رجعت پسند عنصر کو کوئی تقویت پہنچانا ہندوستان کی مسلم آبادی کے لئے خطرناک ہوگا۔ مجھے پاکستان کی مسلم اکثریت سے امید ہے کہ وہ اس بات کو ضرور محسوس کرے گی اور نعروں سے متاثر نہ ہوگی۔ آخر پاکستان کے مسلمان یہاں کی غیر مسلم اقلیت سے کس بارے میں خوف رکھتے ہیں۔ مسٹر سہروردی نے کہا کہ کل ہند مسلم لیگ سے علیحدگی کے قبل میں نے یہ ضروری خیال کیا کہ میں اس بات پر زور دوں گا کہ اقلیت کے حقوق کے بارے میں دونوں حکومتوں کے درمیان کوئی سمجھوتا ہو جائے تاکہ دونوں جگہ کی اقلیتیں سکون کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔ نیز دونوں حکومتوں کے درمیان اچھے تعلقات قائم ہو سکیں۔ خوش قسمتی سے پہلی قرارداد میں جو ترمیم پیش کی گئی ہے۔ اس میں اس مسئلے پر زور دیا گیا ہے اور پاکستانی حکومت سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ دونوں حکومتوں میں

سمجھوتے کی کوشش کرے

مسٹر سہروردی نے کہا کہ میں نے تیسری قرارداد کی مخالفت صرف اس لئے کی تھی کہ اس سے قبل کہ ہم الگ ہوں ہم کوئی اقدام اس بارے میں کریں

بہرحال دونوں حکومتوں میں سمجھوتے کے لئے ضروری ہے کہ دونوں جانب اس کی حقیقی خواہش پائی جاتی ہو۔ میں اگرچہ حکومت ہند کی ترجمانی کا کوئی حق نہیں رکھتا ہوں لیکن پھر بھی جس حد تک معلوم کر سکا ہوں اس کی بناء پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ لوگ جو حکومت کی پالیسی بناتے ہیں وہ اس کے ضرور خواہش مند ہیں کہ دونوں حکومتوں کے درمیان اچھے تعلقات قائم ہو جائیں اور اگر حکومت پاکستان نے قرارداد کے مطابق اپنا رویہ اختیار کیا اور اس کے لئے کوشش کی تو مجھے امید ہے کہ اقلیتوں کے حقوق کے متعلق سمجھوتے میں کوئی خاص دقت نہ پیش آئے گی۔ میں یہ امید بغیر کسی وجہ کے نہیں رکھتا ہوں۔ لیکن اس موقع پر اس اظہار سے بھی کوئی فائدہ نظر نہیں آتا

(قومی آواز لکھنؤ ۱۸ر دسمبر ۱۹۴۷ء)

اس قسم کا خیال سندھ کے مشہور خادم جی۔ ایم سید نے جنھوں نے اپنی ان تھک کوششوں سے سندھ کی مسلم لیگ کو

عروج پر پہنچایا، ظاہر کیا ہے:-
مسلم لیگ کو دو حصوں میں بانٹ دینے سے دونوں ڈومینوں کی اقلیتوں کے مسائل حل نہیں ہوسکتے۔ انھوں نے کہا کہ حکومت کی باگ ڈور ایک فرقہ وارانہ جماعت کے ہاتھ میں رہنے سے اقلیت والا فرقہ حکومت کے انتظام میں حصہ لینے سے محروم رہے گا۔ اور وہ ہمیشہ اکثریت والے فرقے کے رحم وکرم پر ہوگا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ پاکستان سرکار جداگانہ انتخاب جاری رکھنا چاہتی ہے جس سے اقلیت والا فرقہ اکثریت والے فرقے سے بالکل علیحدہ ہوجائے گا۔ مسٹر سید نے کہا کہ پچھمی پنجاب، صوبہ سرحد اور بلوچستان میں کوئی ہندو یا سکھ نہیں ہے۔ صرف سندھ میں دس لاکھ ہندو رہ گئے ہیں۔ جو قدرتی طور پر اپنے گھروں میں ہوتے ہوئے بھی ہمیشہ ماتحت رہیں گے۔ مسٹر سید نے کہا کہ حکومت ہند نے ملی جلی سنستھا بنانے کا ارادہ کرلیا ہے۔ اور چونکہ وہ ایک قوم کی تھیوری میں یقین رکھتے ہیں۔ اس لئے وہ ہندوستان میں فرقہ وارانہ جماعتوں کو برداشت نہیں کرسکتے

مسٹر سید نے کہا کہ پاکستان میں ہندوؤں کی کوئی نمائندگی نہیں ہوگی۔ سندھ میں جو دس لاکھ ہندو رہ گئے ہیں۔ وہ پاکستان سرکار کی پالیسی کو فرقہ وارانہ تصور کرکے ہندوستان

میں چلے جائیں گے مسٹر سید نے آخر میں فرمایا کہ جب تک پاکستان نیشنل لیگ قائم نہیں کی جاتی جس میں ذات پات کے امتیاز کے بغیر ہر شخص کے شامل ہونے کی اجازت ہو اس وقت تک دیش کے لئے کوئی حل نہیں نکل سکتا

(تیج دہلی ۔ ۲۰ دسمبر سنہ ۴۶ء)

جو جماعت بیس سال تک کانگریس سے برسر پیکار رہی ہے اس سے ایک دم یہ مطالبہ کرنا کہ وہ ایک ریزولیوشن کے ذریعے کانگریس میں اپنی منتقلی کا اعلان کر دے ۔ مناسب نہیں ہے ۔ اصل چیز ہے دلوں کی تبدیلی اس کے لئے بہتر فضا پیدا کرنے کی ضرورت ہے ، ہر سچے کانگریسی کا فرض ہے کہ وہ خوش دلی کے ساتھ مسلم لیگی بھائیوں کا خیر مقدم کرے پچھلی باتوں کو بھول جائے ۔ خود سے آگے بڑھ کر گلے ملے کہ اس سے دل بھی فتح ہو جاتے ہیں ۔ گاندھی جی نے مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اس بات کا انتظار کریں کہ کانگریس کی طرف سے ایسی فضا پیدا کی جاتی ہے یا نہیں ۔ شام کی عبادتی تقریر میں ایک دن انھوں نے فرمایا :۔

کانگریس صرف انسانیت کے مذہب میں یقین رکھتی ہے یہ ایک غیر مذہبی سیاسی اور راشٹریہ سنستھا ہے جس میں ہندو، سکھ، مسلمان، عیسائی، پارسی اور یہودی برابر ہیں ۔ کیونکہ کانگریس اپنے اصولوں پر پوری طور پر قائم نہ رہ سکی اس لئے مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ یہ سورن ہندوؤں کی جماعت ہے

مسلمانوں کو اس وقت تک بالکل علیحدگی اختیار کرنی چاہیے جب
تک یہ کھچاؤ ختم نہیں ہو جاتا۔ جب کانگریس کو ان کی خدمات کی
ضرورت ہو تو وہ کانگریس کے بن سٹیمن ورین اشتار وہ میری
طرح رہیں کانگریس کے چار آنے کا ممبر نہ ہوتے ہوئے
بھی کانگریس میں میرے اثر کا سبب یہ ہے کہ میں نے ۱۹۱۵ء
سے وفاداری کے ساتھ کانگریس کی سیوا کی ہے۔ ابھی سے
ہر ایک مسلمان کو ایسا ہی کرنا چاہیے، اور پھر وہ دیکھے گا کہ ان
کی خدمات کا میری خدمت کی طرح اعتراف ہوتا ہے

آج ہر مسلمان لیگی سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے اُسے کانگریس کا
دشمن خیال کیا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے لیگ نے یہی سبق پڑھایا ہے
اب دشمنی کی کوئی وجہ نہیں۔ لیگ کے فرقہ وارانہ زہر سے آزاد ہونے
کے لئے چار ماہ کا وقفہ بہت کم ہے۔ ہندو اور سکھ اس زہر کو
امرت سمجھ کر ہندوستان کے مسلمانوں کے دشمن بن گئے اور ان
سے بدلہ لینا شروع کر دیا جس نے ان کی عزت خراب ہو گئی۔

لہذا میں مسلم اقلیت سے یہی کہوں گا کہ وہ زہریلے ماحول سے
اونچے اٹھیں اور بغیر کسی بغض کے زندگی بسر کریں، اور یہ ثابت
کر دیں کہ یونین میں باعزت طور سے رہنے کا صرف یہی طریقہ ہے
کہ وہ اپنے دل میں کسی بات کا خیال نہ رکھتے ہوئے پورے شہری
بن جائیں۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ مسلم لیگ سیاسی جماعت

کی طرح نہیں رہ سکتی - اسی طرح ہندو سبھا، سکھ سبھا اور پارسی سبھا بھی سیاسی جماعت نہیں رہ سکتیں - وہ صرف مذہبی سنستھاؤں کی حیثیت سے رہ سکتی ہیں جن کا کام صرف مذہبی اصلاح کرنا اور اپنے مذہب کی بہترین چیزوں کا پرچار کرنا ہوگا - پھر وہ زہریلے ماحول کو صاف کر سکیں گی اور ایک دوسرے کے ساتھ برابر چل سکیں گی - وہ ایک دوسرے کی ہمدرد بن جائیں گی، اور حکومت کی مدد کریں گی - ان کی سیاسی خواہشات صرف کانگریس کے ذریعے ہی پوری ہو سکتی ہیں - خواہ وہ کانگریس میں ہوں یا نہ ہوں - اگر کانگریس صرف ان لوگوں کی طرف دھیان دے گی جو اس میں شامل ہیں تو یہ ایک خود غرض جماعت بن جائے گی - حالانکہ اس میں اب بھی کچھ اشخاص ایسے ہیں - لیکن اب بھی یہ ایک ایسی جماعت ہے جس کا مقابلہ کوئی دیگر جماعت نہیں کر سکتی - اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام ہندوستان کی نمائندہ جماعت ہے اور اس کا آدرش مرتے دم تک بھی سیوا کرنا ہے

(تیج ۲۵ دسمبر ۱۹۴۷ء)

یوپی مسلم لیگ کے تین ممتاز رہنما مسٹر ظہیر الدین فاری بیگم اعزاز رسول اور مسٹر سہروردی گاندھی جی سے مشورہ کرنے کے لئے ان کے پاس آئے تو انھوں نے وہی مشورہ دیا جس کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے - اس کا ایک

ثبوت یہ بھی ملتا ہے کہ گاندھی جی اوچھی سیاست سے کتنے بالا ہیں! گاندھی جی کے اس مشورہ کو سامنے رکھ کر مسٹر لاری نے مسلمانوں کے غور کرنے کے لئے چند تجویزیں سامنے رکھی ہیں وہ لکھتے ہیں :-

پچھلے چند مہینوں میں حالت میں جو تبدیلی پیدا ہوئی ہے میں نے اس پر بڑے غور و خوض سے سوچ بچار کیا ہے۔ میں نے اس سلسلے میں گاندھی جی سے ملاقات کی مولانا ابوالکلام آزاد اور مسٹر سہروردی اور نواب محمد اسمٰعیل جیسے لیڈروں کے ساتھ بھی گفت و شنید کی

میں نے مسلمانوں کے جذبات معلوم کرنے کی کوشش کی۔ اس کے نتیجے میں میں چند ٹھوس نتائج پر پہنچا ہوں۔ جو میں رائے لینے کی غرض سے عوام کے سامنے رکھوں گا۔ یہ نتیجے حسب ذیل ہیں۔

۱۔ فرقہ دارانہ لائینوں پر پارلیمنٹری سرگرمی نہ تو ممکن ہے۔ نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔ ایک جمہوری سلطنت میں ہمیں غیر مذہبی نظریہ قائم کرنا چاہیئے، اور از سر نو تعمیر کے مسئلوں پر خالص قومی نقطۂ نظر سے غور کرنا چاہیئے

۲۔ جب تک یہ ممکن نہیں کہ تمام مسلمانوں کے لئے بلا لحاظ اُن کی سابقہ پارٹیوں سے وابستگی کے مشترکہ پلیٹ فارم بن سکے۔ لیگ غیر پارلیمنٹری سرگرمیوں کے لئے اپنا وجود قائم رکھ سکتی ہے۔

۳۔ ہر ایک مسلمان اس بات کے لئے آزاد ہو کہ وہ اپنے نظریات

اور زاویہ نگاہ کے مطابق کسی پارلیمنٹری پارٹی میں شامل ہو
کسی خاص انجمن میں شامل ہونے کے لئے فرقہ وارانہ زاویہ نگاہ
سے فیصلہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک خاص نظریہ جو کسی سیاسی
پارٹی کا سرچشمہ ہے۔ لوگوں کے ایک گروہ میں پیدا نہیں کیا جا سکتا
اس کی پرورش کی جاتی ہے۔ ایسے مسلمان موجود ہیں جو کانگریس
میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ کئی ایسے ہیں جو سوشلسٹ پارٹی کو
ترجیح دیں گے۔ ایک ایسا گروہ بھی ہے جو کمیونزم کو دیش کا
صحیح محافظ تصور کرتا ہے۔ راؤں کی اس کش مکش کے پیش نظر
اوپر سے کوئی رائے عائد نہیں کی جانی چاہیئے۔ لیکن کسی نمائندہ
مجمع یا کسی فرد واحد کو اس امر کی آزادی ہے کہ وہ کسی خاص
جماعت میں شامل ہونے کی حمایت کرلے

۸۔ یہاں پر ہی بات ختم نہیں ہو جاتی ہے کیونکہ مختلف اسمبلیوں
میں مسلم لیگ پارٹیاں کام کر رہی ہیں

میرا خیال ہے کہ ہر ایک صوبے میں پارٹی خود فیصلہ کرے
کہ آیا اسے باعزت طور پر کسی موجودہ سیاسی پارٹی میں شامل
ہو جانا چاہیئے یا اپنے دروازے غیر مسلمانوں پر بھی کھول کر
ایک یقینی آرتھک پروگرام لئے ہوئے انڈین نیشنل لیگ کے
نام سے کام چلانا چاہیئے

ان نتائج پر پہنچنے سے پہلے میں نے وہ مشورہ خاطر میں رکھا

جو مہاتما جی نے مسٹر سہروردی، بیگم اعزاز رسول اور مجھے دیا جب ہم نے ایک وفد کی صورت میں ان سے ملاقات کی

یہ مشورہ گاندھی جی کے لفظوں میں حسب ذیل ہے۔ "مجھ پر یہ بات صاف ہے کہ مسلمانوں کو مجموعی حیثیت میں اس وقت تک کانگریس میں شامل نہ ہونا چاہیئے جب تک کھلے دل سے ان کو دعوت نہ دی جائے، اور ان کا سواگت نہ کیا جائے مجھے خدشہ ہے کہ یہ احساس ابھی تک موجود نہیں

. . . .

. . . . " میں نے اپنے دل میں اس بات کا بھی خیال رکھا ہے کہ ہم نے برسر اقتدار پارٹی سے الگ رہ کر بھی دیش سے وفادار رہنے کا پکا ارادہ کر لیا ہے۔ اور یہ کہ ہم نے دیش میں رہنے اور یہاں سے ہجرت نہ کرنے اور شہریوں کی حیثیت میں اپنے حقوق برقرار رکھنے کا بھی مصمم ارادہ کر لیا ہے۔ میں اس بارے میں نکتہ چینی اور اظہار رائے کا سواگت کروں گا۔ تاکہ ہم لیگ کونسل کے مدراس میں منعقد ہونے والے آئندہ اجلاس میں اپنے رویے کے بارے میں آخری فیصلہ کر سکیں۔ اس میٹنگ کو ہماری مستقبل کی پالیسی اور طریق عمل کے متعلق آخری فیصلہ کرنا چاہیئے "

(تیج دہلی - ۲۰ر دسمبر ۱۹۴۷ء)

مسٹر لاری نے جو کئی تجویزیں سامنے رکھی ہیں وہ اپنی جگہ درست ہیں لیکن اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کچھ مسلمان کمیونسٹ گروپ میں چلے گئے، اور کچھ سوشلسٹ گروپ میں اور کچھ کانگریس کے دائیں بازو میں تو کیا وقت کا تقاضا پورا ہو گا؟ سوشلسٹ گروپ نے تو اعلان کر دیا ہے کہ اس کی ممبری کے لئے کانگریس سے علیحدگی ضروری ہے کانگریس کے خلاف پہلے سے ہندو اور سکھوں میں فرقہ پرست لوگ موجود تھے۔ حال کے فسادات میں ان لوگوں نے زور پکڑا۔ اگر اس وقت کانگریس کے ہاتھ مضبوط نہ کئے گئے تو ڈر ہے کہ کانگریس پر فرقہ پرست چھا جائیں۔ اس سے نہرو حکومت کو خطرہ ہو جائے گا، اور ایک ایسی پارٹی برسر اقتدار آئے گی جس کو ہٹانے کے لئے ایک عرصہ لگے گا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ مسلمان براہ راست کانگریس میں شرکت کریں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ عوام کی رہنمائی کے لئے مسلمانوں کے رہنما خصوصاً مسلم لیگ کے رہنما اس موضوع پر اپنے خیالات ظاہر کریں مسلم لیگ کی طرف سے اس کی ابتداء ہو تو گئی ہے مگر مدراس کے جلسے کے بعد غالباً اس مہم کا باقاعدہ آغاز کیا جائے گا۔ خدا کرے ایسا ہی ہو نیشنلسٹ انجمنوں کو پس و پیش کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لئے کہ وہ تو ابتداء ہی سے اپنے اس عقیدے کا اظہار کرتے چلے آئے ہیں چنانچہ لکھنؤ میں ۲۷، ۲۸ دسمبر ۱۹۴۷ء کو مسلمانوں کی تاریخی کانفرنس ہوئی کانفرنس شروع ہونے سے پہلے مسلم لیگ کے رہنماؤں نے مولانا آزاد

کے سامنے اس خیال کا اظہار کیا کہ چونکہ مسلم لیگ کے جلسے کا اعلان کر دیا گیا ہے اس لئے بہتر یہی ہے کہ مسلم لیگی خیال کے رہنما اسی جلسے میں اپنی پالیسی کا اعلان کریں چنانچہ اس کانفرنس میں مسلم لیگ کے علاوہ باقی سب انجمنوں نے حصہ لیا۔ کانفرنس میں کم و بیش ایک لاکھ مسلمانوں نے حصہ لیا ہر صوبے کے نمائندے موجود تھے ۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان کے صرف دو صوبوں مشرقی پنجاب اور دہلی کے علاوہ باقی صوبوں میں عام حالت ہے

کانفرنس میں دو دن کے مباحثے کے بعد جو مفید تجاویز منظور ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک تجویز میں فسادات کی مذمت کی گئی دوسری میں مہاتما گاندھی، جواہر لال۔ اور ان کے ساتھیوں کی ان کوششوں کو سراہا گیا جو یہ لوگ امن قائم رکھنے کے سلسلے میں کر رہے ہیں۔ تیسری تجویز میں ۳۰ اراکین پر مشتمل ایک کمیٹی بنانے کے لئے کہا گیا جو ذیل کی دو تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ملک میں کام کرے گی ۔

فرقہ وارانہ انجمنوں کے سلسلے میں .... ہندیونین کے مسلمانوں کی اس کانفرنس نے ان خوفناک واقعات کا جائزہ لیا جو اگست ۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان میں ہوئے اور یہ کانفرنس اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کی سیاسی زندگی میں ابتری و انتشار پیدا کرنے والی سوسائٹیوں

سے رجعت پسندانہ خیالات اور رجحانات دہشتناک طریقے
پر زور پکڑتے جارہے ہیں۔ ان کو فرقہ پرستانہ اور غلط مذہبی
نعروں کے ذریعے تقویت پہنچی ہے اور ماضی میں فرقہ پرست
جماعتیں ملک کو خصوصاً ہندوستان کی اقلیتوں کو زبردست
نقصان پہنچا چکی ہیں، اور ان کے مستقبل کے لئے اور بھی زیادہ
بڑے خطرات لاحق ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے اب وہ
وقت آگیا ہے جبکہ ہر طبقہ اور ہر قسم کے سیاسی خیال کے مسلمان
ایک متحدہ و متفقہ فیصلہ کریں۔ اور فرقہ وارانہ سیاست کو خیرباد
کہہ دیں جن سے عوام الناس کے حقیقی مفاد کو کوئی فائدہ تو
کیا پہنچا اور اقلیتوں کی حسب ضرورت حفاظت تو کیا ہوتی ان
سے سماجی اور سیاسی رجعت پسندی کو تقویت پہنچی ہے اور
غلط اور غیر حقیقی تقسیم کی حوصلہ افزائی ہو کر قومی زندگی کو نقصان
پہنچا ہے، اور مختلف فرقوں کے درمیان باہمی منافرت اور
شکوک کی نشوونما ہوتی ہے۔"

کانگریس میں شرکت کے بارے میں کہا گیا ہے:-

اس کانفرنس نے بہت سوچ سمجھ کر یہ رائے قائم کی ہے کہ
ہندیونین اور اس میں رہنے والے تمام فرقوں کے مفاد کا بہترین
فائدہ اس مطمح نظر کا احساس کر کے ہی پہنچایا جا سکتا ہے، کہ
ہندوستان میں ایک آزاد اور غیر مذہبی اسٹیٹ قائم ہو

اس لئے کانفرنس ہندوستان کے مسلمانوں سے یہ کہتی ہے کہ وہ صرف غیر فرقہ دارانہ سیاسی جماعتوں کے ممبر بنیں اور انہیں مشورہ دیتی ہے کہ وہ انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہو جائیں جو ہماری آزادی اور اتحاد کی خاص علمبردار رہی اور جس نے سب فرقوں کے لوگوں کو برابر کے حقوق اور مواقع دینے کا عہد کیا ہو۔"

(تیج دہلی - ۳۱ر دسمبر ۱۹۵۱ء)

لیکن محض کانگریس میں شرکت ہی سے کام نہیں چل سکتا جب تک کہ ذہن صاف نہ ہوں۔ پنڈت سندر لال نے "اب کیا ہو" کے عنوان سے ایک بیان میں جو کچھ فرمایا ہے اب موقع ہے کہ میں اسے یہاں درج کردوں :-

اب ہم کو مستقل علاج پر غور کرنا ہے اس کے لئے ہم کو پہلے اس امر کو سمجھنا چاہیئے کہ ہمارا اصل مرض کیا ہے ہم کو پہلے ان اسباب کو سمجھنا چاہیے جن کی بدولت حالت اس قدر نازک ہوگئی ہے۔ موجودہ حالت پیدا کرنے میں دو چیزوں کا خاص ہاتھ ہے۔ پہلا تو یہ کہ ہم لوگوں کی ذہنیت ابتدا ہی کی فرقہ واری ذہنیت اور جرگہ واری کی ہے۔ زندگی کے ہر شعبے کو ہم اس نظریے سے دیکھتے ہیں، دوسری چیز بیرونی سیاسی سازشیں ہیں جن کو ہم بیج سے تعبیر کرتے ہیں۔ فرقہ دارانہ ذہنیت

شل زمین کے ہو جیسا میں بیج پھوٹتا پھلتا ہے جہاں ایک مرتبہ یہ
بڑھنا شروع ہوا تو پھر جھگڑے در جھگڑے جن میں سے ہر دوسرا جھگڑا پہلے
سے بدتر ہوتا ہے، شروع ہو جاتے ہیں - فرقہ داری ذہنیت
سے فساد کی ابتدا ہوتی ہے اور فساد سے فرقہ داری کی -

سب سے پہلے ہم کو فرقہ داری مذہبی اور جرگہ داری کی نظر
سے دیکھنے کے نظریے کو تبدیل کرنے کی انتہائی کوشش کرنی
چاہیے، ہماری پیچھے دیکھنے کی عادت اور ہماری رجعت پسندی
ہماری سب سے بڑی مصیبت ہے - یہ فرقہ داری کی ذہنیت تو ہمت
کوڑھاتی ہے اور عقلی اور اخلاقی پستی پیدا کرتی ہے - دو قوموں
کی تھیوری بالکل غلط تھی - اس اصول کی بنیاد ہندوؤں کی چھوت
چھات اور سنجیدگی پر تھی - ملک کی تقسیم کا مطالبہ خراب تھا لیکن
پنجاب اور بنگال کے دو ٹکڑے کرنے کا مطالبہ اس سے بھی
بدتر تھا، اگر پنجاب کے فسادات میں کوئی چیز بین طور پر چمک
رہی ہے تو وہ یہ ہے کہ ہمارا نام نہاد مذہبی اور فرقہ داری
کے ناموں کا کوئی اثر ہمارے کیرکٹر پر نہیں ہے
وہ بالکل ایک ہے - ہم کو اس تنگ نظری سے بالاتر ہونے
کی ضرورت ہے - جہاں عوام کے لئے مذہبی عقیدوں اور مذہبی
فرائض کی ادائیگی کے لئے پوری پوری آزادی ہونی چاہیے
اس کے ساتھ ہی یہ ضروری ہے کہ جو لوگ فرقہ داری کی تنگ

ذہنیت سے بالاتر ہو سکتے ہیں وہ اپنے طرز زندگی سے انسانیت کے اس مشترکہ مذہب کو ترقی دیں۔ جس کا مقصد محبت اور خلقِ خدا کی خدمت ہے۔ اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ہمارے تعلیم یافتہ اشخاص محض سیاسی مسلم، سیاسی ہندو اور سیاسی سکھ ہیں۔ ہم کو اس مکاری اور دھوکہ بازی کو جلد از جلد ختم کر دینا چاہیئے۔ اس لئے کہ ملک کے عوام کے لئے اس سے زیادہ مہلک کوئی اور چیز نہیں ہے

دوسری چیز یہ ہے کہ سیدھے سادے عوام کو منظم کرنے کی ضرورت ہو۔ میں یہ بات بھی بتا چکا ہوں کہ قوم کا مغز (جس میں ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں، عیسائیوں، پارسیوں وغیرہ سب کو شامل کرتا ہوں) اب تک درست حالت میں ہے یہ سمجھنا، غلطی ہے کہ عوام میں فرقہ واری کا جذبہ خواص سے کچھ زیادہ ہے۔ یہ تعلیم یافتہ خواص ہی تو ہیں جو توہمات کو ابھارتے ہیں اور فرقہ واری کو قائم رکھتے ہیں۔ ہم کو عوام کو اس طرح منظم کرنا چاہیئے کہ وہ نقصان پہنچانے والوں پر قابو پا سکیں۔

تیسری بات جو اہمیت میں کچھ کم نہیں ہے یہ ہے کہ ہم کو اپنی سیاست میں سے بیرونی عنصر کو جلد از جلد نکال دینا چاہیئے۔ اس غرض کے لئے ہم کو اپنے سیاسی اور اقتصادی طریقۂ کار کو بدلنا پڑے گا۔ اس میں زیادہ سمجھ، زیادہ اخلاق

زیادہ جمہوریت پسندی اور خود اپنے اوپر بھروسا کرنے کی عادت پیدا کرنی ہوگی

آخر میں ہم کو ہندو اور مسلم راجوں اور نوابوں کے پرانے نظام کو اس ملک سے ختم کرنا ہے۔ اس میں خود ان کا بھی فائدہ ہے، اور تمام ملک کا فائدہ ہے۔ اب عین وقت ہے کہ ہمارے راجہ اور نواب اس بات کو سمجھ لیں

مجھے یہاں ان بدنما ناپاک اور قوم کو مٹانے والی کارروائی کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں جو اس مصیبت کے زمانے میں پٹیالہ، فرید کوٹ، الور، بھرت پور، کپور تھلہ اور بھاولپور نے کی ہیں

انسانی عوام کا ترقی یافتہ طبقہ سیاسی جمہوریت سے گذر کر اقتصادی جمہوریت کے درجے میں پہنچ چکا ہے۔ شاید ہندوستان ہی کی قسمت میں ہے کہ وہ انسانیت کو اقتصادی جمہوریت سے روحانی جمہوریت کے طبقے میں پہنچانے میں رہبری کرے۔ فی الحال ہمارا نصب العین یہ ہی ہے کہ مغربی سوشلزم کو اور تمام عالم کے مشترکہ مذہب یعنی انسانی خدمت کو ملا کر ایک کر دیں۔ ہماری موجودہ عام تکالیف مصیبتیں، پریشانیاں اسی سفر کی تیاری ہیں۔ جس میں خدا کو منظور ہے تو ہم کامیاب ہوں گے

جذبات اور بڑھتے ہیں اور یہ سلسلہ لامتناہی ہو جاتا ہے۔ بیرونی حکومت نے ہمیں اس حال کو پہنچا دیا ہے اور جو حالت ہماری اب ہو گئی ہے اس کا نتیجہ یہ نہیں ہے کہ ہمارا دارومدار بیرونی حکومتوں پر اور زیادہ ہو گیا ہے۔ موجودہ حالات کی بدولت جو سیاسی پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں، ان کے متعلق میں اس وقت زیادہ نہیں کہنا چاہتا ہوں صرف یہ کہنا کافی ہو گا کہ ابھی سے سکھستان، جاٹستان اور نہ معلوم کس کس استان کے خیالات شروع ہو گئے ہیں اب تو یہ اندیشہ ہے کہ اگر خدا نخواستہ ان دونوں حکومتوں کے درمیان جنگ شروع ہو جاتی ہے تو ہر دو حکومتوں کو دنیا کی دو زبردست طاقتوں جن کا شیوہ ہمیشہ دوسروں سے ناجائز مفاد حاصل کرنے کا رہا ہے۔ ان میں سے کسی نہ کسی طرح سے امداد کا طلب گار ہونا پڑے گا۔ یعنی خواہ انگلستان سے یا امریکہ سے۔ تاکہ ان سے ہوائی جہاز اور نئی قسم کا سامان جنگ حاصل کیا جاسکے تو اب ہم کو کیا کرنا چاہیے!

(قومی آواز لکھنؤ۔ ۳۰ نومبر ۱۹۴۷ء)

اب میں آخر میں مولینا کی وہ صدارتی تقریر درج کرتا ہوں جو آپ نے لکھنؤ کی تاریخی کانفرنس میں کی تھی

مولانا آزاد کی تقریر لکھنؤ کانفرنس میں

حضرات! مجھے اس وقت کچھ باتیں آپ سے کہنی ہیں۔ میں کھڑا ہو گیا ہوں لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ کہانی شروع کروں تو کہاں سے شروع کروں ؏

سر این رشتہ ندانم زکجا بکشایم

پچھلے آٹھ مہینے کے اندر آپ کو معلوم ہے کہ کس تیزی کے ساتھ ایک کے بعد ایک واقعات رونما ہوتے رہے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی کڑی اس طرح جڑی ہوئی ہے کہ کسی ایک کو الگ کر کے پوری زنجیر نہیں بنا سکتے

اس آٹھ مہینے کے اندر جو کچھ ہوا ہے اُسے سمجھنے کے لئے ہمیں پچھلے دس برس کے واقعات کی سُراغ رسانی کرنی پڑتی ہے واقعات کی اس رفتار پر جو پچھلے دس برس کے اندر بن چکی ہے غور کیا جائے تو اس کے سوائے چارہ نہیں کہ پچھلی رنجشیں اور تلخیاں اب بھی اُبھریں!

میں اس لئے نہیں آیا ہوں کہ کسی کو ملامت کروں۔ اس کا دور گزر چکا ہے۔ اسے پسند نہ کروں گا کہ کسی دوست کی زبان اس کے لئے کھلے۔ اور اگر ملامت کریں تو کس کی ملامت کریں اپنے عزیزوں کو ملامت کریں۔ نہیں ہم کو پچھلی تلخیاں بھلا دینی چاہئیں اور صاف اور

نیا دماغ ہے کہ وقت کا تقاضا پورا کرنا چاہیئے ۔ سیاہی سوکھ چکی اور قلم کو جو لکھنا تھا لکھ چکا

اب ان حالات میں ہمیں کون سا رُخ اختیار کرنا چاہیئے جو مسلمانوں کے لئے اور ملک کے لئے صحیح راستہ ہو سکتا ہے ۔ میرے پاس اس کا کوئی نیا جواب نہیں ۔ اگر یہ گتھی میرے ناخنوں کو چھوڑتی ہے کہ میں اسے سلجھاؤں تو میرے پاس کوئی نیا حل نہیں ۔ میرے پاس پرانا حل ہے جو تیس بلکہ چالیس سال سے آپ کے سامنے رکھتا رہا ۔ ایسے ہزاروں بلکہ لاکھوں اشخاص موجود ہیں جو میرے ساتھ تھے اور ہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ملک میں بہت سے لوگ میرے ساتھ نہیں تھے لیکن ان کو بدلے ہوئے حالات میں اپنا رویہ بدلنے میں کوئی ہرج نہیں ۔

مولانا آزاد نے نومبر کے اس مشاورتی جلسے کا ذکر کرتے ہوئے جو دہلی میں ہوا تھا کہا کہ پچھلے دنوں میرا ارادہ نہیں تھا کہ کوئی جلسہ بلایا جائے ۔ میرا خیال تھا کہ انہیں موقعہ دینا چاہیئے کہ حالات خود کوئی رُخ اختیار کریں

لیکن میں نے دیکھا کہ ملک کے مختلف حصوں سے میرے اوپر خطوں اور تاروں کی بارش ہونے لگی ۔ یہ درخواستیں جو برستی رہیں اس میں زیادہ تعداد ان لوگوں کی تھی جن کا تعلق مسلم لیگ سے ہے پھر دہلی میں کچھ لوگ آئے انھوں نے کہا کہ تم کو رہنمائی کرنا چاہیئے ۔ میں نے کہا کہ بہتر ہوگا کہ کوئی موقعہ ایسا پیدا کیا جائے جس میں ملک کے مختلف

حصوں کے نمائندے اکٹھا کئے جائیں۔ عید کے بعد ارادہ تھا کہ ایسا جلسہ طلب کیا جائے لیکن بدقسمتی سے دہلی کی ہوا بگڑ گئی اور بات ٹل گئی۔ تھوڑے دنوں بعد پھر تقاضے شروع ہوئے اور آخر میں نے سوچا کہ آخر جس چیز کو میں اور ہمارے ساتھی درست سمجھتے تھے اُسے ملک کے سامنے رکھ دیں۔ کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو ہم دماغ پیدا نہیں کر سکیں گے ا ہم کسی کے دل کو بدل نہیں سکتے۔ کوئی دل یا دماغ نہیں بنا سکتے بلکہ ہم جو چیز صحیح سمجھتے ہیں اُسے مسلمانوں کے سامنے رکھ دیں مسلمانوں کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے اس سے زیادہ ضروری چیز ملک کے لئے کوئی نہیں ہے۔ جہاں تک ملک کی سیاسی زندگی کا تعلق ہے، فرقہ پرستی کو مذہب کے نام پر ہمیشہ کے لئے دفن کرنا چاہئے اس کے سوا میرے پاس کوئی مشورہ نہیں

اس پر آپ کو توجہ کرنا چاہئے کہ لیگ نے ملک کے سامنے ایک مقصد رکھا وہ صحیح غلط اس جھگڑے میں نہ پڑئیے۔ میں تو اس کو آج بھی غلط سمجھتا ہوں لیکن جب تک ملک میں برطانی حکومت تھی ہمارے لئے کوئی فیصلہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ لیکن جب برطانی حکومت یہاں سے ہٹنے والی تھی، اس وقت کوئی تاخیر ممکن نہ تھی

پہلے برطانی کابینی وفد آیا تھا کہ یہاں کی سیاسی گتھی سلجھائے کانگریس نے مجھے بھی گتھی سلجھانے کے کام میں حصہ لینے کو رکھا تھا۔ اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت مسلمانوں اور ملک کی تمام اقلیتوں کے مفاد

کو دیکھتے ہوئے اس سے بہتر کوئی نقشہ نہیں بن سکتا تھا لیکن جن لوگوں کے ہاتھوں میں مسلمانوں کی رہنمائی تھی انھوں نے اس کو ٹھکرا دیا اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا کیا جائے؟ اور جب برطانی حکومت نقشے سے ہٹ گئی تو سوال پیدا ہوا کہ کیا کیا جائے؟ اب سوال یہ تھا کہ کیا کرنا چاہیے! ہم یہ محسوس کرتے تھے کہ ان بنیادوں پر ہندوستان کی تقسیم صحیح نہیں۔ دوسری طرف یہ دیکھتے تھے کہ کسی نہ کسی شکل میں اس معاملے کا فیصلہ کرنا چاہیے۔ اس کو اب زیادہ دنوں تک روکا نہیں جا سکتا تھا۔

یہ معاملہ تو مارچ کے آخر میں آگیا تھا لیکن میں آپ کو بتلا دینا چاہتا ہوں کہ میں نے اس کو ۱۰ مارچ تک چلانا چاہا۔ اس وقت میں شملہ میں تھا اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن نقشے کو لے کر ۱۰ مئی کو انگلینڈ جا رہے تھے۔ مجھے تار دیا کہ اب کیا کرنا چاہیے جو نقشہ ہم نے برطانی کابینہ کی موجودگی میں بنایا تھا وہی بہترین تھا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ تمام حالات کو دیکھتے ہوئے ان سے بہتر بھی نقشہ بنایا جا سکتا تھا اور اسی طرح ان دشواریوں کا حل بھی نہیں نکل سکتا تھا اس کے علاوہ کوئی دوسرا نقشہ نہیں ہو سکتا۔ حالات ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ کوئی نہ کوئی حل نکالنا ضروری تھا۔ میرے ساتھی بھی اسے محسوس کرتے تھے۔ ۳ جون کو اس کا اعلان ہوا وہ چیز اچھی تھی یا بری، صحیح تھی یا غلط، کانگریس نے اتفاق کیا، اور فیصلہ ہو گیا۔ ضرورت محسوس ہوئی کہ یہ کاغذ کا فیصلہ

نہ رہے بلکہ اسے عملی جامہ پہنایا جائے۔

لیگ ایک خاص مقصد کے حاصل کرنے کے لئے تھی وہ چیز حاصل ہوگئی۔ لیکن اب اس کے حاصل ہو جانے کے بعد لیگ کے باقی رہنے کا سوال باقی نہیں رہتا۔ انڈین یونین کے اصولوں میں اس کی کوئی جگہ نہیں رہی۔ اگر رہی ہے تو مضرت کی رہی ہے، تباہی کی رہی ہے۔

دہلی میں ۱۵ راگست کے بعد لیگ کے بعض ذمے دار حضرات نے مجھ سے دہلی میں کہا تھا کہ انھوں نے بھی محسوس کر لیا ہے کہ لیگ کا وہ ڈھنگ اور پالیسی نہیں رہنی چاہیے جو کل تک تھی، لیکن وہ سمجھتے ہیں کہ ایسا بہتر طریقہ تب ہی ہو سکے گا جب لیگ کی لیڈرشپ بدلی جائے انھوں نے کہا کہ یہ کام تم اپنے ہاتھ میں لو۔ لیکن میں نے ان سے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ چیز بالکل غلط ہے سوال یہ ہے کہ ملک میں ایک جماعت موجود ہے اس کا خمیر فرقہ پرستی سے بنا ہے۔ اس کے علاوہ دس برس کے اندر اس کی ایک خاص زندگی بن چکی ہے جس کو آپ الگ نہیں کرسکتے اب لیڈرشپ بدلنے سے کیا نتیجہ نکل سکتا ہے! انجمن وہی موجود ہے اس کا وہی خمیر ہے وہی پچھلی تاریخ ہے۔ وہی پہلی روایتیں ہیں۔ میں نے اُن سے کہا کہ آپ اس طرح کی لیپ پوت کر کے ملک کی ہوا پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتے

میں اس سے اتفاق نہیں کروں گا۔ میں اس سلسلے میں کوئی مشورہ نہیں دوں گا۔ آپ خود مسلم لیگ کا جلسہ بلائیے اور اس کے

سامنے اس بات کو صاف الفاظ میں رکھئے کہ اب مسلم لیگ کی ضرورت نہیں اس کو
ختم کیا جائے۔ ایک صاف بات کو اس طرح پیش کرنے میں پس و پیش کیوں
کیا جائے۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ کیا فرقہ وارانہ انجمنوں کو باقی رکھنا چاہیے
یا نہیں؟ میرے نزدیک ایسی انجمنوں سے زیادہ مہلک کوئی چیز نہیں
آپ کا پہلا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ اسے صاف کردیں کہ آپ کوئی مسلم
مجلس کوئی ایسا مسلم نظام برقرار نہ رکھیں گے جو سیاسی میدان میں فرقہ
بندی کی بنیاد پر کام کرے۔ البتہ آپ کو آزادی ہی کہ تعلیمی اور تمدّنی
مقاصد کے لیے اپنی انجمنوں کو برقرار رکھیں۔ ان بنیادوں پر کسی قسم
کی انجمنیں قابل اعتراض نہیں بلکہ ضروری ہیں۔ مذہبی تعلیم اور تمدنی مفاد
کی نگہداشت کے لئے انجمنیں ضرور بننا چاہئیں۔ لیکن جہاں تک سیاسی میدان
کا تعلق ہے اس میں فرقہ بندی کی بنیاد پر ہندو مسلم سکھ نظام ہونے چاہئیں
یا نہیں۔ اس کا فیصلہ آپ کو کرنا ہی لیکن اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ ملک کے لیے
زہر قاتل ہیں تو صاف صاف فیصلہ کیجئے کہ مسلمان کوئی سیاسی نظام برقرار
رکھنا نہیں چاہتے

چنانچہ میں نے اس موقع پر بھی یہی مشورہ دیا تھا اور یہی مشورہ
اس وقت بھی دے رہا ہوں۔ یہ بھی ظاہر کردینا چاہتا ہوں کہ اس وقت سوال
یہ ہے کہ فرقہ وارانہ انجمنوں کا وجود باقی رہے یا نہیں اگر آپ نے یہ فیصلہ کرلیا
کہ ایسی انجمن نہیں ہونا چاہیئے اور کہہ دیا کہ مسلم لیگ کو ختم کردو تو آپ کا کام
ختم ہوگیا۔ آپ کی جمعیتہ العلماء ایک مقتدر جماعت ہی وہ دینی امور کی نگراں ہو

لیکن وہ سیاست کو بھی اپنے ہاتھ میں نہیں رکھ سکتی۔ اس جمعیۃ نے باوجود مخالفتوں کے سیاسی میدان میں رہنمائی کی دوسری انجمنیں بھی تھیں۔ جو سیاست میں مسلم لیگ کے ساتھ نہ تھیں وہ بھی اپنا کام کرتی رہیں۔ اب ان سب انجمنوں کو ختم کر دیا جائے

سب سے بڑی رکاوٹ فرقہ پرستی ہے۔ کسی ایک گوشے کی فرقہ پرستی پر نہیں، ایک جماعت کی نہیں بلکہ سب کی فرقہ پرستی پر ذمہ داری ہے جس طرح ان بربادیوں میں جو ۱۵ اگست کے بعد ہوئیں ہر جماعت اور ہر فرقے کے خون کا دھبہ ہے مسلمانوں کا ہاتھ خون سے رنگا ہے۔ سکھوں کا ہاتھ رنگا ہے۔ ہندوؤں کا ہاتھ رنگا ہوا ہے۔ جہاں تک فرقہ پرستی کا تعلق ہے وہ کسی ایک ہی راستے سے نہیں آئی ہے۔ ہم ایمان داری کے ساتھ محسوس کرتے ہیں کہ سب دروازے بند ہونے چاہئیں۔ ہم آزادی کا جو خواب دیکھ رہے ہیں اگر اس کو برباد نہیں کرنا چاہتے تو ہمارا یہ فرض ہے کہ جن دروازوں سے فرقہ پرستی آئی ہے ان کو بند کر دیں۔ ۱۵ اگست سے پہلے جو چیز میرے نزدیک صحیح تھی وہ آج تو آپ کے نزدیک صحیح ہونا چاہیے، اور اگر آپ آج اس کو صحیح نہیں دیکھتے تو آپ مسلمانوں کی اصلاح حال نہیں کرنا چاہتے۔ فرقہ پرستی کے روگ سے مسلمانوں کو بچائیں جو مسلمان اور جو جماعت ایک ایک دن بھی اس میں تاخیر کرتی ہے تو وہ ملک کی بربادی کی ایک اینٹ رکھتی ہے۔ اور لوگ ملک کی بربادی کی جو دیوار بنانا چاہتے ہیں اس میں اینٹ لگاتی ہے

یہ میری آنکھوں کی دیکھی ہوئی چیز ہے۔ میں آپ کو دیکھ رہا ہوں۔ اگر آپ ہوٹلوں کو بند نہیں کرنا چاہتے تو آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس سے بڑھ کر کوئی خطرناک چیز نہیں۔ فرقہ پرستی کے سب دروازے بند ہونے چاہئیں۔ دہلی میں جو مشاورتی جلسہ ہوا۔ اس میں یہ طے ہوا کہ مسلمان نمائندوں کا ایک جلسہ بلایا جائے اور اس میں یہ طے کیا جائے۔ میں یہاں ایک بات اور بتلا دوں کہ ۱۵ اگست کے بعد دوسری جماعتوں کے نمایندوں کے علاوہ مجھ سے مسلم لیگ کے نمایندے بھی ملے

اگر آپ یہ فیصلہ کرتے ہیں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ آپ فرقہ داری پسند نہیں کرتے خواہ وہ تازے توڑنے والی انجمن ہی کیوں نہ ہو۔ وقت کے سوال کی اصلی چیز یہی ہے اس سے آپ کا بنیادی کام پورا ہو جاتا ہے۔ اور یہ چیز اپنی جگہ مکمل ہے فرقہ وارانہ سیاسی انجمن ختم ہونا چاہیئے، اور آیندہ ایسی کوئی انجمن نہ ہونا چاہیئے

آیندہ مسلمان کیا کریں؟ کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ وہ ایک سیاسی انجمن میں شریک ہو سکتے ہیں جس میں کوئی تفریق نہ ہو۔ اس کا ایک سیاسی مقصد ہو۔ ہندو مسلمان، عیسائی سب اس میں شریک ہو سکتے ہوں، تب آپ کا بنیادی کام پورا ہو گیا۔ آپ کسی انجمن میں جائیں۔ لیکن وہ انجمن سیاسی اور غیر فرقہ وارانہ ہو۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ صرف ایسی انجمن میں شریک ہو کر فرقے داری ختم نہیں ہو جاتی۔ اس کی یہ مانگ باقی رہتی ہے کہ اگر آپ مشورہ دے سکتے ہیں تو مشورہ کیا ہو۔ اس کے بارے

[illegible] سیاست [illegible] کوئی [illegible] نہیں ہے۔ ملک میں
[illegible] سیاست [illegible] میں صرف ایک ایسی جماعت ہے جس میں مسلمان
[illegible] ہو سکتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک مسلمان جو کل تک مسلم لیگ
میں تھا مسلم لیگ کے ختم ہو جانے کے بعد کسی دوسری غیر فرقہ پرست جماعت میں شریک
ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ اصل چیز فرقہ پرستی کو سیاست کے میدان سے ہٹانا
ہے۔ لیکن آپ کو یہ مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ آج کل یا پرسوں فیصلہ کیجئے۔ فیصلہ
[illegible] سے کام پورا نہیں ہو گا۔ آپ نے فیصلہ کیا اور بستر پر جا کر لیٹ گئے، تو
فیصلہ تو ہو گیا لیکن ملک میں آب و ہوا نہیں بدلی۔ اب آپ کو چاہئے کہ ایک
نئی آب و ہوا پیدا کریں۔ آپ کو ایک کمیٹی بنانا چاہئے لیکن وہ غیر فرقہ پرستی پر
مبنی ہو۔ غیر فرقہ پرستی کے متعلق یہ کمیٹی پروپیگنڈا کرے۔ ملک میں اس کی آب
و ہوا پیدا کرے۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو ملک کی خدمت کریں گے

میرے نزدیک صحیح مشورہ یہی ہو سکتا ہے کہ ملک میں جو غیر فرقہ وارانہ
سیاسی جماعت ہو سکتی ہے وہ کانگریس ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ
اس مشورے کے دینے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر مسلمان اس سے
پہلے مسلم لیگ میں تھا اس کو صرف کانگریس میں شریک کر لینا چاہئے
[illegible] سب سے زیادہ ترقی پسند اور غیر فرقہ وارانہ جماعت میں
شرکت کرنی چاہئے اور میرے نزدیک یہ جماعت کانگریس ہے

[illegible]